Editor:—

Mohammad Ali Raunaq.

Annual Subscription Rs. 3/- Single Copy Annas 4.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نعت شریف

چون نگاہم بر سوادِ گنبدِ اخضر گذشت
در دلم از راہِ دیدہ نورِ جاں پرور گذشت

در خیالِ دیدہ شانِ نزولِ ما طغیٰ
آرزو ام از تمنائے خم و ساغر گذشت

کیف ہا ریزد بجامِ من غبارِ کوئے او
اے خنک راہے کہ بر آں ساقیِ کوثر گذشت

داغِ عشقِ او بدل پروردہ ام از خونِ دل
بر مزارم ضو فشاں خواہد مہ و اختر گذشت

اے خوشا چشمے کہ از او موجِ انوارِ کرم
بے محابا بر ریاضِ اسود و احمر گذشت

تیرہ تر شد بختِ من از ظلمتِ عصیانِ من
بر سرم اے شافعِ محشر ببیں محشر گذشت

خامہ بر تقصیر ہائے او سرش گردم کشید
چون بچشمِ خلقِ او ہم از عدو معذر گذشت

خویش را در ہجرِ احمد مبتلا ساز و نگر!
استغنے را عالمِ نالہ چساں بر سر گذشت

ہیچ صورت با پر کاہے نمے ارزد مرا!
اشتیاقے! اگر تمیزِ مرسل و داور گذشت

با توجہ گویم ز حسنش اے دلِ جلوہ پرست
ہر کہ دید او را بقلبش آں ضیا پیکر گذشت

از تو لائیش نصیبم جلوہٴ دیگر گرفت!
شادم اے شاکر کہ در آئینہ ام جوہر گذشت

شاکر صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

جلد ۱۸ | فروری سنہ ۱۹۳۲ء مطابق شوال سنہ ۱۳۵۰ ہجری | نمبر ۲

ارشاداتِ اقبال

خطبۂ عید الفطر

امسال عید الفطر کا خطبہ علامہ حضرت اقبالؔ نے دیا۔ آپ نے فرمایا۔ ملتِ اسلامیہ! قرآن حکیم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینٰت من الھدیٰ والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ط

یہی ارشاد خداوندی ہے جس کی تعمیل میں آپ نے ماہ رمضان کا پورا مہینہ روزے رکھے۔ اور اس اطاعت الہٰی کی توفیق پانے کی خوشی میں آج بحیثیت قوم خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجالانے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہ۔

بیشک مسلم کی عید اور اس کی خوشی اگر کچھ ہے۔ تو یہ کہ وہ طاعتِ حق یعنی عبدیت کے فرائض کی بجا آوری میں پورا نکلے۔ اور قومیں بھی خوشی کے تیوہار مناتی ہیں۔ مگر سوائے مسلمانوں کے اور کونسی قوم ہے۔ جو خدائے پاک کی فرمانبرداری میں پورا اترنے کی عید مناتی ہو۔

مورخین کے بیان کے مطابق سنہ ۲ھ میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے۔ صدقہ عید الفطر کا حکم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال جاری فرمایا۔ حضورؐ نے پہلے ایک خطبہ دیا جس میں صدقہ کے فضائل بیان فرمائے۔ پھر صدقہ کا حکم دیا۔ عید الفطر کی نماز باجماعت عیدگاہ میں اسی سال ادا فرمائی۔ سنہ ۲ھ سے پہلے عید کی نماز نہیں ہوتی تھی۔

اسلام کے ارکان یعنی توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جب نبی امیؐ کی پاک زبان سے خالق اکبر نے بندوں کی اصلاح و فلاح کے لئے

ہدایت فرمائے۔ تو مقصود یہ تھا۔ کہ ان کی پابندی سے مسلم بحیثیت فرد وہ انسان بن سکے جسے وحی خداوندی احسن التقویم کے نام سے تعبیر کرتی ہے اور ملت اسلامیہ وہ ملت بن جائے۔ جو قرآن پاک کے الفاظ کے مطابق دنیا کی بہترین امت ہو۔ اور اپنے تمام معاملات میں اعتدال اور میانہ روی کے اصول کو ہمیشہ سامنے رکھنے والی ہو۔ اسلام کا ہر رکن انسانی زندگی کے صحیح نشو و نما کے لئے اپنے اندر ہزار ہا ظاہری اور باطنی مصلحتیں رکھتا ہے۔ مجھے اس وقت صرف اسی رکن کی حقیقت کے متعلق آپ سے دو ایک باتیں کہنا ہے۔ جسے "صوم" کہتے ہیں۔ اور جس کی پابندی کے شکرانہ میں آپ عید منا رہے ہیں ؎

روزے کا فلسفہ روزہ انسان کو پرہیزگاری کی راہ پر چلاتا ہے۔ اس سے جسم اور جان دونو تزکیہ پاتے ہیں۔ یہ خیال کہ روزہ ایک انفرادی عبادت ہے۔ صحیح نہیں۔ بلکہ ظاہر و باطن کی صفائی کا یہ طریق بہ ضبط نفس۔ یہ حیوانی خواہشوں کو اپنے بس میں رکھنے کا نظام اپنے اندر ملت کی تمام اقتصادی اور معاشرتی زندگی کی اصلاح کے مقاصد پوشیدہ رکھتا ہے۔

عید کی حکمت آج کی عید عید الفطر کہلاتی ہے۔ پیغمبر خدا نے جب عید کے لئے عید گاہ میں اکٹھا ہونے کا حکم دیا۔ تو ساتھ ہی صدقہ عید الفطر ادا کرنے کا حکم بھی دیا۔ تعجب نہیں کہ عید کا دن مقرر کرنے کی غرض ہی شارع علیہ السلام کے نزدیک صدقہ عید الفطر کا جاری کرنا ہو۔ حق یہ ہے۔ کہ زکوٰۃ اور اصول تقسیم وراثت کے بعد تیسرا طریق اقتصادی اور معاشرتی مساوات قائم کرنے کا جو اسلام نے تجویز کیا۔ صدقات کا تھا۔ اور ان صدقات میں سب سے بڑھ کر صدقہ عید الفطر کا اس لئے کہ یہ صدقہ ایک مقررہ دن پر تمام قوم کو ادا کرنا ہوتا ہے۔

روزوں کا ملّی فائدہ رمضان کا مہینہ آپ نے اس اہتمام سے بسر کیا ہے۔ کہ کھانے پینے کے اوقات کی پابندی سیکھ لی۔ اپنی صحت درست کر لی۔ آیندہ گیارہ مہینے کئی بیماریوں سے محفوظ رہنے کے قابل اپنے آپ کو بنا لیا۔ کفایت شعاری سیکھی۔ رزق کی قدر و قیمت سیکھی۔ یہ سب ذاتی فائدے تھے۔ صیام کا قومی اور ملّی فائدہ یہ ہے۔ کہ صاحب توفیق مسلمانوں کے دل میں اپنی قوم کے مفلس اور محروم افراد کی عملی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو۔ اور صدقہ فطر کے ادا کرنے سے قوم میں ایک گونہ اقتصادی اور معاشرتی مساوات صرف ایک آدھ دن کے لئے قائم ہو جائے۔ بلکہ ایک مہینہ کا متواتر ضبط نفس تم کو اس لئے سکھایا گیا ہے۔ کہ تم اس اقتصادی اور معاشرتی مساوات کو قائم رکھنے کی کوشش تمام سال کرتے رہو ؎

نزول قرآن کی سالگرہ روزے ماہ رمضان کے ساتھ اس لئے مختص کئے گئے۔ کہ اسلام نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اسرار کو مدنظر رکھ کر "صیام" کے زمانی تسلسل کو ضروری سمجھا جس کے لئے وقت کی تعیین لازم تھی۔ اور چونکہ اسلام کا اصل مقصود انسانوں کو احکام الٰہی کی فرمانبرداری میں پختہ کرنا تھا۔ اس لئے صیام کو اس مہینہ سے مختص کیا گیا۔ جس میں احکام الٰہی کا نزول شروع ہوا تھا۔ بالفاظ دیگر یوں کہو۔ کہ مسلمانوں کو ہر سال ایک پورا مہینہ کامل تزکیہ نفس کے ساتھ نزول قرآن حکیم کی "سالگرہ" منانے کا حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ احکام الٰہی کی حرمت و تقدیس ہمیشہ مدنظر رہے۔ اور نماز تراویح پر کاربند ہو کر قوم کے ہر فرد کو اجتماعی حیات کا قانون عملاً ازبر ہو جائے ؎

دُوسروں کے اموال پر ناجایز تصرف

روزہ رکھ کر مفلسوں سے محض ہمدردی کا احساس پیدا کرلینا کافی نہ تھا۔ عید کے دن غرباء کو دو چار دن کا کھانا دے دینا کافی نہ تھا بلکہ وہ اختیار کرنا مقصود تھا جس سے مستقل طور پر دنیاوی مال ومتاع سے انتفاع کے قواعد اس طور پر قائم ہوں۔ کہ جہاں تقسیم وراثت اور زکوٰۃ سے ملت اسلامیہ کے مال ومتاع میں ایک گونہ مساوات پیدا ہو۔ وہاں اس مساوات میں ایک دوسرے کے اموال میں ناجایز تصرف سے کسی قسم کا خلل نہ آئے۔ روزوں کے التزام سے صرف انفرادی روحانیت کی ترقی سے زیادہ انسانوں کے ساتھ ایک ہنگامی ہمدردی ہی مقصود نہیں بلکہ شارع کی نظر اس بات پر ہے۔ کہ تم اپنے حلال کے کمائے ہوئے مال پر قناعت کرو۔ اور دوسروں کے کمائے ہوئے مال کو باطل طریقوں سے کھانے کی کوشش نہ کرو۔ اس باطل طریق پر دوسروں کا مال کھانے کی بدترین روش قرآن کے نزدیک یہ ہے۔ کہ مال ودولت کے ذریعہ حکام تک رسائی حاصل کی جائے۔ اور ان کو رشوتوں سے اپنا طرفدار بنا کر اوروں کے مالوں کو اپنے قبضہ میں لایا جائے؛

مقدمے عدالتوں میں نہ لے جاؤ

من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون میں "اثم" کے معنی بعض مفسرین نے جھوٹی گواہی وغیرہ کے لئے ہیں۔ علمائے قرآن نے "حکام" سے مراد مسلمانوں کے اپنی مفتی۔ قاضی اور سلطان لئے ہیں۔ جب اپنے فقیہوں اور قاضیوں کے پاس جھوٹے مقدمے بنا کر لے جانے کو خدا نے مذموم قرار دیا ہو۔ تو سمجھ لو۔ کہ غیر اسلامی حکومتوں کے حکام کے پاس اس قسم کے مقدمات لے جانا کس قدر ناجائز ہے۔ مہینہ بھر روزے رکھنے کی آخری غرض یہ تھی۔ کہ آئندہ تمام سال اس طرح ایک دوسرے کے ہمدرد اور بھائی بن کر رہو۔ کہ اگر اپنا مال ایک دوسرے کو بانٹ کر دے نہیں سکتے۔ تو کم سے کم "حکام" کے پاس کوئی مالی مقدمہ اس قسم کا نہ لے کر جاؤ۔ جس میں ان کو رشوت دے کر حق وانصاف کے خلاف دوسروں کے مال پر قبضہ کرنا مطلوب ہو؛

آج کے دن سے تمہارا عہد ہونا چاہئے۔ کہ قوم کی اقتصادی اور معاشرتی اصلاح کی جو غرض قرآن حکیم نے اپنے ان احکام میں قرار دی ہے۔ اس کو تم ہمیشہ مدنظر رکھو گے؛

آہ! کشمیر جنت نظیر

وہ کشمیر جو سیرگاہ عام تھی۔ وہ کشمیر جو جنت نظیر تھا۔ وہ کشمیر جو گہوارۂ امن وامان تھا۔ وہ کشمیر جس کی فضا اور آب وہوا خوشگوار تھی۔ آج فتن وفساد اور آفات وحوادث کا مرکز ہے۔ رقابت مذہبی نے اس کی تمام خوبیاں اور تمام دلفریبیاں خاک میں ملا دیں۔

نہ راعی کو چین۔ نہ رعیت کو آرام چپہ چپہ پر شورش اور قدم قدم پر خطرہ الامان والحفیظ!!

ہندو اخبارات اٹھا کر دیکھو۔ تو مسلمانوں کی دست درازیوں سے دل کانپتا ہے۔ مسلم جرائد کو پڑھو۔ تو ہندوؤں کی چیرہ دستیوں سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ایک شور ہے۔ کہ خدا کی پناہ! حقیقت واصلیت خدا جانتا ہے۔ یا وہ لوگ خوب واقف ہیں جنہیں ان مصائب وآلام سے سابقہ ہے۔ خدا ان بھلے لوگوں کو ہدایت دے۔ جو بے پر کی اڑا کر مخلوق کو گوناں گوں پریشانیوں میں مبتلا کر رہے ہیں۔ اور امن وچین میں گند اوقات کرنے والوں کو بے خانماں کرنے میں ہی فلاح ونیکی سمجھتے ہیں۔ کیا حکومت انگریزی اس قضیہ کے دفعیہ کا کوئی فوری انتظام کرنے کی جانب متوجہ ہوگی؟

حکومت ہند کا مبارک اقدام

ہم نے اس خبر کو بڑی مسرت کے ساتھ سنا ہے۔ کہ حکومت ہند نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ سلطنت نظام (حیدرآباد) کا جو علاقہ رزیڈنسی حکومت کے قبضہ میں ہے۔ وہ اپریل ۱۹۳۲ء سے حضور نظام کو واپس کر دیا جائیگا۔ ہمارے نزدیک حکومت ہند کا یہ مبارک اقدام نہ صرف دولت نظام کی ہمدردی حاصل کرے گا۔ بلکہ پونے آٹھ کروڑ مسلمانوں کے قلوب میں اپنے ہمدردانہ برتاؤ کی وجہ سے ایک استوار جذبۂ تشکر پیدا کردے گا اور اگر اس قسم کی ہمدردانہ روش جاری رہی۔ اور حکومت ہند نے آئندہ بھی ہر معاملہ میں اپنی کشادہ دلی کا ثبوت دیا۔ تو ہمیں امید ہے۔ کہ کہ تمام مسلمانان ہند ہر دشوار ترین مرحلہ میں اس کے ساتھ تعاون کرینگے جس کی حکومت کو آجکل بھی سخت ضرورت ہے۔ اور کل کو آج سے بھی زیادہ ضرورت ہوگی۔ اس لئے کہ شنگھائی سے جنگ کے جو خوفناک شعلے بلند ہوئے ہیں۔ وہ سیاسیات عالم میں زبردست انقلاب کا باعث ہونگے۔ اور اس وقت حکومت ہند کو اقوام ہند کے تعاون کی اشد ضرورت لاحق ہوگی ؎

ہمیں حکومت کے تدبر سے امید ہے۔ کہ جس طرح اس نے رزیڈنسی علاقہ کا فیصلہ کیا ہے۔ اسی طرح مسلمانان ہند کے خدمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے برار کی واپسی کے معاملہ میں بھی ہمدردانہ غور کریگی۔

پردہ پر مناظرہ

پردہ کے خلاف ایک عرصہ سے جہاد جاری ہے بعض حلقوں میں تو اسے خلاف تہذیب و انسانیت قرار دے کر ترک کر دیا گیا ہے۔ اور بعض ترک کرنے کی فکر میں ہیں۔ چنانچہ لاہور کی "بزم ستارۂ ادب" کے اہتمام میں پردہ کے موضوع پر مجلس مناظرہ منعقد ہوئی ہے۔ آنریبل ڈاکٹر گوکل چند نارنگ کی صدارت میں حکیم احمد شجاع سکرٹری پنجاب کونسل۔ ڈاکٹر نند لعل۔ شیخ محمد امین بیرسٹر۔ مسٹر ایم بیگ صاحبہ انسپکٹرس اسلامیہ سکولز۔ لالہ رام چند ایڈوکیٹ۔ مسٹر جلال الدین برٹن۔ پنڈت ہری چند اختر ایم۔ اے۔ سید امتیاز علی تاج بی۔ اے۔ مسٹر ظہیر حق ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ سید محسن شاہ اور خان بہادر شیخ نور الٰہی ڈپٹی ڈائرکٹر ایسے لوگ شریک مناظرہ ہونگے۔ دیکھیں۔ پردہ کی قسمت کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ پردہ کی رائج الوقت رسم مذموم ہے۔ اور وقت آگیا ہے۔ کہ اسے ترک کر دیا جائے۔ بات تو ٹھیک ہے سہ

محو حیرت ہیں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائیگی

عورتیں کرایہ پر

سٹیلوس (جنوبی افریقہ) کی ایک تازہ اطلاع سے واضح ہوتا ہے۔ کہ اس علاقہ میں عورتوں کو اپنی زوجیت میں کرایہ پر لیا جا سکتا ہے۔ واٹربرگ میں لڑکیوں کے باپ اپنی لڑکیوں کو معاوضہ لے کر دوسرے مرد کو دیدیتے ہیں۔ اس رسمی رقم معاوضہ کا نام "لوبولا" ہے۔ اسی رسم نے عورتوں کو قرضہ میں دینے کے متعلق گزشتہ چند ماہ میں بہت سی سہولتیں پیدا کر دی ہیں۔ اور رمالمیری کے ایک لڑکے نے ایک لڑکی بطور بیوی آٹھ مویشی کے عوض میں خریدی ہے۔ اس کے علاوہ دو سال تک وہ ۴ مویشی سالانہ ادا کرے گا۔ اور بھیڑوں اور بکریوں کی شکل میں سود بھی ادا کرتا رہے گا۔ اسی عجیب و غریب رسم کے سلسلہ میں یہ قاعدہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اگر کل معاوضہ یا سود کی ادائیگی نہ ہوگی۔ تو اس کی بیوی سے شوہر کے جتنے بچے ہوں گے۔ وہ اپنے نانا کے قبضہ میں بطور امانت رہیں گے ؎

جمعیت اقوام کا نیا کیلنڈر

اخبار بین حضرات ناواقف نہ ہونگے۔ کہ کچھ عرصہ سے اخبارات میں یہ تحریک گشت کر رہی ہے۔ کہ جمعیت اقوام سال کے تیرہ مہینے اور مہینے کے اٹھائیس دن دنیا میں رائج کرنا چاہتی ہے۔ دنیوی حیثیت سے بارہ مہینے مفید ہیں یا تیرہ۔ اس سے سردست کوئی بحث نہیں۔ آج دکھلانا یہ مقصود ہے۔ اس وقت ۱۹۳۳ء لغایت ۱۹۴۹ء کا کیلنڈر جس کو انٹرنیشنل ریلیجن لیبرٹی ایسوسی ایشن لونہ نے شائع کیا ہے۔ اس میں جمعہ کا دن کسی سال جمعرات کو کسی سال بدھ کو اور کسی سال منگل کو ہوتا ہوا ہمیشہ بدلتا رہیگا۔ جس کے لئے ہمیں جمعہ کا دن یاد رکھنے کے واسطے علیحدہ کیلنڈر شائع کرنے ہونگے۔ کہ اس سال کی فلاں فلاں تاریخوں میں جمعہ ہوگا۔ اگرچہ وہ دن جمعرات کا ہوگا یا بدھ کا۔ آخر اس تلاطم اور مذہبی دن کے خلط ملط ہونے کی وجہ کیا ہے یعنی لیجئے ۱۹۳۳ء سے نیا کیلنڈر دنیا میں مروج ہوجائیگا جس کا ہر سال تیرہ مہینہ کا اور ہر مہینہ اٹھائیس دن کا ہوگا ہر مہینہ اتوار کو شروع ہوکر سنیچر کو ختم ہوا کریگا۔ چونکہ سال کے ۳۶۵ دن ہوتے ہیں۔ اور تیرہ مہینوں میں ۳۶۴ آتے ہیں۔ لہذا ہر سال کے اختتام پر ایک بینک ڈے یا زیرو ڈے یعنی خالی دن ہوگا۔ جو کسی شمار وقطار میں نہ ہوگا۔ اور نہ اس کا کوئی نام ہوا کرے گا۔ لیپ کے سال میں یہ بینک ڈے بجائے ایک کے دو ہوا کرینگے۔ یہ ایک دن اور ایک سال لیپ کے اختتام پر دو دن گذر جانے کے بعد پھر نیا سال شروع ہوا کرے گا۔ چنانچہ ہر یکم جنوری کے دن کا نام اتوار ہوا کرے گا۔ اگرچہ دن کوئی ہی کیوں نہ ہو۔

مندرجہ ذیل نقشہ ملاحظہ ہو:۔

۱۹۳۳ء میں جمعہ کا دن جمعہ کو ہوگا

۱۹۳۴ء میں جمعہ کا دن جمعرات کو ہوگا۔

۱۹۳۵ء میں جمعہ کا دن بدھ کو ہوگا۔

۱۹۳۶ء جون تک جمعہ کا دن منگل کو ہوگا } لیپ سال

بعدہٗ " " " " سوموار کو ہوگا } لیپ سال

۱۹۳۷ء " " " " اتوار کو ہوگا

۱۹۳۸ء " " " " سنیچر کو ہوگا

۱۹۳۹ء " " " " جمعہ کو ہوگا

صرف یہی نہیں۔ کہ مسلمانوں کا جمعہ خطرہ میں ہے بلکہ عیسائیوں کا اتوار اور یہودیوں کا سنیچر بھی اسی میں غائب ہوگیا۔ مسلمان بدھ کو نماز جمعہ پڑھیں گے۔ تو یہودی جمعرات کو یوم سبت منائیں گے عیسائی اتوار کی بجائے جمعہ کو گرجا میں عبادت کرینگے۔ غرض جمعیۃ الاقوام کا یہ کیلنڈر اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت عجیب ہوگا۔

اعلیحضرت حضور نظام دہلی میں

۱۳ر فروری۔ شام کو سپیشل ٹرین میں اعلیحضرت تاجدار قلمرو ے آصفیہ بصد جاہ وجلال معہ خدم وحشم عازم دہلی ہوئے خدام دولت۔ ب امراء و وزراء مصاحبین دربار اور عسکریہ تعداد کثیر تین سپیشل ٹرینوں میں اعلیحضرت ممدوح کے ہمراہ ہیں۔ پہلی سپیشل ٹرین میں فسٹ حیدرآباد انفنٹری عمر الدین جان ناصر یار جنگ بہادر کی سرکردگی میں عرب لشکر المعروف بہ جمعیت محبوب نظام" اور شاہی مطبخ وفراش خانہ کے عملے ہیں۔ نیز مخصوص شاہی فوج پولیس اور سی۔ آئی۔ ڈی کا عملہ اس ٹرین میں سوار تھا۔ دوسری سپیشل ٹرین میں اعلیحضرت ممدوح کی ذات ہمایونی کے علاوہ حضور پر نور کے برادر اصغر نواب بصالت یار بہادر اپنے عملہ سمیت اور میجر پرنڈرگھوش نیز شہزادگان والا تبار نواب کاظم جاہ بہادر۔ نواب عابد جاہ بہادر۔ نواب حشمت جاہ بہادر نواب ہاشم جاہ بہادر۔ نواب تقی جاہ بہادر۔ نواب بشارت جاہ بہادر۔

اور نواب سعادت جاہ بہادر ماسوائے ان کے کپتان محمد اعجاز علی تہرت کا عملہ اور نواب عثمان یار الدولہ بہادر سوار تھے۔ مزید برآں ریاست کا ایک کیسشنڈ افسر بھی اس ٹرین میں سوار ہے۔ تیسری سپیشل ٹرین میں نواب اعظم جاہ بہادر تھے۔ شہزادہ ممدوح کے ہمراہ آپ کا عملہ بھی ہے جو میر نواز الدولہ بہادر سیکنڈ لانسر کے منیجر غلام مرتضیٰ حسین ناقب بیگ نواب صلابت جاہ بہادر اور مسٹر ریک گوک پر مشتمل تھا۔ علاوہ ازیں اسی سلسلہ میں ملٹی ٹیم بھی بذریعہ میل ٹرین جانب دہلی آرہا ہے۔

اعلٰحضرت سلطان دکن دو ہفتہ دہلی میں قیام فرما کر رام پور اور لکھنؤ کی سیاحت فرماتے ہوئے مراجعت فرمائے حیدر آباد ہونگے۔

جہاں پناہ ۱۵ فروری کو اعلٰحضرت حضور نظام ایک سپیشل ٹرین میں دہلی رونق افروز ہوئے۔ آپ ۲۸ فروری تک نئی دہلی میں ٹھیرینگے کل وائسرائے سے ملاقات کے لئے قصر وائسرائے میں تشریف لے جائیں گے۔ اور پرسوں ہز ایکسیلنسی وائسرائے حضور نظام سے ملاقات کے لئے آپ کے قصر شاہی واقع نئی دہلی میں تشریف فرما ہونگے۔

سر محمد شفیع ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ

ملک دین محمد صاحب سکرٹری انجمن راعیان ہند اطلاع دیتے ہیں۔ کہ ان کی انجمن سر محمد شفیع مرحوم کی یادگار میں ایک ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ قائم کرنا چاہتی ہے۔ اور عنقریب یہ تجویز عملی صورت اختیار کرنے والی ہے۔ ہمیں ملک صاحب کے اس اعلان سے بے حد مسرت ہے۔ مسلمانوں کی روز افزوں بے روزگاری کا سب سے زیادہ موثر علاج یہی ہے۔ کہ ان کو صنعت و حرفت کے شعبوں کی تعلیم دی جائے اور اس تعلیم کا اہتمام خود انہی کے ہاتھ میں ہو۔ لیکن اس سلسلے میں ہمیں صرف اتنی گذارش کرنی ہے۔ کہ یہ درسگاہ صنعت عام مسلمانوں کے لئے قائم ہونی چاہئے۔ ہمیں ملک صاحب کی مراسلت کو پڑھ کر کچھ اس قسم کا احساس ہوا ہے۔ کہ یہ درسگاہ صرف راعیوں کے لئے ہے اگر ہمارا یہ احساس درست ہے۔ تو اس قسم کی درسگاہ بالکل بےسود ہوگی۔ انجمن راعیان ہند کو چاہئے۔ کہ اپنے مرحوم بانی اور صدر کی یادگار کو فرقہ وارا اور جماعتی رنگ دیکر اس کی وقعت کو کم نہ کرے اگر یہ درسگاہ سر محمد شفیع کی زندگی میں قائم ہوتی۔ تو وہ کبھی گوارا نہ کرتے۔ کہ اس کو صرف راعی طلبہ ہی کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

قضیہ چین و جاپان

اطراف و اکناف عالم میں جنگ زرگری کی آگ شعلہ فشاں ہے۔ چین و جاپان خون فشانیوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اخبار بین حضرات اس سے خوب واقف ہیں۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ اب دول عالم نظام ملک کی بجائے ملک گیری کی ہواوہوس میں مبتلا ہیں۔ اور انسانی خون کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ خدا ہے۔ کہ ان حرص و ہوا کے بندوں کو ہدایت دے۔

مسئلہ کشمیر کا تصفیہ

مولانا شوکت علی نے مسجد فتحپوری میں مسلمانوں کے ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یورپین سیاسیات کے بغور مطالعہ کے بعد اس حقیقت کے متعلق میرے دل میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ کہ انگریز ایسی مشکل میں ہیں کہ ان کیلئے مسلمانوں کے تمام جائز مطالبات منظور کرنے اور ان کا تعاون اور خوشنودی حاصل کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہا۔

کشمیر کے متعلق مولانا نے حاضرین کو یقین دلایا۔ کہ نواب صاحب بھوپال نے کشمیر دربار اور وہاں کی مسلم رعایا کے درمیان مصالحت کرانے کا کام اپنے ذمہ لیلیا ہے نیز اس بات کی ذمہ داری لی ہے۔ کہ ان کے تمام مطالبات پورے کرائے جائینگے میری رائے میں مسلمان کشمیر میں کامل ذمہ دارانہ حکومت کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب نہیں ہیں۔ آپ نے کہا۔ کیا مسلمان حیدر آباد میں ہندوؤں کو بھی اگر وہ بھی انتقامی طور پر انہی امور کا مطالبہ کریں۔ ایسے حقوق اور مراعات دینے کیلئے تیار ہونگے؟

لا اکراہ فی الدّین

ہندوؤں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب سلطنت اسلامیہ کی کوشش نہ تھی۔ بلکہ بابا فرید شکر گنج رحمہ۔ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ۔ حضرت خواجہ برہان الدین رحمہ۔ حضرت خواجہ نصیر الدین لودھی رحمہ۔ حضرت سید یوسف عرف سید راجو قتال حسینی رحمہ۔ حضرت شیخ صدر الدین قریشی رحمہ۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمہ۔ حضرت شیخ رکن الدین ملتانی رحمہ۔ حضرت مولانا ظہیر الدین بھکری رحمہ۔ حضرت مولانا فخر الدین ہانسوی رحمہ۔ سید تاج الدین بدایونی رحمہ۔ شیخ وحید الدین عثمانی رحمہ۔ مولانا حسام الدین رحمہ۔ حضرت شمس الدین شیرازی بھکری رحمہ جو سب کے سب درویش اور فاقہ مست عالم تھے۔ تبلیغ اسلام میں مصروف اور ہندوؤں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر رہے تھے۔ ساتھ ہی یہ تصور بھی قائم رہنا چاہیئے۔ کہ سلاطین اسلام جنہوں نے ہندوستان میں حکومت کی ان عالموں اور درویشوں کو اکثر مخالفت کی نظر سے بھی دیکھتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ جو صرف صوفی ہی نہیں۔ بلکہ عالم متبحر بھی تھے۔ اور دہلی میں مصروف درس و تلقین تھے۔ ان کے ساتھ سلطان غیاث الدین تغلق کے تعلقات کشیدہ تھے۔ ان کے مرید مولانا شمس الدین یحییٰ کو بھی کشمیر جانے کے لئے کہنا اس لئے نہ تھا۔ کہ سلطان غیاث الدین تغلق کو ملک کشمیر میں اشاعت اسلام کا اہتمام مدنظر تھا۔ بلکہ وہ مولانا ممدوح سے ناراض اور ان کو دار السلطنت دہلی سے نکالنا چاہتا تھا۔ اس نے دراصل ان کو جلا وطنی کا حکم ان الفاظ میں (جاؤ اور بہرہ کور ہوئے) دیا تھا۔ اور وہ مولانا موصوف کی تبلیغی اور اشاعتی سرگرمیوں سے ناخوش تھا۔ لہذا ہم مسلمانوں کو سلطان تغلق سے شکایت ہو سکتی ہے۔ کہ اس نے جس طرح ملک کے سرسبز و آباد کرنے۔ زراعت پیشہ لوگوں کو (جو سب ہندو تھے) خوشحال فارغ البال بنانے۔ ملک میں امن و امان قائم کرنے بیرونی حملوں سے ملک کو محفوظ رکھنے۔ عدل و انصاف کے لئے بہترین قوانین نافذ کرنے اور بغاوتوں کا سلسلہ مٹانے میں جس ہمت و مستعدی اور قابل تعریف طرز عمل کا اظہار کیا۔ اسی قسم کی سرگرمی تبلیغ اسلام اور ہندوؤں کو مسلمان بنانے میں کیوں ظاہر نہیں کی۔ اور الٹا مبلغین اسلام کی جانب سے کیوں سرگراں ہوا۔ لیکن کسی ہندو کو تو اس سے شکایت ہی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان کے موجودہ بائیس کروڑ ہندوؤں میں بائیس ہندو بھی ایسے نہیں بتائے جا سکتے۔ جو اس بات کا دعویٰ کریں۔ کہ ان کے بزرگ سلطان تغلق یا علاؤ الدین خلجی کے دائرہ حکومت اور سلطنت سے باہر تھے۔ یا مسلمانوں کے محکوم و مغلوب نہ تھے۔ یہ بائیس کروڑ ہندو درحقیقت بائیس کروڑ دلائل اس بات کے ہیں۔ کہ مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں اپنی سلطنت و سطوت و شوکت کو تبلیغ اسلام کے لئے قطعاً استعمال نہیں کیا۔ اور لوگوں کو مذہب کے معاملے میں مختار و آزاد رہنے دیا۔ اور اسلام کی تعلیم ہے۔ لا اکراہ فی الدین۔

کردن خویش آمدن پیش

حامد - دیکھو فہیم! تم نے مجھ پر بیحد ظلم کیا ہے - بلا وجہ مجھے پریشان کر رہے ہو - معاملہ صرف یہ ہے - کہ ایک معمولی حیثیت رکھنے والے مکان کی بابت تم مجھ سے جعلسازی کرانے کے سلسلہ میں رنجیدہ ہو گئے ہو - بس اسی بنا پر تم نے عدالت میں میرے خلاف فوجداری جرم کی نالش کر دی ہے - اور جو جرم مجھ پر ثابت کرانا چاہتے ہو - اس سے میں مطلقاً واقف نہیں ہوں - بلکہ بیگناہ ہوں - ایسی حالت میں بھی کیا تمہارا فرض ہے - کہ مجھے فضول نقصان پہنچانے کی کوشش کرو - نہیں اور ہرگز نہیں ذرا خدا کا خوف کرو - راضی نامہ دیدو۔

فہیم - کیا تم مجھے خدا کا واسطہ دیکر میرے ارادوں سے باز رکھنا چاہتے ہو - حامد تم خوب سوچ سمجھ لو - میں اب ہرگز ٹلنے والا نہیں ہوں۔

حامد - کیا تمہارے پہلو میں انصاف کرنے والا دل نہیں ہے؟

فہیم - ایسا ہی سمجھو۔

حامد - کیا تم خدا کے غضب سے نہیں ڈرتے؟

فہیم - ڈرتا ہوں - لیکن تمہارے لئے نہیں۔

حامد میرے لئے کیوں نہیں - آخر کچھ وجہ تو بتاؤ؟

فہیم - اس کی بھی اس وقت کوئی ضرورت نہیں ہے -

حامد آہ فہیم - کیا تم نے مجھے برباد کرنے کی قسم ہی کھائی ہے؟

فہیم - ضرور -

حامد - کیا کوئی ایسی صورت اب نہیں ہو سکتی - کہ جس سے تمہارے خراب ارادے بدل جائیں؟

فہیم - ہو سکتی ہے -

حامد (بیتابانہ) پیارے فہیم بتاؤ - اور جلد بتاؤ - کہ وہ صورت کونسی ہے؟

فہیم - بس یہی کہ مکان مجھے دلا دو -

حامد (مایوسانہ) آہ! فہیم!! یہ میرے اختیار سے باہر ہے - میں ایسا فریب کبھی نہیں کر سکتا - چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

فہیم - بس تو کسی دوسری حالت میں میرے ارادے بھی نہیں بدل سکتے۔

حامد - فہیم! ڈرو - ڈرو خدا سے ڈرو - ورنہ اس بے انصافی کے بدلے وہ تمہیں اپنی جبّاری اور قہاری کا امتحان بھی بہت جلد کرا دے گا۔

فہیم - مجھے تمہاری ان فضول دہمکیوں کی ذرا بھی پرواہ نہیں -

حامد - تم مجھے اپنا ناصح مشفق سمجھو -

فہیم - میں نہیں سمجھتا -

حامد - بھائی فہیم - تم اور میں دونوں مسلمان ہونے کی حیثیت سے بھائی بھائی ہیں - تمہیں لازم ہے - کہ اپنے ایک مسلمان بھائی کو رنج و مصیبت میں نہ ڈالو - خدا تمہیں اس کا اجر دیگا

فہیم - حامد میں اب تمہاری بکواس سننے کے لئے تیار نہیں ہوں - تم اب فوراً میرے مکان سے دور ہو جاؤ - ورنہ بے عزتی کے ساتھ نکالے جاؤ گے - اچھا رخصت - ہٹو ہٹو - اور جلد ہٹو -

حامد ۔ بھائی فہیم! ٹھیرو ٹھیرو۔ اتنا غصہ نہ کرو۔ غصہ ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ بے سوچے سمجھے کوئی رائے قائم نہ کرنی چاہیئے۔

فہیم ۔ (اور زیادہ غصہ سے) ابھی جاؤ اور فوراً جاؤ۔ ورنہ میں دوسری کارروائی شروع کرتا ہوں۔

واقعہ ۹ بجے شب کا ہے۔ فہیم نے جب غریب حامد کی ایک نہ سنی۔ تو حامد مجبور ہو کر یہ کہتا ہوا چلا۔ کہ اچھا بھائی فہیم میں نے ساری اس زیادتی اور ظلم کا فیصلہ خدا کے سپرد کیا۔ وہی انصاف کرے گا۔

حامد نے ہنوز دوسرا قدم آگے نہ بڑھایا تھا۔ کہ اب فہیم کے غصہ کی کوئی حد نہ رہی۔ اس نے کرخت آواز میں حامد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

ٹھہر ٹھہر! اے بدمعاش ٹھہر! (حامد رکا) فہیم نے پولیس پولیس زور سے آواز دی۔ مکان لب سڑک تھا۔ فوراً دو کانسٹبل آندھی کی طرح داخل ہوئے۔ اور بیچارے بے بس حامد کو اپنے ہمراہ لے کر چلدیئے۔

فہیم جبکہ حامد چلا گیا۔ پھر اطمینان کے ساتھ کرسی پر بیٹھا۔ اور مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا بولا۔ خوب ہوا۔ اب سب مرحلہ طے ہو جائے گا۔

اتنے میں فہیم کی بیوی کمرہ میں داخل ہوئی۔

بیوی ۔ افسوس آپ ایک جاندار انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کر رہے ہیں؟

فہیم ۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں۔ وہ ٹھیک ہے۔

بیوی ۔ ہرگز نہیں۔ ایسی فرضی کارروائی سے حامد کا بال نہ ہوگا۔ وہ عدالت سے رہا ہو جائے گا۔ پھر عدالت کا الٹا دبیڑ کس کے سر پڑیگا کیا دنیا سے انصاف اٹھ گیا ہے؟

فہیم ۔ (غصہ سے)۔ ہاں اٹھ گیا ہے۔ تمہیں کیا۔ خبردار جو سفارش کی۔

بیوی ۔ تم جانو۔ خدا حاضر و ناظر ہے۔ وہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے ضرور حامد کی مدد کرے گا۔ اور پھر تم کف افسوس ملو گے۔

فہیم ۔ کب ممکن ہے۔ کہ میرے مقابلہ میں ایک مفلس شخص بازی لے جائے۔ میں حامد کو سزا دلانے کی کوشش میں اپنے نوٹوں کی گڈیاں فراخدلی کے ساتھ کھول دونگا۔

بیوی ۔ اچھی فراخدلی ہے۔ نیک کام کے لئے تو ایسا کبھی نہ کیا۔ ایک بدی کیلئے ایسی چستی چالاکی اور فیاضی تم چاہے ہزار نوٹوں کی گڈیاں لٹا دو۔ اور میں بھی یقین کروں۔ کہ آجکل انصاف محض روپیہ پر رہ گیا ہے۔ لیکن جب خدا کے ہاں بازپرس ہوگی۔ تو کیا جواب دو گے؟

فہیم ۔ عاقبت کی خبر کون جانے۔

بیوی ۔ عقلمند انسان ایسا نہیں کرتے۔ حرص کے غلام نہیں بن جاتے۔ سوچو اور خوب سوچو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔ کیونکہ ؎

چھپ نہیں سکتا خدا سے حاضر و ناظر ہے وہ
لاکھ اے مغرور جرم ناروا پردے میں ہو

فہیم ۔ (غصہ ور اور کرخت آواز میں) چپ رہو۔

بیوی ۔ پیارے خاوند۔ نیک باتوں میں مجھے نہ روکو۔ میری زبان بند نہ کرو۔ میں تمہاری لونڈی ہوں۔ میرا حق ہے۔ کہ تمہیں خراب کاموں سے روکوں۔ کیا آپ نہیں جانتے۔ کہ خداوند کریم مظلوم کی داد دیتا ہے۔ اور ظالم کو سزا دیتا ہے پھر کس طرح خیال میں آسکتا ہے۔ کہ وہ حامد جو بیگناہ ہے اس کی مدد نہ کرے۔ پس جس کی مدد پر وہ غفور الرحیم ہو۔ کس کی مجال ہے۔ کہ اسے برباد کرسکے۔ میں پھر کہتی ہوں۔ کہ تمہیں ضرور نیچا دیکھنا پڑے گا۔

فہیم نے اپنی نیک دل اور نیک طبیعت رکھنے والی بیوی کی

نصیحت پر کچھ خیال نہ کیا۔ کرسی سے اٹھ کہیں چل دیا۔

فہیم کی نیک بخت بیوی سمجھ گئی۔ کہ وہ ضرور حامد کو پورے طور پر پھندے میں پھنسانے کی کوشش میں اپنے دوست پولیس سپرنٹنڈنٹ کے پاس گیا ہے۔

اس واقعہ کو بمشکل آٹھ گھنٹے گذرے تھے۔ کہ علی الصبح فہیم کے مکان سے رونے پیٹنے کی صدا بلند ہوئی۔ دریافت سے پتہ چلا۔ کہ ۱۲ بجے شب اچانک کمرہ کی چھت کا ایک پتھر ٹوٹ کر فہیم کے سینہ پر گرا۔ اور فہیم کی روح قفس عنصری سے بے توبہ و استغفار کئے ہی پرواز کر گئی۔

جنازہ قبرستان میں پہنچ گیا تھا۔ خدا جانے۔ حامد کو پولیس نے کیسے رہا کر دیا۔ عین اس وقت جبکہ فہیم کی نعش قبر میں اتاری جا رہی تھی۔ حامد بھی وہاں پہنچ گیا۔ فہیم کی نعش دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو ابل پڑے۔ اور نہایت افسوس کے ساتھ حامد نے کہا۔

بھائی فہیم اسی وقت کے لئے میں تمہیں کہہ رہا تھا۔ حیف کہ تم نے نہ مانا۔ اور آخر بے نیل مرام جا رہے ہو۔ دنیا کی بے ثباتی پر دھیان لازمی تھا۔ خدا تمہیں بخشے۔ میں نے صدق دل سے تمہارا قصور معاف کر دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ بھی معاف فرمائے۔ آمین!

یہ ہے اسلامی محبت اور اخوت کا حال۔ انسان اگر دنیا کی بے ثباتی پر نظر ڈالے۔ تو ممکن نہیں۔ کہ مثل فہیم اس کے قدم صراط مستقیم سے ڈگمگا جائیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حفیظ اکبرآبادی

ریویو

منافی الاسلام

ہم اپنے معزز ناظرین رسالہ "القریش" کو تازہ تالیف کے شائع ہونے کی بشارت سناتے ہیں۔ یعنی منافی الاسلام جو حضرت مولانا اصغر علی صاحب روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی ضرورت اہل اسلام کو عموماً اور تعلیم یافتگان ملک کو خصوصاً دیر سے محسوس ہو رہی تھی۔ کتاب کیا ہے۔ علمی اور دینی بیش بہا معلومات کا ایک حیرت انگیز اور نایاب ذخیرہ ہے۔ جس میں عقاید اسلام اور بڑے بڑے اہم مسائل کو جو مسلمانوں میں عموماً زیر بحث رہتے ہیں۔ نہایت شرح و بسط کے ساتھ موجودہ طرز استدلال پر قلمبند کیا گیا ہے۔ مسلمانوں میں جو بے رغبتی اور کم توجہی مذہب کی طرف سے عام طور پر دیکھی جاتی ہے۔ بہت قابل افسوس ہے۔ تعلیم یافتہ اصحاب کو ہم نہایت زور کے ساتھ سفارش کرتے ہیں۔ کہ وہ اس قیمتی کتاب کے مطالعہ سے سعادت اندوز ہوں۔ ہم نے اس کتاب کا خود مطالعہ کیا ہے۔ اور اس کے مباحث ضروریہ کا موازنہ کیا ہے۔ ہم اس کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کہ ناظرین رسالہ "القریش" میں سے ہر ایک صاحب کا فرض ہے۔ کہ وہ اس کتاب کے مطالعہ سے سرمایہ سعادت حاصل کریں۔ انہیں خود معلوم ہو جائے گا۔ کہ وہ کس قدر لاینحل مسائل کو علی وجہ البصیرت سمجھنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ملک میں بہت سے اختلافی مسائل جن پر ایمان صحیح کا انحصار ہے۔ اور جن کے متعلق ہمارے تعلیم یافتگاں کو صحیح فیصلہ حاصل کرنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ عموماً زیر بحث رہتے ہیں۔ مگر اس کتاب نے نہایت متانت کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے استدلال کر کے صحیح فیصلہ سنا دیا ہے۔ بالخصوص آجکل کے مادہ پرستوں کے خیالات باطلہ کا خوب ہی قلع و قمع کیا ہے۔ توحید۔ صفات باری۔ نبوت۔ وحی۔ ملائکہ۔ معجزات۔ حشر و نشر وغیرہا مسائل کو نہایت عمدگی کے ساتھ قلمبند کیا گیا ہے۔ اور حکم پردہ۔ تعلیم نسواں۔ سود۔ نکاح و طلاق۔ عبادات۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تفصیل نہایت قابل اطمینان طریق پر کی گئی ہے۔ الغرض ہم پھر اپنے ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں۔ کہ وہ اس کتاب کے مطالعہ سے غافل نہ رہیں۔ اس کتاب کے متعلق بعض اصحاب علم کی رائیں حضرت مؤلف تک پہنچ چکی ہیں۔ جو بخوف طوالت درج نہیں کی جاتیں۔ کتاب شائع شدہ ۱۲۰۰ سو سے زائد صفحات پر دو جلدوں میں طبع ہوئی ہے جس کی قیمت مبلغ آٹھ روپیہ ہے۔ مگر ہم نے اپنے ناظرین کی سہولیت کی خاطر حضرت مؤلف سے کمی قیمت کی استدعا کی ہے اور ہم ان کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے کمال مہربانی سے ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔ اور اس کی **قیمت چھ روپیہ** قرار دی۔ مگر یہ قیمت بمقابلہ کتاب کی قدر و منزلت کے کوئی قیمت نہیں۔ ہمیں امید ہے۔ کہ ہمارے معزز ناظرین دست ارادت بڑھا کر سعادت حاصل کریں گے۔

ذیل کے پتہ پر ناظرین خط و کتابت کریں:۔

صوفی محمد ضیاء الحق۔ بی۔ اے (آنرز) کوچہ ذیلداراں۔ بھاٹی دروازہ۔ لاہور

تجلّیات

رشحات قلم جناب سید ظفر ہاشمی صاحب

بسکہ سیر قدس پر ہر یک خیال آمادہ ہے — کہکشاں کی جلوہ افشانی فروغ بادہ ہے

اک جہاں حیران و سرگشتہ ہے حالت پر مری — قلب مضطر کس لئے نالے پہ تو آمادہ ہے

میکشو دوڑو کہ آپہونچا ہے اب وقت نماز — ہاتھ باندھے ساقیٔ رنگیں ادا استادہ ہے

بہکے بہکے کس لئے رکھتے ہیں وہ اپنے قدم — ہے خمار نوجوانی یا خمار بادہ ہے

نقش قدرت کو نہیں کچھ حاجت نقش و نگار — کیونکہ گلشن میں ہر اک گل پر لباس سادہ ہے

قصۂ درد و الم کیا پوچھتا ہے اے ظفر
یہ تو قصہ ہی ہمارا پیش پا افتادہ ہے

(غیر مطبوعہ)

حسیّات

یہ تو سچ ہے گنہگار ہوں میں — مغفرت کا اُمیدوار ہوں میں

میرے آنسو کریں نہ پردہ دری — اپنے عصیاں سے شرمسار ہوں میں

بند آنکھوں سے دیکھ لیتا ہوں — بیخودی میں بھی ہوشیار ہوں میں

اور کس سے کہوں ستم کونین — کون سمجھے کہ بیقرار ہوں میں

مظہر شان مصطفےٰ ہوں میں — ظل دامان چار یار ہوں میں

لوگ کیوں پوچھتے ہیں مجھ کو ظفر
ہاشمی ہوں میں تاجدار ہوں میں

ظفر ہاشمی

(غیر مطبوعہ)

فارسی علم و ادب کی مختصر تاریخ

تذکرہ مجمع الفصحا، جو ناصر الدین قاچار مغفور کے عہد میں ۱۲۸۴ھ میں تصنیف ہوا۔ اور زمانۂ حال کا سب سے بڑا مستند تذکرہ ہے۔ میں مذکور ہے:۔

"ظاہر است کہ اشعار قدیم شعرے عجم بسبب غلبۂ عرب از میان رفتہ چنانکہ مشہور است۔ کہ تمام کتب و تواریخ عجمیاں را عرب سوختند۔ از کتب قدیمہ خبرے بر جا نگذاشتند۔ الا قلیلے کہ پنہاں داشتند۔ چوں مردم را قدغن بلیغ نمودند۔ قاعدہ سخن فارسی و شعر متروک شد۔ تا مدتے گزشت۔ داوضاع بنوع دیگر گشت"

تذکرۂ دولت شاہ سے یہ خیال ماخوذ کیا گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ "عبداللہ بن طاہر نے حکم دیا تھا۔ کہ ایران کی تمام کتابیں برباد کردی جائیں۔ اس بناء بر آلِ سامان کے زمانے تک فارسی شاعری نے ظہور نہیں کیا"

چونکہ ایران کی قدیم کتابیں برباد کردی گئیں۔ اس لئے اہل عجم فارسی شعر بھی نہ کہ سکے۔ اسلام نے ملکی زبان سے کچھ تعرض نہ کیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد سے حجاج بن یوسف کے زمانے تک تمام دفاتر فارسی زبان میں تھے۔ حجاج کے زمانہ سے عربی میں ہوگئے لیکن ملک کی اصلی زبان وہی رہی۔ رفتہ رفتہ فارسی عربی مخلوط ہوکر اردو کی طرح ایک جدید زبان پیدا ہوگئی۔ اور وہ گویا خاص اسلامی زبان تھی۔

ولید کے زمانے سے جب شاہانہ دربار قائم ہوا۔ تو لوازم سلطنت کی حیثیت سے شاعری نے دوبارہ جنم لیا۔ لیکن تخت کی زبان عربی میں تھی۔ اس لئے شاعری بھی عربی ہی رہی۔

اتنے سہارے سے کہ مامون الرشید ایک مدت تک خراسان میں رہا تھا۔ اور غالباً فارسی سے حرف آشنا ہوگیا تھا۔ عباس مروزی نے ایک قصیدہ فارسی میں کہا۔ اور مامون الرشید نے اس کے صلے میں ہزار دینار مقرر کردیئے۔

ارباب تذکرہ لکھتے ہیں۔ کہ اسلامی عہد میں فارسی شاعری کا یہ پہلا حرف تہجی تھا۔

اس سے پہلے اگر برائے نام کچھ پتہ چلتا ہے۔ تو ابوحفص حکیم سعدی کا شعر ہے۔ جو پہلی صدی ہجری میں موجود تھا۔ شعر یہ ہے:۔

آہوئے کوہی در دشت چگونہ دودا
دندار دیار۔ بے چگونہ بودا

خاندان سامانیہ کے پہلے جو کچھ ہوا وہ شاعری کی ابجد تھی۔ لیکن خاندان سامانیہ نے دفعتہً اس زمین کو آسمان بنادیا۔

رودکی جو فارسی شاعری کا ابوالآباء سمجھا جاتا ہے۔ اسی دربار کا دست پرورد تھا۔ شاہنامہ کا عنصر بھی اسی عہد میں تیار ہوا۔

سلسلہ سامانیہ سے پہلے جو خاندان گزرے۔ وہ طاہریہ اور صفاریہ تھے۔ طاہریہ عربی النسل خاندان تھا۔ اس لئے فارسی شاعری

کو اس کے زمانے میں عروج نہیں ہو سکتا تھا؛

سامانی خاندان دیکھتے تھے۔ کہ اہل عجم اپنے لٹریچر اور ملکی خصوصیات سے بالکل الگ ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی شاعرانہ قوتیں بالکل ایک غیر زبان (عربی) پر صرف ہو رہی ہیں۔ خراسان و بخارا میں سینکڑوں ہزاروں شعراء موجود ہیں۔ جو نسلاً عجم ہیں۔ لیکن دار الخلافہ بغداد کے اثر سے جو کچھ کہتے ہیں عربی میں کہتے ہیں؛

ان اسباب سے اس خاندان نے اپنی قومی و ملکی زبان کی ترقی پر شاہانہ توجہ کی۔ شعرا کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں۔ خاص خاص مضامین پر اشعار لکھوائے۔ کلیلہ دمنہ سنسکرت سے اولاً فارسی میں ترجمہ کی گئی تھی۔ لیکن جب عبداللہ بن المقفع نے اس ترجمہ کو عربی میں منتقل کیا۔ تو فارسی نسخہ بالکل گمنام ہو گیا؛

نصر بن احمد سامانی نے رودکی کو حکم دیا۔ کہ اس کو فارسی میں نظم کر دے۔ عجم کی تاریخ اب تک نامرتب اور پریشان تھی۔ اس لئے دقیقی کو اس کام پر مامور کیا۔ چنانچہ اس نے ہزار شعر لکھے۔ یہ شاہنامہ کا پہلا سنگ بنیاد تھا۔ اس کے صلہ میں رودکی کو ۴۰ ہزار درہم ملے۔ عنصری ایک قصیدے میں کہتا ہے ؎

چہل ہزار درہم رودکی ز مہتر خویش　　عطا گرفت بہ نظم کلیلہ در کشور

دقیقی کے زمانے تک فارسی زبان میں عربی الفاظ اس طرح مخلوط تھے۔ کہ دونوں سے مل کر گویا ایک نئی زبان پیدا ہو گئی تھی؛ عباس مروزی کے کل چار شعر ہیں۔ لیکن عربی الفاظ فارسی سے زیادہ ہیں۔ رودکی و شہید بلخی کا کلام بھی اسی کے قریب قریب ہے؛

سب سے پہلے جس نے فارسی زبان کو اس آمیزش سے پاک کر کے مستقل زبان کی حیثیت قائم کی ہے۔ وہ دقیقی ہی ہے اس کے سینکڑوں شعر پڑھتے چلے جاؤ۔ عربی کا ایک لفظ نہیں آتا؛

اسی طرح اور زیادہ وضاحت سے علامہ نعمانی مرحوم نے شعر العجم اور رسائل شبلی میں لکھا ہے؛

حضرت شرر مدظلہ لکھتے ہیں۔

"فردوسی نے اس تعصب کی بنیاد پر جو اسے عربوں سے تھا۔ خاص طور پر کوشش کر کے فارسی سے عربی الفاظ نکالے۔ جس کی وجہ سے اس کی زبان غیر مانوس اور خلاف محاورہ ہو کر بگڑ گئی۔ اس کی وقعت اتنی بڑی مثنوی لکھ دینے اور ایک غلط ملط تاریخ عجم کے منظوم کر دینے سے کی گئی اور کی جاتی ہے۔ نہ اس لحاظ سے کہ اس کی فارسی اپنے زمانے میں یا کسی زمانے میں فصیح و بامحاورہ فارسی تھی؛

ہم انہیں خیالات کے متعلق علامہ شبلی کی تحقیق کا اقتباس جس کا اظہار انہوں نے شعر العجم حصہ اول میں کیا ہے۔ درج کرتے ہیں ملاحظہ ہو:۔

انوری ان شعرا میں ہے جس کو لوگوں نے فردوسی کا ہمسر قرار دیا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے۔

در شعر سہ تن پیمبرانند　　ہر چند کہ لا نبی بعدی

ابیات و قصیدہ و غزل را　　فردوسی و انوری و سعدی

لیکن خود انوری کہتا ہے ۔ کہ فردوسی ہمارا خداوند ہے ۔اور ہم اس کے بندے ہیں ۔

آفریں بر روانِ فردوسی　　آں ہمایوں نژاد فرخندہ
آں نہ اُستاد بود و ما شاگرد　　آں خداوند بود ما بندہ

نظامی کہتے ہیں : ۔

سخن گوئے پیشینہ دانائے طوس　　کہ آراست زلفِ سخن چوں عروس

علامہ ابن الاثیر نے مثل السائرہ کے خاتمہ میں لکھا ہے ۔ کہ عربی زبان باوجود اس وسعت و کثرت الفاظ کے شاہنامہ کا جواب پیش نہیں کر سکتی ۔ اور در حقیقت یہ کتاب عجم کا قرآن ہے ۔

یورپ کے فضلا بھی جو زبان فارسی سے واقف ہیں ۔ عموماً فردوسی کے کمال شاعری کے معترف ہیں ۔ سر گور اوسلی نے تذکرۃ الشعرا میں فردوسی کو ہومر سے تشبیہ دی ہے ۔ اگرچہ ساتھ ہی یہ ناتواں بینی بھی ظاہر کی ہے ۔ کہ وہ اگرچہ در اصل ہومر کا ہمسر نہیں ہو سکتا ۔ لیکن ایشیا میں اگر کوئی ہومر ہو سکتا ہے ۔ تو وہی ہے :

اسلام کا خاصہ ہے ۔ کہ جہاں جہاں گیا ۔ ملک کی زبان سرے سے بدل دی ۔ یا اس قدر اس کو مغلوب کر لیا ۔ کہ وہ مستقل اور آزاد زبان نہیں رہی ۔ اسلام سے پہلے مصر و شام میں قبطی اور سریانی بولی جاتی تھی ۔ اسلام کے ساتھ تمام ملک کی زبان عربی ہو گئی ۔ یہاں تک کہ آج عیسائی یہودی وغیرہ بھی عربی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں بول سکتے ۔ ایشیائے کوچک اور قسطنطنیہ میں ترک گئے ۔ تو ملکی زبان ترکی ہو گئی ۔ کابل اور قندھار کی اصلی زبان پشتو ہے ۔ لیکن خواص فارسی بولتے ہیں ۔ جو اسلامی حکمرانوں کی زبان تھی ۔ ایران اور ہندوستان سخت جان تھے ۔ جہاں ملک کی اصلی زبان قائم رہی ۔ لیکن عربی الفاظ اس کثرت سے داخل ہو گئے ۔ کہ ان کی آمیزش کے بغیر فارسی یا اردو لکھنا چاہیں ۔ تو لزوم مالا یلزم کی محنت اٹھانا پڑتی ہے ۔

ایران میں ابتدا ہی سے عربی نہایت شدت سے مخلوط ہو گئی تھی ۔ عباس مروزی نے مامون الرشید کی مدح میں جو قصیدہ لکھا ۔ اس کے چار شعر آج موجود ہیں ۔ جن میں نصف سے زیادہ عربی الفاظ ہیں ۔ رودکی اور ابو شکور بلخی وغیرہ کا کلام عربی الفاظ سے بھرا پڑا ہے ۔ سلطان محمود کے زمانہ میں ایک فاضل نے شاہنامہ کے جواب میں عمر نامہ ایک کتاب نثر میں لکھی تھی ۔ اس کا بھی یہی حال ہے ۔ اسی زمانے میں شیخ ابو علی سینا نے حکمت علائیہ فارسی زبان میں لکھی اور قصد کیا ۔ کہ خالص فارسی میں لکھی جائے ۔ لیکن عہدہ برآ نہ ہو سکا ۔ فردوسی نے ساٹھ ہزار شعر لکھے ۔ اور عربی الفاظ اس قدر کم ہیں ۔ کہ گویا نہیں ہیں ۔ اگرچہ اس خصوصیت کا موجد دقیقی ہے ۔ لیکن کل ہزار شعر اور چند معمولی واقعات ہیں ۔ بخلاف اس کے فردوسی نے ہر قسم اور ہر طرح کے سینکڑوں گوناگوں مطالب ادا کئے ۔ اور زبان کے خالص ہونے میں فرق نہ آنے پایا ۔ عربی کے جو الفاظ خال خال آئے ہیں ۔ اکثر وہ ہیں ۔ جو خاص مصطلح الفاظ ہیں ۔ مثلاً دین ۔ میمنہ ۔ میسرہ ۔ قلب ۔ سلاح ۔ عنان وغیرہ وغیرہ یہ الفاظ اس طرح اس زبان میں شائع تھے جس طرح آجکل اردو میں ، جج ۔ کلکٹر ۔ ٹکٹ ۔ اسٹیشن وغیرہ ہیں ۔ کہ ان کے بجائے اگر کوئی شخص اور الفاظ استعمال کرے ۔ تو ناموزوں معلوم ہوں گے ۔

شاہ نامہ کی زبان آج کی زبان سے اس قدر مختلف ہے۔ کہ گویا دو زبانیں الگ الگ ہیں۔ اور یہ شاہ نامہ کی تخصیص نہیں۔ اس زمانے کے شعراء کی عام زبان یہی تھی۔ لیکن چونکہ اور کسی شاعر نے اس قدر الفاظ استعمال نہیں کئے۔ اس لئے فردوسی کی زبان بہ نسبت اور شعراء کی زبان کے بیگانہ اور غیر مانوس معلوم ہوتی ہے؛

علامہ شبلی نے ایک مقام پر شاہ نامہ کی خصوصیات کا ۱۸ نمبروں میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ دکھایا ہے۔ کہ اس وقت اس نے کس طرح استعمال کیا ہے۔ اور اب کیا بولتے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ ان تصرفات کے علاوہ سینکڑوں الفاظ ہیں۔ جو متروک ہو گئے۔ یا ان کی صورتیں بدل گئیں۔ یا ان کے بجائے اور الفاظ استعمال میں ہیں۔ مختصراً مولانا شبلی نے چند الفاظ کی فہرست بھی مع معنی کے لکھدی ہے۔ جس سے اس بیان کی وضاحت ہو جاتی ہے؛

علامہ شبلی مرحوم شعر العجم میں شاہ نامہ کی وقعت تاریخ کے لحاظ سے کے عنوان کے تحت میں لکھتے ہیں۔ کہ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ شاعرانہ رنگ آمیزیوں نے شاہ نامہ کو عام نظروں میں تاریخی درجہ سے گرا دیا ہے۔ تاہم ایران کی کوئی مفصل قدیم تاریخ اس سے زیادہ صحیح نہیں ملسکتی؛ اسی کے ساتھ اپنے اس بیان کی تصدیق میں بہت سے استدلال اور مستند رائیں پیش کی ہیں۔ اور اس عنوان کے قبل وہ دکھا چکے ہیں۔ کہ دقیقی نے جب شاہ نامہ کی ابتدا کی۔ تو اس وقت کتنی تاریخوں کا ذخیرہ اس کو ملا۔ اور اس وقت تاریخ عجم کا بہت بڑا ذخیرہ عربی و فارسی میں تیار ہو چکا تھا جس کا بیان بالتفصیل شعر العجم میں موجود ہے۔ نیز سامانیوں کا کتب خانہ اس زمانہ میں تمام عالم میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ شیخ بوعلی سینا جب اول اول اس کتب خانہ میں داخل ہوا۔ تو اس پر حیرت چھا گئی۔ چنانچہ اس نے اقرار کیا ہے۔ کہ میں نے اتنا نادر اور عظیم الشان کتب خانہ کبھی نہ دیکھا تھا۔ نہ اس کے بعد دیکھا۔ دقیقی کے لئے یہ تمام تاریخی ذخیرہ مہیا کیا گیا ہوگا۔ اور چونکہ سلطان محمود غزنوی سامانیوں ہی کا دست پروردہ اور ان کو مٹا کر ان کا جانشین بنا تھا۔ اس لئے ہر طرح قرین قیاس ہے۔ کہ وہ سب سامان محمود کو ہاتھ آیا ہوگا۔ اور فردوسی کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا گیا ہوگا۔ یہ محض قیاس نہیں۔ بلکہ مؤرخین کی تصریح سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ صاحب کشف الظنون اور مجمع الفصحاء کی عبارت اس بیان کی تائید میں موجود ہے؛

ان تمام قرائن اور تصریحات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ فردوسی کا ماخذ زیادہ تر ایران کی وہ تاریخیں ہیں۔ جو عربی میں ترجمہ ہو گئی تھیں۔ لیکن فردوسی کا قومی غرور عرب کے احسان کو گوارا نہیں کرتا۔ فردوسی کا دعویٰ ہے۔ کہ قدیم زمانہ کی ایک نہایت مبسوط تاریخ ایران کی موجود تھی۔ لیکن مرتب و مدون نہ تھی۔ موبدان یعنی مذہبی پیشواؤں کے پاس اس کے مختلف اجزاء تھے۔ ایک رئیس دہقان نے ہر جگہ سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تمام موبد جمع کئے۔ اور ان پراگندہ اجزاء کو زبانی روایتوں کی مدد سے ترتیب دے کر ایک مکمل کتاب تیار کرائی؛

لیکن فردوسی کے اس بیان کی تردید علامہ مرحوم کی تحقیق سے ہوتی ہے۔ اور صاف طور سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ فردوسی نے جو کچھ لکھا۔ اس وقت کی تمام تاریخوں سے مدد لے کر لکھا۔ اس کا تطابق انگریزی مورخین اور دیگر تذکرہ نویسوں کی تحریروں سے بھی پورے طور پر ہوتا ہے؛ (نامکمل)

لندن میں گول میز کانفرنس کے حیدرآبادی وفد کی کارگذاری

سر اکبر حیدری کی نمایاں خدمات

سررشتہ معلومات عامہ سرکار عالی کی جانب سے انگریزی پریس نوٹ حیدرآبادی وفد گول میز کانفرنس کی کارگذاریوں کی نسبت موصول ہوا ہے جس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

مجلس تعلقات خارجہ

پہلی گول میز کانفرنس کا حیدرآبادی وفد زیر احکام ہز اگزالٹڈ ہائی نس مجلس تعلقات خارجہ کے نام سے اپنا وجود رکھتا تھا۔ یہ مجلس سر اکبر حیدری صدر نشین - سر رچرڈ ٹشنوکس ٹرینچ اور نواب مہدی یار جنگ بہادر اراکین پر مشتمل تھی - اس نے وقتاً فوقتاً ان مختلف مسائل کی جانچ پڑتال کی - جو گذشتہ کانفرنس کی کارروائیوں سے پیدا ہوئے تھے - اور ان مباحث میں جو دہلی - شملہ اور بمبئی میں دیسی ریاستوں کے نمائندوں اور نائبان حکومت ہند کے ساتھ ہوئے تھے ۔ اس نے حصہ لیا تھا - مختلف اسباب کی بنا پر یہ وفد مل کر ایک ساتھ حیدرآباد سے روانہ نہ ہو سکا - صحت کی بنا پر نواب مہدی یار جنگ بہادر کو جون ۱۹۳۱ء میں یورپ کے لئے روانہ ہونا پڑا - سر رچرڈ ٹشنوکس ٹرینچ ۶ ر اگست کو روانہ ہوئے - اور سر اکبر حیدری جنہیں حضرت اقدس و اعلیٰ کے فرمان کے بموجب اپنی روانگی آخری ممکن ساعت تک ملتوی کرنی پڑی تھی - ۱۲ ر اگست ۳۱ء کو معتمد وفد مسٹر ایم - انیس ہاسے حیدری آئی - سی - ایس - کے ہمراہ جن کی خدمات کانفرنس کے کام کے لئے سرکار ہند سے مستعار لی گئی تھیں اور انڈر سکریٹری مسٹر پریمیغو رایار کے ساتھ روانہ ہوئے ۔ اپنے ہندوستان سے روانہ ہونے اور لندن میں پہنچنے تک کا درمیانی وقفہ اراکین وفد نے کانفرنس سے متعلق مسائل پر ابتدائی گفت و شنید میں گذارا - رانچی اور ملتان پر جن میں سر رچرڈ ٹشنوکس ٹرینچ اور سر اکبر حیدری نے علی الترتیب سفر کیا تھا - دیسی ریاستوں اور برطانوی ہند کے مندوبین کی ایک بڑی تعداد بھی تھی - مہاراجہ بیکانیر جہاز ملتان پر سوار تھے - اور متعدد غیر رسمی دیسی ریاستوں کے جلسوں میں سر اکبر حیدری نے شرکتیں کیں ۔

وفد کی رہنمائی کی ہدایتیں

سر اکبر حیدری کے حیدرآباد سے روانہ ہونے سے قبل ہی وفد کی رہنمائی کے لئے ہدایتوں کا مسودہ تیار کر لیا گیا - اور اس کو باب حکومت کی منظوری اور حضرت اقدس و اعلیٰ کی پسندیدگی حاصل ہو چکی تھی - ان ہدایات کی رو سے اگرچہ وفد کو پورا اختیار تمیزی حاصل تھا - اس کو اس کا اختیار بھی دیا گیا تھا - کہ وہ ایک کل ہند وفاق کے لئے کام کرے - بشرطیکہ بعض ضروری شرائط جو نو آبادیات کی سلامتی و خود انتظامی اور حضرت اقدس و اعلیٰ کے اقتدار شاہی کی بحالی و برقراری کے لئے پوری کر دی جائیں - ان ہدایات کی بڑی احتیاط کے ساتھ پیروی کی گئی - اس کانفرنس (گول میز) کے وقت کا بہت بڑا حصہ وفاقی ہیئت کی کمیٹی کے اجلاسوں میں صرف ہوا - جس کی کارروائیوں میں سر اکبر حیدری نے ایک فیصلہ کن حصہ لیا - کانفرنسی معاملات میں برطانیہ عظمیٰ کے بڑے بڑے سیاسی قایدان

سے مشورہ کرتے رہے۔ اور حیدرآباد کے وقار مرتبہ اور اثر میں ایک سب سے بڑی ریاست کی حیثیت سے جس کو گذشتہ کونفرنس میں تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اور بھی اضافہ ہوگیا۔ وفاقی مالئے کے پیچیدہ مسائل پر غور و خوض کرنے کے لئے وفاقی ہیئت کی کمیٹی نے ایک ذیلی مجلس مقرر کی جس کی کارروائیوں میں دیسی ریاستوں کے وفد کی ذیلی مجلس مالیہ وفاقیہ کے صدر نشین کی حیثیت سے سر اکبر حیدری نے اہم حصہ لیا۔

ریاست حیدرآباد کی شاہی نشانیوں کی حفاظت

آپ نے یہ بات بالکل واضح کر دی کہ وفاق کی کوئی بھی شکل و صورت ہو۔ حیدرآباد لازماً شاہی کی وہ ساری نشانیاں باقی رکھیگا جن سے وہ اس وقت لذت اندوز ہے۔ مثلاً اس کا اپنا پٹہ اور اس کا اپنا سکہ اور اس دعوے کو عام طور پر تسلیم کر لیا گیا۔

سر اکبر حیدری کا سب سے اہم کام

غالباً سر اکبر حیدری کا دستور سازی میں ایک سب سے اہم کام یہ تھا۔ کہ آپ نے کل ہند وفاق کے سارے مضمرات کی کانفرنس سے واضح طور پر قدر کرائی۔ کل ہند وفاق کے تحت جو خیال ہے وہ یہ ہے۔ کہ وہ ہندوستان کی موجودہ حکومت کا جانشین نہیں۔ بلکہ اس سے بالکل مختلف ہو۔ تکرار و استدلال کی ضرب سے سر اکبر حیدری نے یہ خیال کانفرنس کے دل پر نقش کر دیا۔ آپ نے اس ضرورت کی جانب توجہ مبذول کرائی۔ کہ حتی الامکان مختص کر دیا جائے۔ کہ وفاقی عنوانات کیا ہوں گے۔ ان کا متن کیا ہوگا۔ اور ان پر وفاقی اقتدار کا دائرہ اثر کیا رہیگا۔ وفاقی مالئے کے معاملے میں آپ نے اس بات پر زور دیا۔ کہ محصول اندازی کے غیر معین اختیارات وفاقی حکومت کو نہیں۔ بلکہ وحدت ہائے وفاق کو حاصل رہنے چاہئیں۔ آپ نے بیان کر دیا۔ کہ یقیناً دیسی ریاستیں اور بہت اغلب ہے۔ کہ جدید حکومت کے صوبہ جات بھی اپنی اپنی رعایا پر محصول لگانے کے غیر معین اختیارات کو وفاقی حکومت کے سپرد کرنے پر معترض ہونگے۔ نیز ان موقعہ جات کی محدود تعداد اور ان کے پابند متن کا لحاظ کرتے جن سے وفاقی حکومت کو واسطہ پڑنے والا ہے۔ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ کہ وفاقی آمدنی کے ذرائعہ کیوں محدود و مقید نہ ہوں۔ لہذا آپ نے اس بات پر زور دیا۔ اور باوجود سخت ابتدائی مخالفت کے آپ نے اپنی بات منوا بھی لی۔ کہ وفاقی مالئے کی نسبت ایک چھوٹی سی مگر بڑے ماہرین کی کمیٹی کانفرنس کے اختتام کے بعد ہی مقرر کر دی جائے۔ یہ مجلس اس بات کا اندازہ کریگی۔ کہ معمولی حالات میں ان موضوعات پر جو متفقہ طور پر وفاقی کہلائیں گے۔ کیا اخراجات ہوں گے۔ اور اس محصول اندازی کے ذرائع سے اس کو کیا آمدنی ہوگی جس کے وفاقی ہونے پر رضامندی کا اظہار کر دیا گیا ہے اگر ایسا ایک معتدل میزانیہ خوب متوازن کر دیا جائے۔ تو بہتر ہے۔ لیکن اگر کمی واقع ہو جائے۔ تو مجلس کو وفاقی محصول اندازی کے جدید ذرائع تجویز کرنے پڑینگے۔ خواہ کوئی سی صورت ہو۔ کمیٹی کو یہ تعریف کرنی ہوگی۔ کہ وفاقی محصول اندازی کے محفوظ ذرائع کیا ہیں؟ جن سے وفاقی حکومت ضرورت پڑنے پر استمداد کر سکتی ہے۔ مثلاً اگر سخت معاشی پستی کی وجہ سے معمولی وفاقی داخل وفاقی اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ناکافی ثابت ہوں۔ تو کیا ہوگا۔ اب رہ گئے غیر معمولی اتفاقات مثلاً جنگ۔ اس صورت میں وفاقی حکومت کو اپنے اجزائے ترکیبی سے درخواست کرنی پڑیگی۔ کہ ایسی شدید ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ضروری ذرائع حاصل کرے۔ یہ ناقابل تصور ہے۔ کہ جب کہ سارا ملک خطرے میں پڑا ہوگا۔ وفاق کے اجزائے مشتملہ اس کی امداد کو نہیں دوڑیں گے۔ اور آپ نے یہ حجت کی۔ کہ یہ ایسا ہے۔ تو پھر اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کہ ایسے اتفاقوں کا انتظام بھی کر لیا جائے۔ جو الشاذ کالمعدوم ہیں۔ یعنی یہ کہ وفاقی حکومت کو محصول اندازی کے

ایسے مابقی اختیارات دے دیئے جائیں۔ کہ معمولی زمانہ میں بھی وہ صوبہ جات اور ریاستوں کی مالی مطلق العنانی کو نکما بنادے؛

عدالت کی نسبت سر اکبر کی وضاحت

اس طرح سر اکبر حیدری نے ان مسائل میں بھی بڑا اہم حصہ لیا جن پر وفاقی ہیئت کی کمیٹی نے غور کیا تھا۔ مثلاً وفاقی مجلس قانونی کی قوت اور ترکیب اس میں ریاستی نمایندوں کی تعداد بمقابلہ تعداد نمایندگان برطانوی ہند و ترکیب۔ طاقت اور اختیارات وزارت وفاقیہ۔ وفاقی اور اعلےٰ عدالت ہند وغیرہ کی تشکیل۔ برطانوی ہندی رائے کے ایک حصہ کی یہ خواہش تھی۔ کہ وفاقی عدالت کے ساتھ ایک سپریم کورٹ بھی ہو۔ سر اکبر نے اس امر کو بالکل واضح کر دیا کہ ریاستیں جن کی عدالت آجکل برطانوی ہند کی کسی عدالت کی ماتحت نہیں ہے۔ اس خصوص میں اپنی شاہی میں کسی ایسی مداخلت کا تصور نہیں کرینگی۔ اس لئے اس تجویز کا زیادہ تعاقب نہیں کیا گیا۔ مختصر یہ کہ اس راستہ پر مستقلاً اور بے کلجگ قائم رہنے کے باعث جو ابتدا ہی میں مقرر کر دیا گیا تھا۔ وہ پالیسی جس کے لئے سر اکبر اپنے مشیروں کی رضامندی سے کھڑے ہوئے تھے۔ عام طور پر قبول کر لی گئی؛

لندن کے مختلف آرا سے وفد کی باخبری

حیدرآبادی وفد نے اپنے آپ کو لندن میں رائے کی مختلف دھاروں کے ساتھ اپنا اتصال قائم رکھا۔ وزیر اعظم وزیر ہند اور لارڈ سینکے (لارڈ چانسلر اور وفاقی ہیئت کی کمیٹی کے صدر نشین) نے ڈنر میں اپنی ہم نشینی سے اس وفد کی عزت افزائی کی۔ وزیر ہند کو جو ڈنر دیا گیا تھا۔ وہ خاص طور پر اس لئے لائق یادداشت ہے۔ کہ نہایت صاف اور فیاضانہ الفاظ میں انہوں نے جنگ یا اس کے زمانہ میں حیدرآباد کی وفادارانہ اتحاد کے واجبات سے وابستگی کا اعتراف کیا۔ اور برطانیہ عظمےٰ کے اس بے جھجک عزم کا اعلان کیا۔ کہ وہ حیدرآباد کے ساتھ کھڑا رہے گا۔ جس طرح کہ وہ برطانیہ عظمےٰ کے ساتھ کھڑا رہ چکا ہے۔ حیدرآباد کے متعلق ان کا سب سے کم قابل یادداشت تذکرہ یہ ہے۔ کہ وہ ایشیائی ریاستوں کی اگلی صف میں ہے۔ سر اکبر حیدری اور وفد کو وزیر اعظم سے لے کر نیچے کے حکام تک کی دلی میزبانی حاصل رہی۔ جو محدود و محصلہ وقت کی پابند تھی۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی یاد رکھی جائے گی۔ کہ ملک معظم نے بھی اس وقت خاص توجہ کا اظہار فرمایا جبکہ گول میز کانفرنس کے مندوبین کے استقبال میں جس کو ملک معظم نے قصر بکنگھم میں ترتیب دیا تھا۔ سر اکبر ان تمام مندوبین میں خواہ وہ برطانوی ہند کے ہوں۔ یا دیسی ریاستوں کے ملک معظم کی حضور میں باریابی کے لئے سب سے پہلے طلب کئے گئے۔ ہز رائل ہائنس پرنس آف ویلز نے بھی جو علالت کے باعث بستر پر تھے۔ سر اکبر حیدری کو ان کی لندن سے روانگی سے قبل اپنی مہربانی سے ملاقات کے لئے بلوا بھیجا تھا۔ اور کوئی آدھ گھنٹے کی باریابی کے دوران میں جو گفتگو ہوئی فوری دلچسپی کے معاملات پر حاوی تھی۔ ان سے حضرت اقدس و اعلیٰ کی خدمت میں پرنس آف ویلز کے شخصی فنڈ میں جو جنگ میں بیکار شدہ سپاہیوں کی امداد کے لئے کھولا گیا ہے۔ ایک ہزار پونڈ کے شاندار عطیے کے لئے شکریہ پہنچانے کی درخواست کی؛

ریاست کے خاص مسائل

حیدرآباد کے خصوصی مسائل بھی جن کا تعلق برار وغیرہ سے ہے۔ اس وفد کی توجہ حاصل کرتے رہے۔ اور سر اکبر نے ان معاملات میں وزیر ہند اور مسٹر فنڈلٹر اسٹوارٹ سے کئی مرتبہ گفتگو کی ہے؛

(رہبر دکن)

تلک الایام نداولہا بین الناس

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گرداغہائے سینہ را

زمانہ کی تلوّن مزاجیوں اور تغیر پذیر رفتاروں نے بسا بہت سے ان سروں کو جن پر عزت کے تاج رکھے گئے ہیں۔ ذلت وخواری کی ٹھوکروں کے قابل بنایا ہے۔ اور بہت سے ان راعیوں کو جنہوں نے برسوں خدا کی مخلوق پر جبروت سے حکمرانی کی ہے ایک ذلیل رعیت کی حیثیت میں پیش کیا ہے۔ زمانہ کی روشن مثالی جب اپنا خوشنما چہرہ بے نقاب کرتی ہے۔ تو سگ اصحاب کہف بے تعداد انسانوں پر فخر ومباہات سے بھاری نظر آنے لگتا ہے۔ اور زمانہ ہی کی تصویر جب اپنا بدنما اور تاریک پہلو سامنے کرتی ہے۔ تو ایک جلیل القدر اور سب سے پہلے پیغمبر (نوح علیہ السلام) کا بیٹا اہل نار کے گروہ میں شامل ہو جاتا اور خاندان نبوت کو داغدار بنا دیتا ہے ؎

پسر نوح بابداں بنشست خاندانِ نبوّتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند پے نیکاں گرفت مردم شد

پھر کیا تعجب ہے۔ کہ وہی مسلمان جنہوں نے اکاسرۂ فارس اور قیاصرۂ روم سے باج ستانی کی۔ اور مشرق ومغرب کے طویل وعریض فضا میں نعرۂ کبریا وعظمت بلند کیا۔ اگر آج اس درجہ پر اپنی بداعمالیوں سے پہونچا دیئے گئے۔ کہ وہ ایک گوشۂ عافیت تلاش کرتے ہیں۔ اور نہیں ملتا۔ وہی کہ جنہوں نے خمخانۂ سطوت واقتدار میں خم کے خم نہنڈھائے تھے۔ آج جام بدست ہیں لیکن بادہ بجام نہیں ہیں ؎

در مجلسِ وصالش خمہا کشیدہ مرداں
چوں دورِ خسرو آمد می در سبو نماندہ

اس زبردست قوم کا ماضی وحال ہمارے سامنے ہے۔ اور ہم ترقی وتنزل، ارتقاء وانحطاط، رفعت وپستی، سربلندی ونگونساری کے مختلف مدارج پر اسلئے غور کر رہے ہیں۔ کہ ان متضاد مدارج کے اسباب وعلل کے متعلق کوئی صحیح اور وزنی رائے قائم کریں۔ فتن وزلازل کی لگاتار بوچھاریں، یا فلاکت وبے برکتی کے عظیم طوفان جو عہد حال میں اسلام کے نہ مٹنے والے آثار وروایات پر ٹوٹ رہے ہیں۔ ہمارے سامنے ہیں۔ اور دوسری طرف سکون وطمانیت کی شفاف فضا میں وسعادت کی سب سے بلند سطح اور جاہ وجلال کے سب سے ارفع مناظر بھی جن کو تاریخ نے ماضی قریب ہی میں اس

قوم کی طرف منسوب کیا ہے۔ ہمارے پیش نظر ہیں:

ہمارے تحیّر و استعجاب کی اس وقت کوئی حد باقی نہیں رہتی۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک بلند پرواز، ترقی پذیر اور طوفان کی طرح بڑھنے والی قوم کو زمانہ کی جفا کاری کس سرعت کے ساتھ پستی کی طرف پٹک دیتی ہے۔ لیکن جبکہ ہم دنیا کے انقلاب پذیر حوادث و نوائب کو سامنے رکھ کر اس زبردست انقلاب کا معائنہ کرتے ہیں۔ تو پھر ہم ایک یقینی علم اور ایک کھلے ہوئے انکشاف سے کہہ سکتے ہیں:۔

"کہ یہ انقلاب بجائے اتفاقی ہونے کے سراسر اسباب علل کے مربوط سلسلہ کے ماتحت ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ ہم تھوڑی دیر کے لئے منطقی پیچیدگیوں اور فلسفیانہ گردشوں سے الگ ہو کر اس اسباب آباد ارضی اور اس کی کائنات وجود میں ان اسباب و علل کا سراغ لگائیں۔ کہ لیل و نہار کے مختلف الالوان اوراق ہی اس تغیر کی حقیقت ہم پر آشکارا کرتے ہیں۔ وتلک الایام نداولها بین الناس۔

منقبت

جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

اگر براہِ خطا رفتۂ ز نادانی — اگر ز فرقِ تو بگذشت سیلِ طغیانی
پناہ گیر بغوث از دستِ دردِ پنہانی — بہ مدحِ سیّدِ ابرار غوثِ صمدانی
الا کہ جز بمدیحش رقم زنی زنہار — اگر ترا است کنوں طاقتِ قلمرانی
کہ بود مادرِ پاکش سمیِ ابنتِ رسول — پدر چو حضرتِ بوصالح است میدانی
ز ام واب شہِ جیلاں نجیبِ طرفین است — ز نسلِ شاہِ نجف است گوہرکانی
ز دوم صوم بستن رضاعتش دیدند — زہے عبادت و تقوےٰ زہے مسلمانی
اگر ز شانِ امارت نظر کنی بروے — بہیچ چیز نیرزد شکوہ سلطانی
بہ بیں علوِ مراتب ز شانِ عرفانش — کہ جبرئیل رود بر درش بہ دربانی
اگر بہ دزدِ جفا پیشہ یک نظر بیند — یقیں کہ غوثِ زماں سازدش بہ آسانی
ز دستِ جورِ زماں اے فلاں اماں یابی — کہ ظلِ شفقتِ او ہست ظلِ سبحانی
نہادہ شد بہ سرش جنبۂ حیاتِ دوام — کہ تا بہ حشر کند خلق را نگہبانی
کمالِ معرفتِ شیخ بیں کہ بعدِ نبیؐ — بہ درکِ سرِّ حقائق شد است لاثانی
رسیدہ ام بہ درت از برائے استمداد — بہ ایں یقیں کہ شہا غوثِ انسی وجانی
تو محیِ دینِ محمد تو دستگیرِ جہاں — منم کہ بر درِ توے کنم ثنا خوانی

بہ حلِ مشکلِ ایں بندہ یک نظر بنگر
کہ مشکلے نبود پیشِ فضلِ ربانی

توئی کہ مردہ دلاں از تو زندگی یابند — مراست مرگِ الہا زخانہ ویرانی
ز دستِ جورِ مرض الغیاث یا غوثا — چگویمت کہ تو حالاتِ من ہمہ دانی
نہادہ ام بہ درت سیدا جبینِ نیاز — کہ آنچہ کردہ ام از بدرگی و نادانی
کبائریست کہ ہرگز نہ قابلِ عفو است — گرفتہ ام سرِ دامانِ شاہِ جیلانی
کہ خالقِ دو جہاں ساتر است و غفار است — مراست نامۂ اعمال اگرچہ طولانی
گر از نسیمِ عطوفت گلِ مراد شگفت — بجاست شکوۂ عاصی زخانہ ویرانی
چرا بجوش نیاید کمالِ رحمتِ حق — چو سیلِ اشک رسد تا گلو بہ طغیانی

یقین شناس کہ **انور** مرادِ دل یابی
چو دستگیرِ تو ہست آں عزیزِ یزدانی

انور صدیقی

تاریخ اکبری کا ایک صفحہ

مراسیت کے ادعائے قرشیت کی تحریکِ باطل اگرچہ عرصہ ہوا۔ کہ حق کی تابِ مقاومت نہ لا کر اپنی موت آپ ہی مر چکی۔ اور اب کسی التفات کے قابل نہیں رہی۔ لیکن ذیل کی حقیقت جریدۂ فریدۂ القریش کے ناظرین کرام کی تفنن طبع کے لئے بغرض اشاعت ارسال کرتا ہوں۔

نوروز فصل بہار کا ایک عالم افروز دن ہے۔ جسے قدیم سے سرزمین ایشیا کی اکثر اقوام بطور عید مانتی ہیں۔ جلال الدین اکبر شہنشاہ ہندوستان بھی نوروز کے دن جشن شاہانہ کی شان دکھاتا اور سلطنت کا نوروز منایا کرتا تھا۔

اکبر۔ جمعہ ۲ ربیع الثانی سنہ ۹۶۳ھ کو تخت نشین ہوا۔ اور بدھ کے روز ۱۲ جمادی الآخر سنہ ۱۰۱۴ھ کو رحلت فرمائے عالم جاودانی ہوا۔

اس کے عہد حکومت کے جشنِ نوروزی کے لوازمات میں مذکور ہے۔ کہ "نوروز سے لے کر ۱۸ دن تک ہر ایک امیر نے اپنے اپنے ایوان میں ضیافت کی حضور رونق افروز ہوئے۔ .... امراء نے اپنے اپنے رتبے کے بموجب پیشکش گذرانی۔ اربابِ طرب اور اہل نشاط کے طوائف۔ کشمیری۔ ایرانی۔ تورانی۔ ہندوستانی گویّے۔ ڈوم۔ ڈھاڑی۔ میراثی۔ کلاونت۔ گائک۔ نائک۔ سپردائی۔ ڈومنیاں۔ پاتر۔ کنچنیاں۔ ہزاروں ہزار جمع ہوئیں۔ .... جدھر دیکھو۔ راجہ اندر کا اکھاڑا تھا۔" ملاحظہ ہو۔ دربار اکبری مصنفہ شمس العلماء مولانا محمد حسین صاحب آزاد۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۲۱ء۔ صفحہ ۱۵۲۔

مولانا آزاد مرحوم نے میراسی کو "ث" سے لکھا ہے۔ لیکن س سے ہو یا ث سے۔ اصلیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہو سکتا۔ دیکھنا تو صرف یہ ہے۔ کہ آج سے پونے چار سو سال پیشتر بھی عہد اکبری کے دوران میں پیشہ کی نوعیت کے لحاظ سے میراثی کس زمرہ میں کھڑا کیا جاتا تھا۔ اور درجہ کے لحاظ سے اس کی حیثیت کیا تھی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

قاضی نظیر حسین۔ فاروقی۔ ریٹائرڈ مستوفی

دریافت طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا ضروری ہے۔

منیجر

بزم قریش

۱۔ مجلس ترقی اشاعت "القریش" کے انتخاب کا اعلان دسمبر کی اشاعت میں کر دیا گیا تھا۔ پہلی سہ ماہی جنوری سے شروع ہوئی۔ فروری بھی قریب الاختتام ہے گویا دو مہینے گذر گئے۔ صرف ایک ماہ باقی ہے۔ اگر دردمندان قریش اور بہی خواہان قوم کی سعی و جہد کا تواتر اسی طرح جاری رہا۔ تو یقین رکھنا چاہیئے۔ کہ اخیر مارچ تک "القریش" ماہوار سے بیکدم روزانہ ہو جائے گا۔ اور ترسیل زراعانت کا سلسلہ اگر اسی تیزی و سرعت سے جاری رہا۔ اور ایفائے عہد کی یہی کیفیت رہی۔ جو ان حضرات کی توجہ خصوصی کی وجہ سے جاری ہے۔ جن کے اسمائے گرامی پیشگی درج کئے گئے تھے تو القریش مالی ضروریات سے بے نیاز ہو جائیگا۔ نہ پھر کسی بات کی حاجت ہوگی۔ اور نہ اب کچھ کہنے کی ضرورت ہے؂

۲۔ حقوق زراعت کے متعلق "ندوۃ القریش" کی ایک ضروری یادداشت پر فنانشلی میں مزید کارروائی شروع ہے۔ نتیجہ انشاء اللہ تعالٰے حسب توقع برآمد ہونے کی امید کی جاتی ہے۔ لہٰذا ان تمام مراسلات کا ایک ہی مختصر جواب ہے۔ جو اس بارہ میں دفتر میں موصول ہوئیں۔ احباب صبر و سکون کے ساتھ انتظار کریں؂

۳۔ افسوس ہے کہ محترم قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی کے برادر اصغر قاضی طالب مہدی صاحب فاروقی سب انسپکٹر پولیس (بلوچستان) کی اہلیہ وسط جنوری میں دو لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ کر انتقال کر گئیں۔ مرحومہ حسن ابدال کے ایک افغان قبیلہ سے تھیں۔ قاضی صاحب کے خاندان کو ان کی وفات سے سخت صدمہ ہوا۔ خدا مغفرت کرے!

۴۔ محترم پیر علی احمد صاحب چشتی فریدی کو یکم جنوری سنہ ۱۹۱۹ء کا القریش مطلوب ہے۔ دفتر میں سنہ ۱۹۱۹ء کا ریکارڈ موجود نہیں۔ لہٰذا وہ قیمتاً لینا چاہتے ہیں۔ ناظرین القریش میں سے کوئی صاحب پرچہ مطلوبہ دینا چاہیں۔ تو دوگنی قیمت پر خریدا جا سکتا ہے۔ دفتر میں بھجوا دیں۔ زر قیمت ٹکٹوں کی شکل میں بھیجدیا جائیگا؂

۵۔ جن برادران نے سال رواں کیلئے القریش کی خریداری منظور کر کے زرچندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمایا۔ ان کے اسمائے گرامی بشکریہ درج ذیل ہیں:۔

(۱) قریشی محمد نذیر صاحب صدیقی بی۔ اے کلاس (۲) قریشی فضل احمد صاحب پوسٹل کلرک (۳) بابو طالع احمد محمد اکرام صاحب۔ (۴) شیخ نعمت علی صاحب سب اوورسیر (۵) مولوی عماد الدین صاحب۔ اے۔ آئی۔ پی (۶) مولوی فتح محمد صاحب اختر؂

جن برادران کے اسمائے گرامی خاتمہ سال خریداری کی وجہ سے دسمبر کی اشاعت میں درج کرتے ہوئے زرچندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوانے کی خواہش کی گئی تھی۔ ان میں سے حسب ذیل احباب نے توجہ فرمائی۔ باقی احباب توجہ فرما دیں؂

(۱) قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی (۲) پیر علی احمد صاحب چشتی فریدی (۳) ڈاکٹر احمد علی صاحب سب اسسٹنٹ سرجن (۴) پیر علی اصغر صاحب ڈپٹی کلکٹر۔ (۵) شیخ غلام رسول صاحب سب انسپکٹر (۶) شیخ غلام حسین صاحب پنشنر (۷) قریشی سردار علی صاحب (۸) منشی اقبال حسین صاحب؂

جملہ احباب کے نام "زرچندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجدیا جائیگا" کے وعدہ پر رسالہ جاری ہے۔ ہماری ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے مہربانی کر کے وہ بواپسی ڈاک اپنا اپنا چندہ بھجوا دیں۔ اور اپنا قومی و اخلاقی فرض محسوس کر کے عند القوم مشکور رہوں؂

تذکرۃ المشاہیر

عہد عباسیہ کی زبردست شخصیّت

ابن سمعون

مولوی عبدالحکیم صاحب شرؔر مرحوم نے دولت عباسیہ کے ایک عدیم المثال واعظ ابن سمعون کے حالات رقم فرمائے ہیں۔ یہ شخص بلا کا جادو بیان تھا حافظ ابوبکر خطیب بغدادی احمد بن عبد المومن اور جلال الدین ابن جوزی نے اس معجز نما واعظ کی جو تعریفیں لکھی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید دنیا بھر میں کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا؛

ابن سمعون چوتھی صدی کے شروع میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ اس وقت بغداد میں علم وفضل کے دریا رواں تھے۔ ابن سمعون بھی انہی دریاؤں سے سیراب ہوئے۔ آپ نے کسی خاص استاد سے وابستگی نہیں رکھی۔ بلکہ بہت سے استادوں سے پڑھا۔ اور ہر چشمہ سے سیراب ہوئے۔ وعظ بہت سنتے تھے۔ اور بڑے غور سے سنتے تھے۔ شاید اس لئے کہ وہ خود بھی اسی میدان میں منتہی ہونیوالے تھے؛

مراۃ الجنان میں ابن سمعون کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ یعنی ابن سمعون ابتدائے عہد میں نہایت پریشان حال تھے۔ لہٰذا اکاں کے محتاج اور غربت زدہ فقراء میں ان کا شمار بھی تھا۔ لیکن اس پریشان حالی کے زمانہ میں یہ لوگوں سے خیرات اور صدقات نہیں لیتے تھے۔ بلکہ کتابت پر بسر اوقات کرتے تھے۔ اکثر کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اور ان کو بغداد کے علمی بازاروں میں فروخت کر لیا کرتے تھے۔ ایک ضعیف اور فلاکت زدہ ماں زندہ تھی جس کی خدمت گذاری اس طرح کرتے۔ کہ گویا جو کچھ کماتے تھے۔ صرف اسی کے لئے ورنہ اصل میں اپنا پیٹ وہ ہر طرح پال سکتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ابن سمعون نے صرف ماں کی خدمتگذاری کے لئے اپنے بہت سے علمی شوقوں کو دبا رکھا تھا۔ بلکہ ذوق علم نے جوان کا قدم سفر کی منزلوں تک نہ پہنچنے دیا۔ اس کی وجہ شاید وہی ضعیفہ ماں تھی ؛

ابن سمعون ایک دن ماں سے باتیں کر رہے تھے۔ باتیں کرتے کرتے کچھ دینی ذوق نے ایسا جوش پیدا کیا۔ کہ ماں سے کہنے لگے اماں جان مجھے حج اور زیارت بیت اللہ کا نہایت شوق ہے۔ اگر آپ اپنے اس ذلیل بیٹے کو سفر حج کی اجازت دیتیں۔ تو مجھ سے جس طرح فقر وفاقہ سے بنتا۔ مکہ معظمہ کا عازم ہوتا۔ اور وعدہ کرتا ہوں۔ کہ خانہ کعبہ میں اور نیز ہر مقام مقدس میں جس کی زیارت کی مجھے عزت حاصل ہوتی۔ نہایت آپ کو یاد کرتا۔ اور آپ کی طرف سے مغفرت اور نجات کی دعائیں مانگتا۔ ماں نے یہ خیال سُنکر شدت سے انکار کیا۔ اور کہا۔ ابن سمعون! بھلا یہ کیونکر ممکن ہے۔ اول تو اس مصیبت وافلاس میں تجھ سے سفر کیونکر کیا جائیگا۔ اور اگر بالفرض تو چلا بھی گیا۔ تو بتا میری زندگی بسر ہونے کی کون صورت ہے۔ جبتک تو آئے۔ میرا کام افلاس میں تمام ہو جائیگا۔ ماں کی زبان سے یہ جواب سن کے ابن سمعون خاموش رہے۔ اور ڈر گئے۔ کہ ایسا نہ ہو۔ اماں جان زیادہ خفا ہو جائیں۔ اتفاقاً اسی وقت اور اسی صحبت میں بیٹھے بیٹھے ان کی ماں کی آنکھ لگ گئی تھوڑی

ہی دیر میں اس ضعیفہ پر عالم غنودگی طاری رہا ہوگا۔ کہ یک بیک وہ چونک پڑی اور اٹھتے ہی جو پہلا جملہ اس کی زبان سے نکلا۔ یہ تھا کہ "بیٹا ابن سمون! سفر حج کا سامان کر۔ میں ہرگز نہیں روکتی ہوں"۔ ابن سمون نے پوچھا "اماں جان! کیوں؟ کیا ہوا۔ جو آپ نے یوں یک بیک مجھے اجازت دیدی اور نہ میرے مصائب سفر کا خیال کیا۔ اور نہ اپنی تنگدستی کو دیکھا۔ ماں نے جواب دیا۔ کہ "بیٹا! ابھی جو میری آنکھ لگ گئی۔ تو میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلعم کے جمال پاک کی زیارت کی۔ انہوں نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ کہ اے خدا کی بندی اپنے بیٹے کو ایسی دولت سرمدی اور ایسے ارادہ نیک سے کیوں روکتی ہے۔ اُسے فوراً اجازت دے۔ اس لئے کہ اس کے لئے دینی اور دنیاوی دونو بھلائیاں اس سفر پر منحصر ہیں۔ بھلا اب حضرت رسول صلعم کی زبان مبارک سے سُنکے میں کیونکر تجھے روک سکتی ہوں۔ بس اب تو سفر کے لئے آمادہ ہو۔ مجھ سے جس طرح بنے گا۔ اپنی بسر کر لونگی ماں کی زبان سے اس خواب کا حال سُنکے ابن سمون پر عجیب حالت طاری ہوئی اور نہایت درجہ خوش ہوئے۔ کہ حضرت رسالت پناہ صلعم کے حکم سے میں سفر حج کرونگا۔ الغرض جوش میں آ کے اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ دو چار کتابیں جو لکھی رکھی تھیں ان کو ہاتھ میں لیا۔ اور بازار میں جا کے جس قیمت میں بکیں۔ فوراً بیچ ڈالا۔ اس کی قیمت لا کر ماں کو دی اور کہا جب تک بن سکے۔ آپ اس تھوڑی سی رقم پر اپنی زندگی بسر کیجئے۔ میں جاتا ہوں۔ یہ کہکر گھر کو خیرباد کہا۔ اور حاجیوں کا جو قافلہ مکہ معظمہ جاتا ہے۔ اس کے ہمراہ پا پیادہ روانہ ہوئے؛

راستہ میں بہت بڑی مصیبت یہ پیش آئی۔ کہ صحرائی بدویوں نے قافلہ کو لوٹ لیا۔ ہر مسافر کے پاس جو کچھ مال واسباب نکلا۔ زبردستی چھین لیا۔ یہاں تک کہ سب اہل قافلہ سے کپڑے تک اتروا لئے۔ ابن سمون بیچارے کے پاس کیا تھا۔ لیکن لٹیروں نے انہیں بھی نہ چھوڑا۔ کپڑے اتار لئے اور بالکل برہنہ صحرا میں چھوڑ دیا۔ خود کہتے ہیں۔ کہ میں وہاں ننگا مادر زاد پھر رہا تھا۔ دو انگل کپڑا بھی نہ تھا جس سے پردہ ڈھانپتا۔ اتفاقاً میں نے دیکھا۔ کہ ایک شخص ہاتھ میں ایک عبا لئے کھڑا ہے۔ میں اس کے قریب گیا۔ اور کہا "آپ میری حالت ملاحظہ فرمائیے۔ اور مجھ پر ترس کھائیے۔ انہوں نے وہ عبا مجھکو دیدی۔ میں نے اس کو پھاڑ کے دو حصوں پر تقسیم کیا۔ ایک کو کمر میں لپیٹ لیا اور ایک کو کندھے پر ڈال لیا۔ خیر لوٹے مارے اہل قافلہ آگے روانہ ہوئے۔ قافلہ میں اور لوگوں کو تو خیر کچھ کھانے پینے کو مل جاتا تھا۔ مگر میرا یہ عالم تھا۔ کہ فاقہ پر فاقہ ہوتے تھے۔ جب زیادہ شدت گرسنگی ہوتی تو اس وقت جبکہ قافلہ کے لوگ کھانا کھانے کو بیٹھتے۔ میں ان کے سامنے جا کے کھڑا ہو جاتا۔ وہ ترس کھا کے ایک آدھ ٹکڑا روٹی کا میری طرف پھینک دیتے میں شکریہ ادا کر کے لے لیتا۔ اور اسی پر زندگی بسر کرتا۔ اس فقیری کے عالم میں بھیک مانگتا ہوا میں اس مقام پر پہنچا۔ جہاں سے اہل بغداد احرام باندھا کرتے تھے۔ انہیں دونو کپڑوں سے انہیں خوب دھو کے اور پاک وصاف کر کے میں نے احرام کا کام لیا۔ اور حج کر کے خدا کا شکر ادا کیا؛

بنی عیبیہ سے ایک شخص تھا۔ جس کے قبضہ میں خانہ کعبہ کی کنجیاں تھیں میں ایام قیام مکہ میں ایک روز اس کے پاس گیا۔ اور اپنا حال بیان کیا۔ اس کو اپنے حال پر بہت کچھ افسوس معلوم ہوا۔ اس کے متاثر ہونے پر مجھے اتنی جرأت ہوئی۔ کہ میں نے کہا۔ آپ سے اتنی درخواست کرتا ہوں۔ کہ چونکہ خانہ کعبہ آپ کے اختیار میں ہے۔ لہذا مجھے کوئی ایسا موقع دیجئے کہ تنہا میں ہی اندر جا کے خلوت میں خدا سے دعا مانگوں۔ اس نے وعدہ کیا۔ اور ایک روز جب سب لوگ خانہ کعبہ سے نکل چکے تھے۔ اس نے مجھے اندر داخل کر کے دروازہ بند کر لیا مجھے یہ نہایت عمدہ موقع ملا تھا۔ میں نے نہایت خشوع وخضوع سے درگاہ باری تعالے میں دعا مانگنی شروع کی۔ اور اس عالم بیخودی میں میری زبان سے یہ کلمات نکلے۔ بار الہا! تو میرے فقر وفاقہ اور افلاس کا حال بخوبی جانتا ہے۔ کچھ اس کی ضرورت نہیں۔ کہ میں اپنی زبان سے عرض کروں۔ مجھے اپنے خوان کرم سے ایسا کچھ مرحمت کر۔ کہ سوائے

تیرے اور کسی کا محتاج نہ رہوں" ابھی یہ کلمات میری زبان سے نکلے۔ ادہر سُنا۔ کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے۔ یا اللہ یہ شخص دعا میں غلطی کرتا ہے۔ اس کو ایسی ہی زندگی ملے۔ کہ کبھی معاش کیطرف سے اطمینان نہ ہو۔ یہ آواز سن کے میں چاروں طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔ مگر کوئی شخص نظر نہ آیا۔ میں پھر خدا کی طرف متوجہ ہوا اور دعا میں وہی الفاظ کہے۔ اور پھر وہی آواز آئی۔ اور دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ تین دفعہ ایسا ہی اتفاق ہوا۔ اس کے بعد میں خانہ کعبہ سے باہر نکل آیا"

جب میں عراق پہنچا۔ طائع للہ خاندان حضرت عباس سے خلیفہ بغداد تھا۔ اس نے اتفاقاً اسی زمانہ میں اپنی ایک پری جمال لونڈی کو کسی سبب سے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ لیکن اُسے خوف ہوا۔ کہ اگر لونڈی یونہیں گھر سے نکال دی جائے گی۔ تو خوف ہے۔ کہ بے عصمت ہو جائے۔ لہذا بعض مشیروں سے صلاح لی۔ ایک مشیر نے کہا۔ ابن سمعون واعظ عنقریب حج سے واپس آیا چاہتا ہے۔ بہتر ہوگا۔ کہ امیر المومنین اس لونڈی کو اس کے سپرد کر دیں اور مشورہ کریں۔ کہ ابن سمعون اس کے ساتھ نکاح پڑھا لے۔ اس صورت میں لونڈی بھی باعصمت رہیگی۔ اور ابن سمعون بھی خوش ہو جائے گا۔ خلیفہ بغداد نے اس رائے کو پسند کیا۔ الغرض میرے بغداد میں داخل ہوتے ہی آستان خلافت میں چند صلاحکار لوگ جمع کئے گئے۔ جنہوں نے میرے ساتھ اس لونڈی کا عقد کر دیا۔ اور بہت سے مال و اسباب اور دولت و سامان کے ساتھ اسے میرے گھر پر بھیجدیا"

یہی زمانہ ہے۔ جس وقت سے ابن سمعون دولتمند ہو گئے۔ ان کا اعتقاد تھا۔ کہ یہ ان کی والدہ محترمہ کے اس خواب کی تعبیر ہے۔ وعظ کی صحبتوں اور پند و نصائح کی محفلوں میں ہمیشہ اس واقعہ کو مؤثر الفاظ سے بیان کر کے خدا کا شکر ادا کیا کرتے تھے۔ اور لوگوں کو بتایا کرتے تھے۔ کہ خداوند تعالیٰ کیونکر اپنے بندوں کے ساتھ بہ لطف و محبت پیش آیا کرتا ہے۔ آخر عہد میں ابن سمعون کے زہد و تقدس نے انہیں مرتبہ کمال پر پہنچا دیا تھا۔ کہ یافعی کا بیان ہے۔ کہ اس عصر کے مشہور علماء قاضی ابوبکر اور شیخ ابوبکر حامد جو خود بھی رؤسائے اسلام میں سے تھے۔ اور ناموران بغداد میں تھے ابن سمعون کی خدمت میں بکمال ادب حاضر ہوتے تھے۔ ان کے ہاتھوں کو چومتے تھے۔ بعد اس کو اپنی اعلےٰ سعادت خیال کرتے تھے"

ابو علی ہاشمی کہتے ہیں۔ طائع للہ کا غصہ خاندان عباس کے سب لوگوں سے بڑھا ہوا تھا۔ اور اس کے غصہ سے کوئی شخص نجات نہ پا سکتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے مجھے حکم دیا۔ کہ ابن سمعون کو لا کے ابھی حاضر کرو۔ چہرے سے غصہ کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ جس سے مجھے خوف ہو گیا۔ کہ دیکھئے۔ ابن سمعون پر کیسے گذرتی ہے۔ میں ابن سمعون کے پاس گیا۔ اور انہیں اپنے ہمراہ آستانہ خلافت میں لے گیا۔ اور خلیفہ سے عرض کی۔ کہ ابن سمعون حاضر ہیں۔ خلیفہ نے اپنے سامنے بلایا۔ ابن سمعون جاتے ہی آداب شاہی بجا لائے۔ اور پند و نصائح کا سلسلہ شروع کر دیا۔ زبان کھولتے ہی انہوں نے کہا۔

"روی عن امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یعنی حضرت علیؓ سے روایت ہے۔ ایک روایت تمام ہوئی۔ تو دوسری روایت بھی حضرت علیؓ ہی کی سند سے شروع کی۔ آخر تک جتنی روایتیں بیان کیں۔ سب کی سند حضرت علیؓ ہی تک پہنچتی تھی۔ اور ان کے مضامین سے دل پر ایسی رقت طاری ہوتی تھی۔ کہ بیان سے باہر ہے۔ طائع کا دل موم ہو گیا اور اس نے رونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ رومال جو خلیفہ کے ہاتھ میں تھا۔ بالکل تر ہو گیا۔ اس کے بعد ابن سمعون نے زبان روکی اور خاموش ہو گئے۔ اور ایک مشک کا ڈبہ مجھے دیا۔ اور اشارہ کیا۔ کہ خلیفہ کی خدمت میں بطور نذر پیش کرو۔ میں نے اس ہدیہ کو خلیفہ کے سامنے رکھ دیا۔ اب ابن سمعون سلام کر کے جانے لگے۔ میں محل خلافت کے دروازے تک انہیں پہنچانے گیا۔ اور نہایت حسن عقیدت سے دروازے پر میں ان کو رخصت کر کے خلیفہ کے حضور میں واپس آیا۔ اب تنہائی میں میں نے خلیفہ سے دریافت کیا۔ کہ "امیر المومنین ابن سمعون کے آنے سے پہلے حضور کے چشم و ابرو سے آثار غضب نمایاں تھے۔ لیکن ان کے آتے ہی وہ سب باتیں جاتی رہیں۔ اور

نہایت مہربانی ورحمدلی سے پیش آئے۔ خلیفہ نے جواب میں فرمایا۔ کہ نالائق اور چغل خوروں نے مجھ سے کہا تھا۔ کہ ابن سمعون جناب علی مرتضےٰ کی شان میں بے ادبی کے کلمات کہا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے غضبناک ہوکے میں نے اسے بلا بھیجا تھا۔ مگر اس وقت جو وہ آیا تو اس نے ابتدا سے آخر تک جتنی روائتیں بیان کیں۔ سب جناب علی مرتضےٰ سے اور ہر موقع پر ان کا نام اس تعظیم سے لیا۔ کہ مجھے معلوم ہوگیا۔ کہ لوگوں نے جو کچھ کہا۔ جھوٹ تھا۔ اور حسد پر مبنی تھا۔ اور ابن سمعون کے عقائد میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے ؎

سنہ ۳۶۷ھ (۹۸۷ء) میں عضد الدولہ تخت عراق پر جلوہ افروز ہوا۔ اور اس نے تخت پر بیٹھتے ہی تمام گلی کوچوں میں ڈھنڈورا پٹوا دیا۔ کہ آئندہ سے کوئی واعظ صحابہ اور یاران رسول خدا کے فضائل علی الاعلان نہ بیان کیا کرے۔ کہ تعریف صحابہ سے تعصب بڑھتا ہے۔ اور آتش فساد بھڑک اٹھتی ہے۔ جو کوئی اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا۔ قتل کر ڈالا جائے گا ؎

اس حکم کی وجہ یہ تھی۔ کہ عضد الدولہ کی فتحمندی سے پہلے ملک عراق میں مابین شیعہ اور سنیوں کے صرف مذہبی بنا پر جھگڑا پیدا ہوگیا تھا۔ اور اس نے یہاں تک طول کھینچا تھا۔ کہ دونوں طرف کے صدہا آدمی جان سے مارے گئے۔ جوار بغداد کے بیسیوں گاؤں میں آگ لگا دی۔ اور رعایا کا اس قدر مال واسباب لٹ گیا۔ کہ بیان سے باہر ہے ؎

ابن سمعون نے یہ حکم سنا۔ اور اس کی پوری پوری مخالفت کرکے جامع بغداد میں نہایت آزادی سے اپنے وعظ میں بہت کچھ فضائل صحابہ کرام بھی بیان کئے۔ یہ خبر عضد الدولہ کو پہنچی۔ تو نہایت برہم ہوا۔ اور اپنے مقربان دولت میں سے ابوالثناء کو حکم دیا۔ کہ ابن سمعون کو لا کے حاضر کرے۔ خود ابوالثناء کا بیان ہے۔ کہ عضد الدولہ کے حکم کے بموجب میں نے علامہ ابن سمعون کو آدمی بھیجکر اپنے مکان میں بلایا۔ وہ آئے۔ تو مجھے ان کی صورت پر کچھ ایسا جلال اور ایسی ہیبت نظر آئی۔ کہ بے اختیار میں ان کی تعظیم وتکریم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ان کو اپنے برابر بلا کے بٹھایا رسم مزاج پرسی کے بعد میں نے کہا جناب والا! بادشاہ عضد الدولہ کو لوگوں نے آپ کی شکائتیں کرکے نہایت برہم کر دیا ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے۔ کہ وہ کیسا سخت گیر اور کتنا بڑا سخت دل بادشاہ ہے ہاں آپ اس کے دربار میں تشریف لے جائیں۔ تو پہلے جاتے ہی نہایت عاجزی اور ادب سے آستاں بوسی فرمائیے۔ اور شاہی تعظیم وتکریم میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھئے گا۔ اور پورے حضور دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوکے نجات اور عفو کی دعا مانگئے گا۔ شاید خداوند تعالیٰ جل شانہٗ آپ کو ایسے شیر غضب آلود کے پنجۂ ستم سے نجات دلا دے ؎

ابن سمعون نے کہا سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ یہ سمجھا چکا کے میں نے ابن سمعون کو اپنے ہمراہ لیا۔ اور دربار کو روانہ ہوا۔ در دولت پر پہنچ کے میں نے ان سے کہا۔ آپ دم بھر یہاں ٹھہرئیے۔ میں آپ کی اطلاع کرکے حاضری کی اجازت لے آؤں۔ لیکن ہاں دیکھئے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے۔ اس کا ضرور خیال رکھئے گا۔ اس بات سے میری غرض یہ تھی۔ کہ ایسے فاضل گراں پایہ اور عالم بے بدل کو عضد الدولہ کے ہاتھ سے کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے غرض تمام باتیں علامہ ممدوح کے ذہن نشین کرکے میں جھپٹا ہوا اندر گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ابن سمعون میرے برابر کھڑے ہوئے ہیں۔ اور جو کچھ میں نے کہا سنا تھا۔ گویا ان سب باتوں کو یا تو نغو خیال کیا۔ یا بھول گئے۔ کیونکہ نہ تو آستان بوسی کی نہ کوئی شاہی تعظیم وتکریم بجا لائے۔ بلکہ بختیار جسکو عضد الدولہ نے قتل کرکے حکومت عراق حاصل کی تھی۔ اس کے مکان کیطرف اشارہ کرکے آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے "وہ گاؤں جن میں ظلم ہوتا تھا۔ جب ان کو خدا کا غضب لے لیتا ہے۔ تو ایسا ہی پکڑتا ہے۔ خدا کا مواخذہ کرنا دردناک اور سخت ہے" اس کے بعد عضد الدولہ کی طرف متوجہ ہوکے کہا۔ اس کے بعد

ہم نے ان کی جگہ تم کو وارث تاج و تخت کیا۔ تاکہ دیکھیں۔ تم کیا کارروائی کرتے ہو"۔ اس کے بعد ابن سمعون نے جو پند و نصائح کا دروازہ کھولا۔ اور اپنی زبان معجز بیان کے جوہر دکھانا شروع کئے۔ تو یہ عالم تھا۔ کہ کل اہل دربار اور خود عضد الدولہ پر ایک بیہوشی اور از خود رفتگی کا عالم طاری ہو گیا۔ میں نے عضد الدولہ کو کبھی رحم سے کام لیتے نہیں دیکھا تھا۔ اور گریہ یا رقت قلب تو چھو بھی نہیں گئی تھی۔ لیکن ابن سمعون کے بیان نے یہ اثر کیا۔ کہ اس نے رومال اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔ اور زار و قطار رونے لگا۔ ابن سمعون دیر تک سب کو اسی عالم میں دیکھ کے یک بیک ہم لوگوں کے درمیان سے غائب ہو گئے۔ وہ سارے دربار کو بیخودی کی حالت میں چھوڑ کے بغیر اجازت لئے چلے گئے۔ اور ہم کو خبر بھی نہ ہوئی۔ یہاں سے جا کے وہ میرے مکان میں بیٹھ رہے۔ کچھ دیر کے بعد جب عضد الدولہ اپنے ہوش میں آیا۔ تو اس نے میری طرف متوجہ ہو کے حکم دیا۔ کہ جاؤ خزانہ سے تین ہزار درہم اور دس جوڑے خلعت گرانبہا لو اور ابن سمعون کو میری طرف سے دو۔ اگر وہ لے لیں۔ تو فوراً قتل کر ڈالنا۔ اور اگر انکار کریں۔ تو کہنا۔ اچھا لیجئے۔ ان کو اپنے احباب اور غربائے اسلام پر تقسیم کر دیجئے۔ ابو الثنا کہتے ہیں۔ کہ اس حکم نے مجھے نہایت ہی تشویش میں ڈال دیا۔ اسلئے کہ مجھے خوف معلوم ہوا۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ ابن سمعون ان چیزوں کو اپنے نام سے قبول کر لیں۔ اور مجھے اس علامۂ عصر کے قتل کا مرتکب ہونا پڑے۔ الغرض میں درہم اور خلعت ہائے گران بہا لے کے گیا۔ اور کہنے لگا۔ لیجئے۔ بادشاہ عضد الدولہ نے یہ سب سامان بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ اے ابو الثناء! خدا لگتی تم ہی انصاف کرو۔ میں ان چیزوں کو لے کر کیا کروں گا۔ یہ کپڑے جو میں پہنے ہوئے ہوں۔ ان کو چالیس برس ہوئے والد مرحوم و مغفور نے میرے لئے قطع کرائے تھے۔ میں جب کہیں آتا جاتا ہوں۔ تو ان کو پہن لیتا ہوں۔ اور اپنے گھر جاتے ہی نہایت احتیاط سے انہیں تہ کر کے رکھ دیتا ہوں۔ میری عمر کے لئے یہی جوڑا کافی ہے۔ اور زیادہ ساز و سامان دنیاوی کی مجھے حاجت نہیں۔ باقی رہے درہم۔ یہ بھی میرے لئے فضول ہیں۔ وہ گھر جو مجھے والد مبرور کے ورثہ میں ملا ہے۔ اس کا کرایہ اس قدر کافی ہوتا ہے۔ کہ میں اطمینان سے اپنے حوائج ضروری کو پورا کر لیتا ہوں۔ مجھے شاہی انعام کی کوئی حاجت نہیں"۔ یہ سن کے میں نے کہا۔ اچھا تو اگر آپ کو اپنے لئے ضرورت نہیں۔ تو آپ کے احباب میں جن لوگوں کو ضرورت ہو۔ ان کو تقسیم فرما دیجئے۔ خود بادشاہ نے مجھے کہہ دیا ہے۔ کہ اگر وہ نہ لیں۔ تو یہی دے کے کہہ دینا کہ اپنے احباب پر تقسیم کر دیجئے۔ انہوں نے فرمایا۔ اے ابو الثنا! میرے دوستوں کو بھی ان چیزوں کی ضرورت نہیں دربارداران دولت میرے احباب کی نسبت اس ساز و سامان کے زیادہ محتاج ہیں"۔ ابن سمعون کی یہ تقریر سن کے میں نہایت ہی خوش ہوا۔ اور عضد الدولہ کی خدمت میں جا کے ساری داستان بیان کر دی۔ اس کو بھی سن کے بڑی خوشی ہوئی۔ اور شکریہ کے طور پر یہ کہنے لگا۔ الحمد للہ الذی سلمہ منا و سلمنا منہ یعنی اس خدا کا شکر ہے۔ جس نے ان کو مجھ سے اور مجھ کو ان سے محفوظ رکھا۔

انتقال

ابن سمعون نے سنہ ۳۸۷ھ (۹۹۷ء) میں انتقال فرمایا۔ اور تمام بغداد ماتم کدہ بن گیا۔ اس کے چالیس سال بعد پنجشنبہ ۱۱ رجب سنہ ۴۲۶ھ (۱۰۲۹ء) میں کسی وجہ سے آپ کو باب الحرب میں دفن کرنے کی تجویز ہوئی۔ اور پہلی قبر کھودی گئی۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ ۴۰ برس کے بعد جسم کا گلنا سڑنا تو درکنار کفن کا کپڑا تک ویسا ہی ستھرا اور صاف تھا۔

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ

النجات

پہلا باب

ایمان

(گذشتہ سے پیوستہ)

چنانچہ انگریزوں کی ابتدائی عملداری پنجاب میں اراضیات کے ایک سرسری بندوبست کی ضرورت محسوس ہونے پر بذریعہ بندوبست سرسری اراضیات کی مالگذاری تجویز کردی گئی۔ اور ہر ایک زمیندار کو ادائگی کا ذمہ دار گردان لیا گیا۔ مگر ایک دو سال ہی کے اندر وہ سرسری بندوبست ناکافی ثابت ہوا۔ اس واسطے جلد دوسرے قانونی بندوبست کے ذریعہ سے اراضیات کی باضابطہ پیمائش کشتوار جاکر مالگذاری تجویز ہوگئی خواہ وہ اراضیات افتادہ تھیں۔ یا زیر زراعت مگر ہر ایک اراضی بذریعہ اپنے مالک و قابض کے ادائگی معاملہ مجوزہ سرکار کی ذمہ وار ٹھہرائی گئی۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ یعنی پندرہ بیس سال کے بعد اور بندوبست کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اراضیات کی سابقہ طریقۂ پیمائش میں غلطی رہی ہے۔ پس اب تیسرا بندوبست اراضیات شروع ہوگیا۔ اور بجائے کام کشتوار شروع کرانے کے اول بڑے بڑے غیر معین مثلثوں کے ٹکڑوں میں کل اراضیات کی پیمائش کرائی گئی۔ اور پھر ان مثلثوں کے ذریعہ سے کشتوار کا کام ختم کرا دیا جاکر زرمطالبہ سرکار تجویز کیا گیا۔ اور تمام زمینداروں کو علیٰحسب تعداد اراضی ادائگی کا ذمہ وار قرار دیا گیا

اب پھر اس پہ بیس بائیس سال کا عرصہ گذرا۔ کہ اور ایک جدید بندوبست کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور قاعدۂ مثلث بندی کو غلط قرار دیا گیا۔ آخر سنہ ۱۸۸۹ء میں مثلث بندی کی بجائے مربع بندی کا قاعدہ جاری کیا گیا۔ اور یہ چوتھا بندوبست اراضیات مقدار معین کے مربعجات کے ذریعہ سے شروع کیا گیا۔ جس میں پہلے تمام گذشتہ نقائص رفع کردیے گئے۔ اور بعد از اختتام مربع بندی کشتوار کا کام مکمل ہو کر مالگذاری سرکار تجویز کردی گئی۔ کہ جس کی ادائگی کا ذمہ دار بدستور سابق ہر ایک زمیندار کو گردان لیا گیا۔

تجربہ سے یہ ثابت ہوگیا۔ کہ اب پھر آئندہ کے لئے اراضیات کی پیمائش کشتوار کی ضرورت نہیں رہی۔ اور یہ مربع بندی کے ذریعہ سے جو پیمائش کشتوار کرائی گئی ہے۔ بالکل صحیح ہے۔ اور اس قابل ہے۔ کہ دوام کے لئے عمل پذیر رہے جب کبھی کشت و خیابان کے تخلیط و تفریق کے سبب ترمیم کاغذات مال کی ضرورت پڑے۔ تو بدوں کسی جدید پیمائش کشتوار کے نیا نمبر خسرہ رواں چلا کر کاغذات مرتب کرلئے جایا کریں۔ اور جمع تجویز ہو جایا کرے۔ کہ جس کی ادائگی کے ذمہ دار بدستور سابق زمینداران رہیں گے؛

لہذا اب پنجاب میں سے محکمہ بندوبست رخصت کیا جارہا ہے۔ اس لئے کہ اب آئندہ کسی جدید بندوبست کی ضرورت نہیں رہی اور ملازمین مستقل محکمۂ بندوبست کو دوسرے مالی محکمہ جات اضلاع پنجاب میں کھپایا جارہا ہے۔ کیونکہ بوجہ مکمل مہیا ہوجانے ایک مجموعہ ضوابط و قوانین بندوبست کے تادوام قیام سلطنت کسی جدید بندوبست کی ضرورت اب باقی نہیں رہی ہے۔ اور نہ ہی جداگانہ محکمہ مستقل بندوبست کی اب کچھ ضرورت باقی ہے۔ گویا پہلے سارے گذشتہ بندوبستوں کے قوانین و ضوابط محو و منسوخ تصور ہوگئے۔ اور سب سے آخری بندوبست کا مکمل مجموعۂ قوانین ہمیشہ کے لئے واجب العمل رکھا گیا۔ اسی واسطے یہ آخری بندوبست خاتم بندوبست ہوگیا۔

ایسا ہی خداوند پاک کے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام ضرورت کے وقت عہدۂ رسالت کو بحکم خدا دنیا میں لیکر آتے رہے۔ اور مناسب الوقت تبلیغ فرماتے رہے۔ اور جس جس طرح پر دنیاداروں کا سلسلہ اور شمار روش بڑھتا گھٹتا رہا۔ اسی طرح پر احکام قابل تعمیل بھی کم و بیش ہوتے رہے حتیٰ کہ اسلام کی نوبت آپہنچی۔ اور سابقہ احکام کے علاوہ اور جو جو امور دنیا کا امن و انتظام قائم رکھنے کے لئے ازروئے مذہب ضروری معلوم ہوئے۔ اضافہ ہوکر ایک مکمل ضابطہ اور قوانین کا کامل مجموعہ (قرآن مجید) مہیا کردیا گیا۔ جو دوام قیام دنیا کے لئے کافی ہے۔ لہذا اب آئندہ کے لئے سلسلۂ رسالت کو ختم کردیا گیا۔ اور ختم المرسلین کا سہرا مسلمانوں کے نہائت ہی برگزیدہ پیغمبر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مبارک سر پر باندھ دیا گیا ؎

سید الکونین و ختم المرسلین　-　آخر آمد بود فخر اولین

یہی وجہ ہے۔ کہ انبیاء سابقین علیہم السلام حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی ہونے کی آرزو کرتے گئے۔ تاکہ کامل اسلام کا خالص مزہ چکھتے اور دوامی حظ اٹھاتے۔

امید ہے۔ کہ اب تو حضرت مخاطبین کے خیال شریف میں ذہن کی رسائی نے حدیث قدسی لولاک لما خلقت الافلاک کے معنی منکشف کردیئے ہونگے۔ اور وہ یہ بھی ضرور سمجھ گئے ہونگے۔ کہ آپکو کیوں رحمۃ للعلمین کا ممتاز خطاب منجانب اللہ سب پیغمبروں سے بڑھ چڑھ کر عطا ہوا؟

پس اسلام نے ایک مسلمان کے مومن بننے کے لئے اعمال کو بھی شامل ایمان رکھا ہے۔ اور مسلمان و مومن کے درمیان ایک بیّن امتیاز بتلادیا ہے؟

جس طرح سے مسلمان اور مومن ازروئے مناصب و مدارج باہم مساوات نہیں رکھتے ہیں۔ اسی طرح سے سب مومنین بھی باہم مساوی درجہ پر نہیں ہیں۔ فَضَّلْنَا بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ چنانچہ ایک حدیث نبوی کے مضمون سے بھی مختلف مدارج امت محمدیہ کی تائید ہوتی ہے۔ اس طرح پر کہ میری امت بے چند مختلف فرقوں میں سے نجات اخروی کا مستحق صرف ایک ہی فرقہ ہوگا۔ جو کہ میرے اور میرے صحابہؓ کی پیروی میں لگا رہیگا۔

(باقی)

کتبخانۂ "القریش" کی بے نظیر کتابیں

تین خاص نمبر

القریش کے مندرجہ ذیل تین خاص نمبر بے حد دلچسپ اور قابل دید ہیں

نبی نمبر یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی منظوم و منثور واقعات نہایت دلکش پیرایہ میں تفصیل کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔

صدیق نمبر حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری منظوم و منثور دلآویز پیرایہ میں بے حد دلچسپ اور بہترین دل و دماغ کا نتیجہ قابل قدر چیز ہے۔

نظام نمبر دولت آصفیہ کی مختصر تاریخ اور دکن کے موجودہ فرماں روا کے فضائل شہریاری کا بسوط تذکرہ دولت آصفیہ اور سرکار انگریزی کے تعلقات دوستی کی ابتدا حملہ کرناٹک یعنی ۱۷۶۵ء سے اس وقت تک کے جستہ جستہ حالات۔

ہر سہ نمبروں کی مجموعی قیمت - ایک روپیہ (عہ)

دیگر کتب متفرقہ

حقیقۃ السیادت اس میں ثابت کیا گیا ہے۔ کہ قریش کا خاندانی لقب سید ہے۔ اور اس میں سے سادات بنی ہاشم کا لقب سید و شریف ہے جو لوگ سادات قریش کو شیخ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔ غلطی کرتے ہیں۔ اس لئے ہر قریشی کے لئے لازمی و ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے ناموں کے ساتھ لقب سید ضرور لکھا کریں۔ کتاب قابل دید اور فتویٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔

حقیقۃ السیادت الہاشمیہ ایک اعتراض کا زبردست معقول و منقول جواب بنی ہاشم کی سیادت کا ثبوت اور یہ کہ آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل سب سادات ہیں۔ اور شریف و سید کے لقب سے آنحضرتؐ کے زمانہ سے اب تک ملقب ہوتے ہیں قیمت فی جلد صرف چار آنہ (۴ر)

کمال معرفت ۴ر۔ ہندو شعرا کا نعتیہ کلام ۶ر۔ خطبات عزیزی ۴ر۔ اخلاقی کہانیاں ۳ر۔ حیات النبیؐ ۶ر۔ سراج معرفت ۴ر علم غیب ۶ر۔ ولی کی پہچان ۲ر۔ راز معرفت ۴ر۔ تاریخ تبلیغ الاسلام عہ۔ غلامی پردہ ۵ر۔ سراج الدارین ۵ر۔ کلام صدر ۶ر۔ پھول اور کانٹے ۱ر۔ والدین کا اثر اولاد پر ۴ر۔ عورت کے نو کام ۴ر۔

المشتہر

مہتمم کتب خانہ متعلقہ القریش شریف پورہ - امرتسر

وزیر ہند پریس امرتسر میں محمد علی زوقی پرنٹر و پبلشر نے اپنے اہتمام سے چھپا کر دفتر "القریش" واقعہ شریف پورہ - امرتسر سے شائع ہوا

Editor:—

Mohammad Ali Raunaq.

Annual Subscription Rs. 3/- Single Copy Annas 4.

نعت شریف

صبا بہر خدا لانا خبر اتنی مدینے سے
رہوں گا تا بکے میں ہجر میں بیزار جینے سے

مجھے بیتاب کر دیتی ہے جسدم بیکلی دل کی
تصوّر میں وہ نقش پا لگا لیتا ہوں سینے سے

ذرا اے چشم رحمت دیکھ لے اک بار تو آ کر
سجائے ہیں تری خاطر گناہ میں نے قرینے سے

نگاہ رحم اے گردوں مرے ٹوٹے ہوئے دل پر
نہ بہ جائے مئے عشق نبی اس آبگینے سے

دل نالاں بہ شکل اشک مل جا راہ یثرب میں
کہاں تک یوں گذر ہوگا لہو کے گھونٹ پینے سے

ہوں گو عاصی مگر مایوس رحمت ہو نہیں سکتا
میں لوہے کیطرح تیرونگا مل کر سفینے سے

شرف بزم نبوت نے ہے پایا نام احمدؐ سے
ملی ہے بے نگیں خاتم کو عزت اس نگینے سے

گندھی ان سکے ہے یادِ محمدؐ قلبِ محزوں میں
رفو یا رب نہ ہوں ہرگز یہ دل کے چاک سینے سے

چھپی بیٹھی ہے مشک اسواسطے ظلماتِ نافہ میں
کہ لگا کھا نہ سکتی تھی وہ حضرتؐ کے پسینے سے

ظہور رحمۃ للعالمین جس میں ہوا آزابدا
مجھے ہے عید سے بڑھکر محبّت اس مہینے سے

رہا یوں ضوفشاں آئینۂ خلقِ عظیم اس کا
کہ دل اُس کے غلاموں کے ہیں ابتک پاک کینے سے

پہنچ جانا وہاں فکر رسا کا بھی ہے ناممکن
ہے اونچا قصرِ شانِ احمدی ہر ایک زینے سے

توقع کس بنا پر ہے تجھے شاکر حضوری کی
عمل تیرے تو عصیاں کوش ہیں سارے کمینے سے

شاکر صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۱۸ | بابت ماہ مارچ۔ اپریل ۱۹۳۲ء | نمبر ۳ و ۴

ہندوؤں پر حکومت آصفیہ کے احسانات

غیر مسلموں کے انتقامی پروپیگنڈے کی اعداد و شمار سے تردید

حال ہی میں ہندوستان کے ہندو اخبارات کے ایک بڑے طبقہ نے اعلیٰحضرت شہریار دکن کی حکومت کی حکمت عملی کے متعلق غلط بیانیوں اور اس کی تحقیر کی باقاعدہ اور منظم مہم شروع کر دی ہے۔ حکومت دکن کو ہندوؤں کے خلاف ظاہر کرنے کے لئے ہر قسم کے کذب و افترا اور دروغ بافیاں درج کی جا رہی ہیں۔ ان کے حملوں کے بے بنیاد ہونے کا انکشاف کرنے کے لئے صرف یہی امر ایک بین دلیل ہے کہ معترضین نے اپنی سرگرمیوں کے لئے ایسا موقعہ منتخب کیا ہے۔ جب سب کی توجہ تحریک کشمیر کی طرف مرتکز ہو رہی ہے۔ اس سے ان کے انتقامی جذبے کا واضح طور پر اظہار ہوتا ہے۔ اور ان کے دعاوی کی تمام صداقت مفقود ہو جاتی ہے۔ یہ امر خاص طور پر معنی خیز ہے۔ اس سے پیشتر کبھی حضور نظام کی حکومت کی بین غیر جانبدار حکمت عملی کے خلاف اس قسم کا شور و غوغا نہیں اٹھایا گیا۔

بے بنیاد نکتہ چینی

کشمیر میں بے چینی کے آثار رونما ہونے کے بعد ایک عرصہ گذر گیا۔ لیکن اس وقت سے ہندو اخبارات نے حیدر آباد کے نظام حکومت کو تاریک ترین رنگ میں پیش کرنے میں اپنی سرگرمیوں میں کمی نہیں کی۔ نہ انہوں نے اپنی دلی آرزو کے مطابق حکومت کو بدنام کرنے کے لئے ایک قدرتی موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن ان منصوبوں کے لئے ناکامی مقدر ہو چکی ہے۔ کیونکہ واقعات ان کی تائید نہیں کرتے۔ مندرجہ ذیل سطور سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ نکتہ چینیاں کسی اعتراض کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ ان نکتہ چینیوں اور ان کے ہوا خواہوں کے دعاوی کا کھوکھلا پن ثابت کرتے ہوئے میں حکومت کی حکمت عملی کی غیر جانبداری کے متعلق عام واقعات بیان کرنے سے اجتناب کروں گا۔ اور یہ کوشش کروں گا۔ کہ ان ہندو ریاستوں

کے افسوسناک حالات سے مقابلہ کروں۔ جن میں مسلمانوں کی کثیر آبادی پائی جاتی ہے۔ میں قارئین کے فیصلہ کے لئے صرف اعداد و شمار پیش کروں گا۔ اور انہیں موقعہ دوں گا۔ کہ واقعات کی بنیاد پر خود فیصلہ کریں۔ انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ آیا حکومت دکن کے لئے ممکن تھا۔ کہ ہندو رعایا کے جائز حقوق اس سے زیادہ پورا کر سکتی۔ میں قارئین سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ آئندہ امکانات کے اثرات سے غیر متاثر ہو کر فیصلہ کریں۔ اور واقعات پر موجودہ حالات کے ماتحت غور کریں؛

سرکاری ملازمتیں

اکثر حملوں کا مرکز سرکاری ملازمتوں میں غیر مسلموں کی تعداد بنی ہوئی ہے۔ سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ کسی قوم کی فلاح و بہبود صرف ملازمتوں ہی پر منحصر نہیں۔ اس کے علاوہ ملازمت کے قابل غیر مسلموں کی تعداد ایسی شکل میں پیش کی جاتی ہے۔ کہ ان غیر مسلموں کے اعداد و شمار جو سرکاری ملازمت میں داخل ہیں۔ حقیقت سے بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ اول الذکر امر کے متعلق صاف ظاہر ہے۔ کہ کسی قوم کی مرفہ الحالی کے لئے تجارت، صنعت و حرفت۔ زراعت ساہوکارہ اور دستکاری کی قسم کے اور بھی بہت سے شعبے ہیں۔ اور یہ امر بالکل واضح ہے۔ کہ ان تمام شعبوں پر ریاست کی ہندو آبادی کا اجارہ ہے؛

ہندوؤں کا غلبہ

قلمرو دکن کی تقریباً تمام تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ ساہوکارہ تو تمام و کمال انہیں کے قبضہ میں ہے پٹیل اور پٹواری جو دیہات کے افسر اعلےٰ ہونے کی حیثیت سے حقیقی اختیارات کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ سب ہندو ہیں۔ ٹھیکہ داروں اور پلیڈروں کا کثیر طبقہ جس نے بیشمار دولت جمع کر رکھی ہے۔ اسی قوم کا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے جو بحیثیت قوم ان تمام شعبوں سے خارج کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کہ وہ سرکاری ملازمت کے حصول کے لئے کوشش کریں۔ کیا کوئی معقول پسند انسان کو وجہ معاش کے اس ذریعہ سے بھی محروم کرنا پسند کرے گا۔ جو تمام دیگر ذرائع سے کم منفعت بخش ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ وجہ معاش کے دیگر ذرائع اختیار نہ کرنے میں ان کا اپنا قصور ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں وہ مجبور ہیں۔ کہ وہ ملازمت ہی کا ذریعہ اختیار کریں۔ انہیں اس دائرہ سے بھی خارج کرنے کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا۔ کہ تمام قوم کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ چونکہ وہ اقتصادی حالت میں بہت پسماندہ ہیں۔ اس لئے وہ تجارت اور کاروبار اختیار نہیں کر سکتے۔ ان واقعات کے پیش نظر یہ بالکل حق بجانب ہوگا۔ کہ سرکاری ملازمت کا اجارہ بھی مسلمانوں کو دیدیا جائے لیکن موجودہ صورت میں ان کے ہندو عیسائی اور پارسی بھائی ملازمت کے دائرے سے خارج نہیں؛

صریح بے انصافی

غیر مسلم سرکاری ملازمت کے کثیر حصہ سے متمتع ہو رہے ہیں۔ لیکن معترضین ان کی آبادی کے مبالغہ آمیز اعداد و شمار شائع کر کے ان کی تعداد کو کم دکھا رہے ہیں۔ یہ کیسا سخت ظلم ہے۔ کہ ہندو آبادی کا اسی نوے فیصدی حصہ ہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں انہیں صرف چند اسامیاں ملی ہوئی ہیں۔ میں نے اوپر لکھا ہے۔ کہ حیدرآباد کی تجارت اور صنعت و حرفت پر وہ کس طرح متصرف ہیں۔ اور کس طرح ساہوکاروں کی جماعت کامل طور پر اسی قوم کے افراد پر مشتمل ہے۔ دیہاتی افسر ہونے کی حیثیت سے وہ دیہات پر کہاں تک تسلط رکھتے ہیں۔ اور کس طرح انہوں نے عملی طور پر تقریباً تمام پیشوں کا اجارہ

حاصل کر رکھا ہے ؛

ہندو آبادی کے متعلق ایک اہم نکتہ خاص طور پر قابل ذکر ہے ۔ اچھوتوں اور پس ماندہ اقوام کی تعداد کثیر اس بحث کے مقاصد کے لئے ہندوؤں میں شامل نہیں کی جا سکتی ۔ جو لوگ اس غریب مخلوق خدا کو انسانیت کے ابتدائی حقوق دینے سے بھی انکار کرتے ہیں ۔ یہ دعوے نہیں کر سکتے ۔ کہ وہ ان میں شامل ہیں ۔ ان کے علاوہ اچھوتوں کی ایک ایسی جماعت بھی موجود ہے ۔ جسے بھائیں کہتے ہیں ۔ جو خانگی خدمات کے آبائی پیشہ کے سختی سے پابند ہیں ؛

ان واقعات سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ سرکاری ملازمت کے اہل اور محتاج ہندوؤں کی تعداد جس قدر کہ ظاہر کی جاتی ہے ۔ اس سے بہت کم ہے ۔ ریاست میں ۲۰ سال سے زائد عمر والے ہندو مردوں کی تعداد ساڑھے تین لاکھ ہے ۔ ان میں سے صرف دو لاکھ کے قریب سرکاری ملازمت کے قابل ہیں ۔ اس قسم کے وہ ہندو جو سلسلۂ ملازمت میں شامل نہیں ۔ ان کی اکثریت مالی حالت کے لحاظ سے مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ آسودہ حال ہے ۔ باوجود اس کے کم از کم تین سو غیر مسلم گزٹڈ افسر ہیں ۔ اور ۱۷۰۲ ہندو نچلے درجہ کی سول اور ملٹری ملازمت میں شامل ہیں ۔ ایک ہزار سے زاید وکلا ہیں ۔ دو ہزار ٹھیکہ دار ہیں ۔ جنہیں حکومت کے ٹھیکے ملتے ہیں ۔ اور ان کی آمدنی چھ سو سے پانچ ہزار روپیہ سالانہ ہے ۔ علاقہ صرف خاص کے سول اور ملٹری محکموں میں ۲۸۵ غیر مسلم ملازم ہیں ۔ اور مختلف جاگیروں میں ۲۸۵ ہندو برسرکار ہیں ؛

خوشحالی کے دیگر ذرائع

یہ تو صرف سرکاری ملازمتوں کی حالت ہے ۔ میں اپنے دوسرے مضمون میں بتاؤں گا ۔ کہ جاگیرات ۔ مناصب ۔ عطیات ۔ مواجبات ۔ پٹوں ۔ اوقاف اور رسوم وغیرہ کے ذریعے زندگی میں غیر مسلم کس قدر آسائش اور مرفہ الحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں ۔ میں اس بات کا ثبوت بھی بہم پہنچاؤں گا ۔ کہ حضور نظام کی حکومت غیر مسلموں کو خالص مذہبی مقاصد کے لئے کس قدر دریا دلی سے امداد دے رہی ہے ۔ اور اس نے انہیں مذہبی رسوم کے لئے کس قدر سہولتیں بہم پہنچا رکھی ہیں ؛

عزیز احمد

"القریش"

کی قومی خدمات کے آپ معترف ہیں ۔ تو اس کی توسیع اشاعت کے لئے بھی کوشش کیجئے ۔ اور اگر آپ نے اپنا چندہ ارسال نہیں فرمایا ۔ تو اس کی ضروریات کا خیال کرتے ہوئے جلد از جلد بھجوانے کی تکلیف کریں ؛

منیجر

ایک محیّر العقول واقعہ

لاہور ۲۹ فروری میوہسپتال لاہور میں ایک حیرت انگیز مریض زیر علاج ہے۔ ایک نوجوان طالب علم مرد کے اوصاف کھوکر عورت بن رہا ہے۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ خالصہ کالج امرتسر کا ایک طالب علم (جس کی عمر اس وقت ۱۷ سال کے قریب ہے) مردانہ نشانات کھوکر عورتوں کے نشانات پا رہا ہے۔ کچھ عرصہ ہُوا اس کے جسم میں درد شروع ہُوا۔ اور رفتہ رفتہ اس کے فوطے گھٹنے شروع ہوئے حتیٰ کہ گولیاں معدوم ہوگئیں۔ تھوڑے عرصہ کے بعد عضو مخصوص گھٹنا شروع ہُوا۔ اور گھٹتے گھٹتے اس کا بھی نشان نہ رہا پھر چھاتی میں درد شروع ہُوا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اس لڑکے کی چھاتی اُسی طرح اُبھرآئی جیسی عورتوں کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی نقل و حرکت بھی عورتوں جیسی ہوتی گئی اب اُسے اس غرض کے لئے ہسپتال لایا گیا۔ اور کرنل ہارپرنیس انچارج میوہسپتال کے سامنے پیش کیا گیا۔ انہوں نے بھی اس حیرت انگیز مریض کا معائنہ کیا۔ والدین کو فکر دامنگیر ہوئی۔ کہ کہیں اُن کا نور نظر لڑکی نہ بن جائے۔ کیونکہ جہاں اس کے تمام اعضاء عورتوں جیسے ہو رہے تھے۔ وہاں اس کی داڑھی کے بال بھی نہیں اُگتے تھے۔ کرنل ہارپرنیلس نے مریض کا معائنہ کیا۔ اور دوا وغیرہ دی۔ لڑکا دوا لیکر چلا گیا۔ کرنل صاحب کے خیال میں اس مرض کا نام Frohlich Synthmon ہے۔ جس سے مرد عورت بن جاتا ہے۔ اس مرض کی ابتدا پہلے یورپ سے ہوئی۔ اور یہاں سے امریکہ پہنچی۔ شمالی ہندوستان میں یہ پہلا واقعہ ہے۔ اور میوہسپتال میں اس سے پیشتر ایسا مریض کبھی نہیں آیا۔ یہ خبر عام اخبارات میں درج ہوئی اور مشتہر ہوچکی ہے۔ لوگوں کے تعجب اور حیرت کی کوئی انتہا نہیں۔ چنانچہ ایک وکیل صاحب نے کہا۔ کہ جب سے یہ خبر سُنی ہے۔ کہ میں اپنے آپکو صبح اُٹھتے ٹو لیتا ہوں۔ لیکن تحقیقات سے معلوم ہُوا ہے۔ کہ خالصہ کالج کے پروفیسروں اور طالب علموں کو کچھ پتہ نہیں۔ کہ لڑکا کون ہے۔ اور کس جماعت کا ہے۔ اور کوئی ہے بھی یا نہیں۔ اور اس وقت تک وہ کامل یقین کے ساتھ اس رموزہ کی تصدیق نہیں کرسکے:

برہما کا آئندہ نصاب تعلیم

برہما کو آج کل باعتبار سیاسی ہندوستان سے علیحدہ کیا جارہا ہے۔ ہمیں اس وقت اس مسئلہ کی بحث سے تعلق نہیں۔ کہ یہ ملک ہندوستان ہی کے ساتھ رہنا چاہیے تھا یا علیحدگی اس کے لئے مفید ہوگی۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ ہندوستانیوں اور برہمیوں کے تعلقات و روابط کسی اعتبار سے بھی ان تعلقات و روابط سے کم نہیں ہیں۔ جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ برہما میں بے شمار مسلمان آباد ہیں۔ جن کے سیاسی مذہبی اور اقتصادی تعلقات ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ ان کے علاوہ ہندوستان کے ہر صوبے کے باشندے برہما میں پائے جاتے ہیں۔ اور اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ اس صوبے میں تقریباً دس لاکھ ایسے انسان بستے ہیں۔ جو اُردو کے بولنے اور سمجھنے پر قادر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود برہما کے محکمۂ تعلیم نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ مارچ ۱۹۳۲ء سے وہاں کے نصاب تعلیم سے اردو اور فارسی کو خارج کردیا جائیگا:

جس حالت میں بوجہ مذہب کے برہمیوں کی خاطر حکومت نے پالی جیسی زبان کو نصاب میں شامل کر رکھا ہے۔ حالانکہ وہ آج

دنیا میں بالکل مُردہ سمجھی جاتی ہے: اور اس کی اہمیت صرف اتنی ہے۔ کہ بودھوں کا قدیم مذہبی لٹریچر اسی زبان میں ہے ہم نہیں سمجھتے۔ کہ غیر بودھ لوگوں کی زبان سے یہ سنگدلانہ رویّہ کیوں برتا جا رہا ہے۔ فارسی اپنے عظیم الشان ماضی کے علاوہ آج بھی ایشیا کے متعدد ممالک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اور ایشیائی علم اور کلچر کا بہت بڑا ذخیرہ اسی زبان میں موجود ہے۔ علاوہ بریں زبان اردو مسلّمہ طور پر ہندوستان کی قومی زبان ہے: اور خود برہما میں لاکھوں انسان اپنے کاروبار اپنی تحریر و تقریر اور اپنے مذاکرات و مکالمات میں اسی زبان سے کام لیتے ہیں۔ پھر خدا جانے برہما کے محکمہ تعلیم کے اربابِ اختیار ان دونوں زبانوں کو جو ایشیا کے تقریباً تمام ممالک سے برہما کا تعلق قائم رکھنے کا باعث ہیں۔ نصاب تعلیم سے کیوں خارج کر رہی ہے:

اس "نیشنلزم" کا بُرا ہو۔ جو روز بروز دنیا کے رہنے والوں کے درمیان اجنبیت وغیریت کی ناقابلِ نفوذ دیواریں کھڑی کر رہی ہے۔ اور اسی لعنت کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ آج برہما کے مسلمانوں میں بھی "ہندوستانی مسلم" اور "برہمی مسلم" کی تفریق پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن ان "دونوں قسم کے مسلمانوں" کو واضح ہونا چاہیئے۔ کہ ان کی اس تفریق سے اغیار فائدہ اُٹھا کر انہیں برباد کر دینا چاہتے ہیں۔ اگر ان کو زندہ رہنا ہے۔ تو سب سے اوّل مسلمان بنیں اور متحدہ طور پر اردو اور فارسی کے بقاء و استحکام کے لئے کوشش کریں۔ ورنہ چند ہی سال میں ان کے بچے پالی اور برہمی زبانوں کی کتابوں کے سوا اور کچھ نہ پڑھ سکیں گے۔ اور ایشیائی اور اسلامی شائستگی کا جو عظیم الشان ذخیرہ اردو اور فارسی کی کتابوں میں موجود ہے۔ وہ تمام برہمی مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا۔ اور وہ اپنے مذہب اور اپنے تمدن سے بیگانہ ہو جائیں گے:

مسئلہ بلوچستان اور مسلم کانفرنس

ایک مقامی اخبار میں ایک صاحب ہاشم خاں غلزئی نے آل انڈیا مسلم کانفرنس کو بلوچستان کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مطالبہ کیا ہے۔ کہ مسلمان اپنے سیاسی مطالبات میں بلوچستان کے پسماندہ اسلامی علاقے کو ہرگز فراموش نہ کریں۔ اور اپنے آئندہ اجلاس لاہور میں بلوچستان کے چند نمایندوں کو بھی شامل ہونیکا موقع دیں:

صاحب موصوف کا مطالبہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس کے جواب میں علی العموم یہی کہا جاتا ہے۔ کہ جب بلوچستان کے باشندے بالکل خاموش ہیں۔ نہ کسی اسلامی سیاسی تحریک میں حصہ لیتے ہیں۔ نہ اپنے حقوق آئینی کا اظہار کرتے ہیں۔ تو پھر دوسروں کا ان کے لئے چیخنا چلانا "مدعی سست اور گواہ چست" کا مصداق ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ جواب کچھ بہت زیادہ اطمینان بخش نہیں۔ کیونکہ انگریز نے بلوچستان کے باشندوں پر ایک مستقل سا مارشل لا عاید کر رکھا ہے۔ جس کے ماتحت وہ غریب سیاسی تحریک میں حصہ لینا تو درکنار اپنی تعلیم کا انتظام بھی نہیں کر سکتے۔ اور وہاں تعلیم و تربیت اطفال یا اصلاح و ترقی کی تحریکات بھی شبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے:

اگرچہ بلوچستان کا معاملہ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے بنیادی مطالبات میں شامل ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ اسی صوبے کو

اصلاحات دینے کا مطالبہ اب تک کسی نے بھی منظور نہیں کیا۔ اگر فی الحال بلوچستان میں آئینی ادارات کا قیام مشکل ہے۔ تو کم از کم اکابر قوم کو اتنا تو انتظام کرنا چاہئے۔ کہ بلوچستان کے باشندوں پر روشن خیالی سے حکومت کی جائے۔ مثلاً بلوچستان کے ہر مقام پر اسلامی انجمنیں قائم کی جائیں۔ جو مقامی ضروریات کی تکمیل کے علاوہ مسلمانان ہند کی معاشرتی۔ اقتصادی اور علمی تحریکات میں بھی حصہ لیں۔ عوام میں تعلیم پھیلانے کا بندوبست کریں۔ ان کی رسوم قبیحہ کا انسداد کریں۔ ان کو خدا اور رسولؐ کے احکام سنائیں اور ان کی جہالت، تاریک خیالی اور ضعیف الاعتقادی کو کسی نہ کسی طرح دور کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ یہ صوبہ بھی جلد سے جلد اسلامی ہندوستان کا ایک طاقتور حصہ بن جائے۔

ہماری رائے میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس دہلی میں بلوچستان کا مسئلہ ضرور پیش ہونا چاہئے۔ اور اس کے مطابق غور و خوض کر کے ترقی کی عملی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔

مسلمانوں کی رواداری

نواب سر محمد ذوالفقار اللہ خاں بہادر ہوم ممبر صوبہ متحدہ نے مالوی جی کے ہمراہ ہندو یونیورسٹی بنارس کا ۱۸ فروری کو معائنہ کیا۔ اور وہاں کی سادہ طرز زندگی کو دیکھ کر بطور اظہار خوشنودی دس ہزار روپیہ نقد عطا فرمایا اور معذرت طلب کی۔ کہ اس سے دس گنا زیادہ دینے کی خواہش تھی۔ لیکن بحالت موجودہ اسی عطیہ کو قبول کئے جانے کی استدعا کرتا ہوں۔ اس سے قبل وزیر آباد کے رئیس بابو غلام حسن صاحب بھی مختلف ہندو و سکھ انسٹی ٹیوشنوں کو مدد دے چکے ہیں۔ اور بھی کئی ایسے مخیر ہیں جن کے نام ہمیں معلوم نہیں ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں میں مراد آباد کے راجہ کشن کمار علی گڈھ کو اور گجرات کے رئیس رائے بہادر لالہ کدار ناتھ انجمن اسلامیہ گجرات کو معقول مدد دے چکے ہیں۔ اور اب بھی بلاتفریق مذہب و ملت اہل علم کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ اگر اس قسم کے روادارانہ عطیہ جات عام ہو جائیں۔ اور ہندو مسلمان اور مسلمان ہندوؤں کے قومی کاموں میں مدد دیا کریں۔ تو اس قسم کے عطیہ جات کا فضا کے درست کرنے پر بڑا اثر ہو سکتا ہے۔

محکمہ ڈاک و تار

محکمہ ڈاک و تار کی سالانہ رپورٹ بابت ۳۳-۱۹۳۲ء سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس سال محکمہ ہذا کو ۷ کروڑ ۵۰ لاکھ دو ہزار ۱۷۳ روپے کی آمدنی ہوئی۔ اور خرچ ۸ کروڑ ۱۳ لاکھ ۵۸۳ روپے ہوا۔ گویا سال گذشتہ کے مقابلہ میں ۶۲ لاکھ ۹ ہزار ۲۱۲ روپے کا خسارہ رہا۔ اسی خسارہ کی بنیاد پر کارڈوں اور لفافوں اور رجسٹری وغیرہ کی قیمتوں میں زیادتی اور تنخواہوں میں کمی کی گئی ہے۔ ہوائی جہازوں کے ذریعہ اس سال ۱۰ لاکھ ۶ ہزار اشیاء باہر بھیجی گئیں۔ محکمہ ہذا کی پوسٹل ورکشاپ علی گڈھ کو اس سال ۸ ہزار روپے کا خسارہ رہا۔ ڈیڈ لیٹر آفس میں ۸۸ لاکھ ۳ ہزار اشیاء آئیں۔ اور ان میں سے ۴۴ لاکھ کی مالیت کے نوٹ ہنڈیاں اور چیک وغیرہ نکلے اور ۹ کروڑ ۶۰ لاکھ روپے کے ٹکٹوں والے لفافے مختلف خزانوں میں بھیجے گئے۔ بیمہ پارسلوں اور خطوط کی تعداد جو ڈاکخانوں کے ذریعہ بھیجے گئے۔ ۵۲ لاکھ ۹ ہزار ۲۷ تھی۔ اور ان کی قیمت ۱۴۳۸ ¾ کروڑ تھی۔ منی آرڈروں کی رقم ۴۰ کروڑ ۶۰ لاکھ۔

اور شکایات کی تعداد ۹۷۲،۱۲ تھی۔ اور ڈاک لوٹنے کی سال بھر میں ۲۴ وارداتیں تھیں۔

وائسرائے ہند کا قابلِ تعریف تدبّر

نئی دہلی ۲۴ فروری مسئلہ برار کے متعلق مختلف افواہیں پھیل رہی ہیں۔ لیکن باخبر حلقوں میں دریافت سے معلوم ہوا ہے کہ اعلیحضرت نے حکومت ہند کو اس بات پر رضامند کر لیا ہے۔ کہ وہ برار واپس کر دے گی۔ اور وہ سلطنت آصفیہ کا اسی طرح ایک خود مختار صوبہ ہوگا جس طرح برطانوی ہند کے دیگر صوبے حکومت برطانیہ کے ماتحت ہوں گے اور وہاں وہی نظام اساسی نافذ ہوگا۔ جو دیگر برطانی صوبوں میں آئندہ اصلاحات کے رُو سے نافذ ہوگا۔ چنانچہ برار کے گورنر کا تقرر اعلیحضرت ظل سبحانی حضور نظام کے حکم سے ہوا کرے گا۔ اور وہ اعلیحضرت ہی کا ملازم متصور ہوگا۔ امید ہے کہ اس انتظام سے صوبہ برار کی واپسی کا مسئلہ بھی طے ہو جائیگا۔ اور ان لوگوں کو بھی کوئی شکایت نہ ہوگی جو خواہ مخواہ سلطنت آصفیہ سے اس کے الحاق کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ خیال ہے کہ اس تصفیہ کا باقاعدہ اعلان اسی وقت ہوگا۔ جبکہ جدید اصلاحات کا اعلان کیا جائیگا۔ تاہم اگر یہ خبر صحیح ہے۔ تو حکومت ہند نے برار کو واپس کر کے یقیناً ہندوستان کے ۷ کروڑ مسلمانوں کی خواہشات کو پورا کر دیا۔ اور وہ یقیناً حکومت کے ممنون ہوں گے۔ خیال ہے۔ کہ اعلیحضرت ظل سبحانی کی سواری جمعہ کی شام کو دہلی سے رام پور جائیگی۔ جہاں ذات شاہانہ کا ایک دن قیام ہوگا۔ اس کے بعد لکھنؤ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمائیں گے۔

ریاست دیتا اور حضور نظام

اس سے قبل بھی جب اعلیحضرت حضور نظام دکن دہلی تشریف لائے تھے تو ریاست دیتا کو ان کی میزبانی کا فخر حاصل ہوا تھا۔ اس مرتبہ بھی ۱۳ فروری کو شاہزادگان اعظم جاہ بہادر (ولیعہد) اور شاہزادہ معظم جاہ بہادر دیتا تشریف لائے۔ ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر معہ نائب دیوان سٹیشن پر خیر مقدم کے لئے موجود تھے۔ ولی عہد بہادر حضور مہاراجہ صاحب سے بہ خندہ پیشانی بغل گیر ہوئے۔ نواب قاضی سر عزیز الدین احمد صاحب دیوان نے بھوانی پیلس میں شاہزادگان اور شاہزادیوں کا استقبال کیا۔ ڈنر کے بعد رات کے ۱۲ بجے شاہزادگان دہلی روانہ ہوگئے دوسرے دن یعنی ۱۴ فروری کو پانچ بجے شام کے خود اعلیحضرت دیتا تشریف لائے۔ سٹیشن پر مہاراجہ صاحب اور سر قاضی عزیز الدین احمد دیوان اور قاضی امیر الدین احمد نائب دیوان کے علاوہ سرداران ریاست بھی موجود تھے۔ ۲۱ توپ کی سلامی سر ہوئی۔ اعلیحضرت نے مہاراجہ بہادر سے معانقہ فرمایا۔ شاہی محل میں ٹی پارٹی کا انتظام تھا۔ وہاں حضور نظام نے سرداران وحکامان دیتا کو شرف باریابی بخشا۔ ڈنر کے بعد ٹھیک ۹ بجے شب کے شہریار دکن سپیشل میں سوار ہو کر دہلی کو روانہ ہوگئے۔ مہاراجہ بہادر کے اقبال اور نواب قاضی سر عزیز الدین احمد صاحب دیوان کے حسن انتظام سے یہ تقریب بخیر وخوبی انجام کو پہنچی۔

ارمغانِ طور

بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

(انا نور من نور اللہ والخلق من نوری - حدیث شریف)

ابرِ غم ویرانۂ امکاں پہ تھا چھایا ہوا   خود اندھیرا زیست سے اپنی تھا اکتایا ہوا
ایک سناٹے کا عالم تھا خموشی تھی بپا   آب و باد و نار و گل پنہاں ابھی تھے کچھ نہ تھا
منظرِ وحشت تھا سونا تھا ۔ بیابانِ ازل   آشنا روئیدگی سے تھا نہ میدانِ ازل

تھیں نہ اشیاء اور نہ تھا ان میں مذاقِ زندگی
تھا نگاہوں سے ابھی پنہاں براقِ زندگی

یک بیک تاریک بادل کا لفافہ پھٹ گیا   یعنی روئے شاہدِ قدرت سے پردہ ہٹ گیا
نورِ ذاتِ بیچگوں خلوت میں عریاں ہو گیا   دم کے دم میں انجمن کا ساز و ساماں ہو گیا

نورِ احمد رونما نورِ احد سے ہو گیا
میم کے پردے میں آ کر نازنیں خود ہو گیا

لمعہ افگن جب ہوا خورشیدِ نورِ مصطفےٰ   مرحبا! صلِّ علیٰ! ہنس کر اب کُن نے کہا
خندۂ کن سے گلِ گلزارِ گیتی کھل پڑے   اللہ اللہ کیا صدا تھی جو جمادی ہل پڑے
بحر و بر، خورشید و ماہ، ارض و فلک پیدا ہوئے   آدمی، حیواں، شجر، حور و ملک پیدا ہوئے

کون سی شے وجہِ تخلیقِ بنی آدم ہوئی
موجبِ پیدائشِ ہژدہ ہزار عالم ہوئی

ماجرا صبحِ ازل کا ہمنشیں کیونکر کہوں   آسماں کی بات میں اہلِ زمیں کیونکر کہوں
کیا کہوں تجھ سے ہوئی کیونکر نمودِ زندگی   کس طرح پر ہے وجودِ ہست و بودِ زندگی
ذاتِ مطلق کو نمائش عشق کی منظور تھی   پردۂ سرِّ ازل میں بات یہ مستور تھی
الفتِ محبوب کے اظہار میں ہستی ہوئی   آفرینشِ شش جہات و رفعت و پستی ہوئی
عشق سے موجود یہ اسم و مسمّیٰ ہو گئے   اہلِ جاں ذراتِ بیجان و مجزّے ہو گئے

حسن و عشق و حزن اس الفت کی کیفیات ہیں

نور آشام رموزِ حق یہی لمعات ہیں

اے حسینِ دوجہاں! اے طالب و مطلوبِ حق! ۔۔۔ اے حسینِ دوجہاں! اے راغب و مرغوبِ حق

اے کہ تو ہر دوسرا کا باعثِ ایجاد ہے ۔۔۔ اے کہ تو کون و مکاں کا موجبِ بنیاد ہے

اے کہ تو سرتا بپا نورِ خدائے پاک ہے ۔۔۔ اے کہ تو مسند نشینِ منصبِ لولاک ہے

اے کہ تو ہے مشعلِ تابندۂ انوارِ حق ۔۔۔ اے کہ تو ہے خازنِ گنجینۂ اسرارِ حق

اے کہ تیری ذات ہے شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ! ۔۔۔ اے کہ تیری ذات ہے نور الہدیٰ کہف الوریٰ

اے کہ تیری ذات ہے تاجِ سرِ صاحبدلاں ۔۔۔ اے کہ تیری ذات ہے اکلیلِ فرقِ عارفاں

اے کہ تیری ذات ہے سرِ لشکرِ پیغمبراں ۔۔۔ اے کہ تیری ذات ہے سرخیلِ جمعِ عاشقاں

اے کہ تیری ذات ہے ماہِ شب افروزِ جہاں ۔۔۔ اے کہ تیری ذات ہے مہرِ سپہرِ لامکاں

اے کہ تیری ذات ہے قندیلِ بزمِ کن فکاں ۔۔۔ اے کہ تیری ذات ہے شمعِ سرِ میدانِ جاں

اے کہ تیری ذات ہے بادہ گسارِ جامِ لا! ۔۔۔ اے کہ تیری ذات ہے ماحیِ نقشِ ماسوا

اے کہ تیری ذات ہے شہبازِ کوہِ لا الٰہ! ۔۔۔ اے کہ تیری ذات ہے شاہینِ مرغانِ سما

اے کہ تیری ذات ہے دانندۂ رازِ جلی! ۔۔۔ اے کہ تیری ذات ہے علامِ اسرارِ خفی

اے کہ تیری ذات ہے زخمہ زنِ سازِ دلے ۔۔۔ اے کہ تیری ذات ہے آئینۂ شانِ خدا

خوب حق تو نے ادا حق کی رسالت کا کیا

پاس اچھا تو نے پیمانِ اطاعت کا کیا

تیرے نعروں سے بنائے شرک متزلزل ہوئی ۔۔۔ گر کے پیوندِ زمیں اصنام کی منزل ہوئی

تیرے ڈر سے گمرہی و کفر کا ایواں گرا ۔۔۔ ہاتھ سے انساں کے جامِ بادۂ بطلاں گرا

تیری آہِ گرم سے خاشاک اور خس جل گیا ۔۔۔ یعنی خرمن گاہِ اوہام و وساوس جل گیا

تو سبق آموزِ جگ میں حرفِ وحدت کا ہوا ۔۔۔ طے ہدایت سے تری عرفان کا رستہ ہوا

ماسوائے حق کو تو نے خوب مستاصل کیا ۔۔۔ جان کو جاں آفریں کی ذات سے واصل کیا

یوں ہوا تجھ سے طلسمِ موبد و راہب ہوا ۔۔۔ جس طرح خورشید سے فی رنگ و روئے شب ہوا

تیری برکت سے ہوئی تجدیدِ پیمانِ ازل ۔۔۔ نقشِ لوحِ دل ہوا مضمونِ فرمانِ ازل

راہِ دوراں میں تو شمعِ رہنمائی دھر گیا ۔۔۔ نام روشن ملتِ بیضا کا جگ میں کر گیا

کشتِ خشکِ دہر کو سیراب تو نے کر دیا ۔۔۔ کیا سخا تھی موتیوں سے منہ خزف کا بھر دیا

چشمۂ فیضان جاری تیرا صبح و شام ہے ایک عالم تیرے میخانہ کا دردآشام ہے

تا ابد خمخانۂ عرفاں کا تو ساقی رہے

غم دلِ مسلم میں تیرے عشق کا باقی رہے

جب تلک یارب! چراغِ مہر و مہ میں نور ہے جب تلک ظلمت ربائی نور کا دستور ہے

جب تلک فانوس تن میں شمع جاں مستور ہے روح کا ساغر شرابِ عشق سے معمور ہے

استعارہ کفر کا جب تک شبِ دیجور ہے استعارہ نور ایماں کا ضیائے طور ہے

بول بالا دہر میں نام محمد کا رہے

دور جاری بزم میں جامِ محمد کا رہے

غلام محمد طور۔ ایم۔ اے

دریا بہ حباب اندر

برداز رُخ پردہ تا کے بہ نقاب اندر درعزم سفر دارم من پا بہ رکاب اندر

تو اولیٰ و آخر تو ظاہری و باطن گرداب بود دریا دریا بہ حباب اندر

من اند شدم مظہر ظاہر تو شدی از من چو رنگ زگل پیدا مستی بشراب اندر

جسم است بجاں قائم جان ہست بہ او دائم معنی است بہر لفظے لفظے بہ کتاب اندر

دل سیر نمیگردد از یک دو قدح ساقی دہ غوطہ مرا ہیہم در خسم شراب اندر

در عہد جوانی ہم ممکن نہ بود عیشے پوشیدہ ہمے بینم پیری بشباب اندر

عنقاست قوی ذاتش مشہور جہاں نامش

جوئندہ ازاں باشد تشنہ بسراب اندر

قوی ناروی

حقیقتِ حج

"لیشہدوا منافع لھم ویذکروا اسم اللّٰہ فی ایام معلومات"

تمام مذاہب عالم میں اسلام کی ایک مابہ الامتیاز خصوصیت یہ ہے۔ کہ اس نے تمام عبادات و عقاید اور اعمال کا ایک مقصد معین کیا۔ اور پھر اس مقصد کو نہایت صراحت کے ساتھ ظاہر کر دیا ہے،

چنانچہ آیت عنوان میں اللہ پاک نے جن فوائد و منافع کو حج کا مقصد قرار دیا ہے۔ ان سے اجتماعی و اقتصادی منافع مراد ہیں یعنی بیان کیا گیا ہے۔ کہ حج کا مقصد اصلی یہ ہے۔ کہ لوگ اپنے اپنے فوائد کو حاصل کریں۔ اور اس کے ساتھ ہی چند مخصوص دنوں میں خدا کو یاد کر لیا کریں"۔ یہ حج کا ایک ایسا اہم مقصد تھا۔ کہ ابتدا میں جب صحابہ کرام نے دینی مقاصد کے منافی سمجھ کر اسے بالکل چھوڑ دینا چاہا۔ تو خدائے بزرگ و برتر نے ایک خاص آیت نازل فرمائی :۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ

اگر زمانہ حج میں تجارتی فوائد حاصل کرلو۔ تو اس میں مذہب کا کوئی نقصان نہیں،

قرآن پاک کا انداز خطاب ہر چند کہ نازک ترین اشارات و بلاغت معنوی کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ مگر اس کا عام طرز کلام یہ ہے کہ وہ جزئیات سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتا۔ اس کی توجہ ہمیشہ عام اور اہم ترین باتوں کی طرف رہتی ہے،

اس بنا پر خداوند تعالےٰ نے جس قسم کی تجارت کو حج کا مقصد قرار دیا۔ اور اس کی ترغیب و حوصلہ افزائی کی۔ وہ حقیقۃً عرب کی اقتصادی و تمدنی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ تھا۔ اور اس کی حالت موجودہ میں ایک بالکل نئی تبدیلی پیدا کر دینے کا حامی تھا۔ کا سبب کہ عرب ایک بادیہ نشین و بدویت پسند قوم تھی۔ تاہم معاش کی ضرورتوں نے اس کو تمدن کی ایک مہتم بالشان شاخ یعنی تجارت کی طرف ابتداہی سے ملتفت کر دیا تھا۔ قریش کا قافلہ عموماً شام وغیرہ کے اطراف و اکناف میں مال لیکر جاتا تھا۔ اور ان غیر متمدن لوگوں نے وہاں کے رہنے والوں سے مستقل تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ خود مکہ معظمہ کے متصل عکاظ اور ذوالمجاز وغیرہ متعدد بازار لگتے تھے۔ اور وہ حج کے زمانہ میں اچھی خاصی منڈی بن جاتے تھے۔ اس طرح اہل عرب کو پھر نفس تجارت کی طرف متوجہ کرنے کی بظاہر چنداں ضرورت نہ تھی۔ لیکن اسلام جو عظیم الشان و عالمگیر مدنیت پیدا کرنے کا مدعی تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا۔ کہ عنقریب اسلام کا آفتاب حجاز کی پہاڑیوں سے بلند ہو کر تمام بحر و بر پر چمکنے والا ہے۔ پس وہ ایک وسیع مسلم بین الملی تجارت کا تحریک قیام تھا اس کی گرم بازاری کے لئے عکاظ اور ذوالمجاز و ذوالمجنت کی وسعت کافی نہ تھی۔ وہ دنیا کی تمام متمدن قوموں کی طرح مسلم تجارت بین الاقوام کا سلسلہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ اہل عرب میں جس قسم کی تجارت اور جس قدر پیمانے پر موجود تھی۔ وہ تو ہر حالت میں اور ہر طرح محفوظ و قائم رکھی جا سکتی تھی۔ اور جاری تھی۔ البتہ تجارت بین الملی کا سلسلہ قیام امن و اجتماع جمہور تحریک عمل و بسط عدل پر موقوف

تھا۔ ان پیش پا افتادہ اصول وحالات کو ملحوظ رکھ کر "لیس علیکم جناح ان یبتغوا فضلا من ربکم" میں اللہ پاک نے سب کچھ بیان کر دیا

اب جناب پھر ایک مرتبہ آیت صدر پر نظر ڈالیں۔ یہ جو کہا گیا ہے۔ کہ حج کا اصلی مقصد یہ ہے۔ کہ لوگ اپنے اپنے فوائد کو حاصل کریں۔ اور اس کے ساتھ چند مخصوص دنوں میں خدا کو یاد کر لیا کریں۔ اس اجمال کی ایک اقتصادی تفصیل وہ تھی۔ جو اوپر مختصراً بیان کی گئی۔ لیکن اس تصریح و توضیح کے علاوہ قرآن شریف کا ایک طرز خطاب اور بھی ہے۔ جو صرف طبقہ خواص کی قوت تفہیم و تفہم سے متعلق ہے۔ قرآن پاک کا عام انداز بیان یہ ہے۔ کہ وہ جن مطالب کو عام طور پر ذہن نشین کرنا چاہتا ہے۔ یا کم از کم یہ کہ ایسے مسائل جو ہر شخص کی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ وہ ان کو تو نہایت سادے اور کھلے ہوئے الفاظ میں بیان کر دیتا ہے۔ لیکن جن مطالب کے مخاطب خواص ہوتے ہیں۔ تو ان کو وہ بلیغ اشارات و کنایات میں ادا کرتا ہے۔ تمام کلام مجید میں حقائق و معارف کے لئے اللہ پاک نے یہی انداز اختیار کیا ہے۔ جس سے عوام و خواص بہ اندازہ وقوف و قابلیت بہرہ اندوز ہوتے ہیں؛

لاریب کہ سفر حج مسلمانوں کی ترقیوں کے تمام مراحل کا مجموعہ ہے۔ اس کے ذریعہ مسلمان تجارت کر سکتا ہے۔ علمی تحقیقات کر سکتا ہے۔ جغرافی اور سیاسیات علیہ کے بے شمار فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور وہ مختلف مسلمان قوموں کے تمدن و تہذیب سے آشنا و خبردار ہو سکتا ہے۔ آپس میں ارتباط و علائق بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور اشاعت مذہب و تبلیغ حق کا فرض الٰہی بھی انجام دیا جا سکتا ہے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ہماری ساری دینی اصلاح و ہدایت بندگی و سعادت کے لئے وہی ایک مرکز ہے۔ نمائش مادیات سے الگ ہماری تمام روحی ترقیات کا وہ سنگ بنیاد ہے۔ وہاں سے ایک حقیقی مسلمان جماعت امت مسلمہ پیدا ہوئی؛

حج کے مقصد اولین کو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے اس طرح بیان کیا ہے۔ "ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم"؛

خدایا! ہم کو اپنا فرماں بردار بنا۔ ہماری اولاد میں سے اپنی ایک امت مسلمہ پیدا کر۔ اور اگر ہم سے اس فرماں برداری میں کوئی لغزش ہو۔ تو اس کو معاف فرما۔ تو بڑا مہربان اور معاف کرنے والا ہے؛

جس قالب میں قومیت کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ اس میں دو قوتیں نہایت شدت سے عمل کرتی ہیں (۱) آب و ہوا (۲) اور مذہب؛

ہر چند کہ آب و ہوا اور حدود ارضیہ کے اثرات طبعیہ قومیت کے تمام اجزا کو نہایت وسعت سے محیط ہوتے ہیں۔ اور ان کے حلقہ اثر میں کوئی دوسری قوم داخل نہیں ہو سکتی۔ لیکن مذہب کا حلقہ اثر نہایت وسیع ہوتا ہے۔ وہ ایک محدود قطعہ ارضی پر اپنا عمل نہیں کرتا۔ بلکہ دنیا کے ہر حصے کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دیتا ہے۔ اگر گرد آب و ہوا کا جنوں خیز و وحشت انگیز تصادم اپنے ساحل پر کسی غیر قوم کو آنے نہیں دیتا۔ تو مذہب کا ابر کرم اپنے سایہ میں تمام دنیا کو لے لینے کا مدعی ہے؛

جناب ابراہیم علیہ السلام جس عظیم الشان قوم کا خاکہ تیار کر رہے تھے۔ اس قوم کا مایۂ خمیر تو صرف مذہب تھا۔ اس کی روحانی ترکیب تو مادیات کی آمیزش سے بالکل پاک تھی۔ جماعت قائم ہو کر اگرچہ ایک محسوس مادی شکل پیدا ہو جاتی ہے لیکن در حقیقت

اس کا نظام ترکیبی تو تمامہ روحانیت کے تابع تھا۔ پھر کوئی تعجب نہیں۔ کہ ایسی جماعت اگر عموماً اپنے مجموعۂ اعتقادات کو مجسم طور پر دنیا کے فضائے بسیط میں دیکھنا چاہے۔ اور یا پھر اس کے ذریعہ اپنی قومیت کے قدیم عہدِ مودت کو تازہ کرنے کی خواہشمند ہو۔ اسی واسطے ان خلوص و صداقت سے معمور دلوں نے اس جدید سعادتِ قومیت کے ظہور و تکمیل کے لئے ایک مقدس اور وسیع آشیانہ تیار کیا۔

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

"اور جب حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیاد ڈال رہے تھے۔ تو یہ دعا ان کی زبان پر تھی۔ خدایا! ہماری اس خدمت کو قبول کر لے۔ تو دعاؤں کا سننے والا اور نیتوں کا جاننے والا ہے۔"

ہاں یہ صرف سنگ و خشت کا مرتب کیا ہوا ایک ڈھیر نہ تھا۔ یہ معمولی اینٹ اور پتھروں کا ایک گھر نہ تھا۔ بلکہ ایک روحانی جماعت کے قالب کا آب و گل تھا۔ جو بنا اور بن کر رہا۔ اور جب یہ قصرِ قومیت تیار ہو گیا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آخری وصیت کے ساتھ اس روحانی سررشتہ تعلیم و حیات کو امتہ مسلمہ کے حوالہ کر دیا۔ بعد میں امتدادِ طالع و نحوستِ مقدر سے بڑی حد تک ہم نے اس مبارک تعلیم کو پسِ پشت ڈال دیا۔ گو اس کی تربیت نشو و نما کا عہدِ گزشتہ اب تک دستبردِ زمانہ سے بچا ہوا تھا اور اہلِ عرب اپنی آغوشِ حفاظت میں مقدس آثار و روایات کا ایک وسیع ذخیرہ رکھتے تھے۔ مگر خدائے واحد کی پرستش کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اس کے اندر اب تک زمزم لہریں لیتا تھا۔ صفا اور مروہ کی چوٹیاں ابھی تک بلند تھیں۔ مذبحِ اسمٰعیلؑ ابھی تک مذہب کے گرم خون سے رنگین تھا۔ حجرِ اسود ابھی تک بوسگاہِ خلق تھا۔ مشاعرِ ابراہیمؑ اب تک قائم تھے وسعتِ عرفات میں کوئی اختصار و تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ یہ سب کچھ موجود تھا۔ مگر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی تعلیمات نہ تھیں۔ اہلِ عرب نے ہرچند کہ اس تعلیم و ہدایت کو بھلا دیا تھا۔ مگر اس مبلغِ توحید نے خانہ کعبہ کے کنگرے پر چڑھ کر تمام دنیا کو جو دعوت دی تھی۔ اس کی صدائے بازگشت اب تک عرب کے در و دیوار سے آ رہی تھی۔ باطل سرائیوں کے ہنگامِ لایعنی میں حقیقت نوازیوں سے انسان محروم رہ جاتا ہے۔ اور اس بری طرح جب سچ جھوٹ ملا ڈالا جائے۔ تو خطرناک ہے قبائلِ عرب میں ابھی تک حج کی رسم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت سمجھ کر اگرچہ زندہ تھی۔ مگر بدعات و اختراعات کی آمیزش سے حقیقت کو بالکل چھپا ڈالا تھا۔

خدا نے اپنے گھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قیام کی اجازت صرف اس شرط پر دی تھی۔ کہ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ لیکن خدا کا اب یہ گھر تین سو ساٹھ بتوں کا مرکز بن گیا تھا۔ اور خدا کی بجائے انہیں کا طواف ہوتا تھا۔

خدا نے حج کا یہ مقصد قرار دیا تھا۔ کہ دنیاوی فوائد کے ساتھ خدا کا ذکر قائم کیا جائے۔ لیکن یہ اب صرف آباؤ اجداد کے کارنامہائے فخر و غرور کے ترانے گائے جانے کی جگہ ہو گئی تھی۔ حج کا ایک مقصد یہ تھا۔ کہ انسانوں میں مساوات قائم کی جائے اس واسطے تمام عرب بلکہ ساری دنیا کو اس کی دعوتِ عام دی گئی۔ اور سب کو وضعِ لباس وغیرہ سے متحد کیا گیا۔ لیکن

قریش کے غرور و فضیلت نے اپنے لئے بعض امتیازات وضع کر لئے۔ جو اصول مساوات کے بالکل منافی تھے۔ مثلاً تمام عرب عرفات کے میدان میں قیام کرتا تھا۔ لیکن قریش مزدلفہ سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ اور یہ عذر رکھتے تھے۔ کہ ہم متولیان حرم محترم ہیں۔ ہم حرم سے باہر نہیں جا سکتے۔ قریش کے سوا عرب کے سارے مرد و زن برہنہ طواف کرتے تھے۔ ستر عورت کے ساتھ وہی لوگ طواف کر سکتے تھے۔ جن کو قریش کی طرف سے کپڑا ملتا تھا۔ اور قریش نے اس کو بھی اپنی اظہار سیادت کا ایک ذریعہ بنا لیا تھا۔

عمرہ گویا حج کا ایک مقدمہ یا جزو حج تھا۔ لیکن اہل عرب ایام حج میں عمرہ کو سخت گناہ سمجھتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ جب حاجیوں کی سواری کی پشت کے زخم مندمل ہو جائیں۔ اور صفر کا مہینہ گذر جائے۔ تب عمرہ جائز ہو سکتا ہے۔

حج کے تمام ارکان و اجزاء میں یہودیانہ رہبانیت کا عالمگیر دور دورہ ہو گیا تھا۔ اپنے گھر سے پا پیادہ حج کرنے کی منت ماننا۔ جب تک حج ادا نہ ہو جائے۔ خاموش رہنا۔ قربانی کے اونٹوں پر سوار نہ ہونا۔ ناک میں نکیل ڈالکر جانوروں کی طرح خانہ کعبہ کا طواف کرنا۔ ایام حج میں گھر کے اندر دروازے کی راہ سے داخل نہ ہونا۔ بلکہ پچھواڑے کی طرف سے دیوار پھاند کر آنا اور دیوار پر قربانی کے جانوروں کے خون کا چھاپا لگانا۔ عرب کا شعار ہو گیا تھا۔

اسلام درحقیقت دین ابراہیمی کی حقیقت کی تکمیل تھی۔ اس لئے وہ ابتدا ہی سے اس حقیقت گمشدہ کی تجدید و احیاء میں مصروف ہو گیا تھا۔

اسلام کا مجموعہ عقاید و عبادات صرف توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج سے مرکب ہے۔ لیکن ان تمام ارکان میں حج ہی ایک ایسا رکن ہے جس سے اس تمام مجموعہ کی ہیئت ترکیبی مکمل ہوتی ہے۔ خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جن کلمات کے ذریعہ آزمایا۔ اور جن کی بنا پر انہیں دنیا کی امامت عطا ہوئی۔ وہ اسلام کے اجزاء اولین یعنی توحید قربانی، نفس و جذبات، صلوٰۃ الٰہی کا قیام اور معرفت دین فطری کے امتحانات تھے۔

اسلام جب منظر عام پر آیا۔ تو سب سے پہلے اپنے باپ کے موروثی گھر کو ظالموں کے ہاتھ سے لینا چاہا۔ اور بتدریج جن مراحل روحانی سے گذرنا ضرور تھا۔ گذرا۔ چنانچہ غار حرا سے نکلتے ہی سب سے پہلے توحید کا غلغلہ بلند کیا۔ اور رفتہ رفتہ تمام بدعتوں کا قلع و قمع کر کے اس گھر کو "آن لا یشرك بی شیئا" کی شرط کے مطابق شمع وحدت سے منور کر دیا۔

اس صدائے حقیقت نواز پر تمام عرب نے لبیک اور ارکان حج میں جن بدعات و مخترعات کا رنگ چڑھ گیا تھا۔ وہ ایک ایک کر کے چھڑایا گیا۔ اب آبا و اجداد کے کارناموں کی مرثیہ خوانی کی جگہ توحید کے راگ الاپے جانے لگے۔ قریش کے تمام امتیازات مٹا دیئے گئے۔ اور تمام عرب کے دوش بدوش ان کو بھی عرفات کے ایک گوشہ میں کھڑا کیا گیا۔ اور سب سے بدترین رسم جو برہنہ طواف کرنے کی رائج ہو گئی تھی۔ اور مردوں سے زیادہ حیا سوز نظارہ عورتوں کے طواف کرنے کا تھا۔ اس کی ایک سال قبل ہی ممانعت کر دی گئی تھی۔ زمانہ حج میں عمرہ کرنے والوں کو فاسق و فاجر کہا جاتا تھا۔ آنحضرت صلعم نے

حجۃ الوداع میں عمرہ کا ہی احرام باندھا۔ اور صحابہ کو بھی عمرہ کا حکم دیدیا۔ پاپیادہ خاموش حج کرنے کی ممانعت کردی۔ قربانی کے جانوروں پر سوار ہوجانے کا حکم دیدیا۔ ناک میں رسی ڈالکر طواف کرنے سے روک دیا گیا۔ اور گھروں میں گھر کے دروازوں سے داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ اور قربانی کی حقیقت بتائی گئی۔ کہ وہ ایثار نفس اور جان وروح کی فدویت کے اظہار کا ایک طریقہ ہے۔ قربانی کا خون اور گوشت خدا تک نہیں پہنچتا۔ خدا تو خالص نیتوں اور پاک صاف دلوں کو دیکھتا ہے؛

جب یہ چھلکے اتر گئے۔ تو مغز ہی مغز باقی رہ گیا۔ اب وادیٔ مکہ منظر میں وہ عجیب وغریب، دوقدیم وجدید منظر روحانی نمایاں ہوگئے۔ ایک ایک جانب زمزم شفاف سطح پر لہریں مار رہا ہے۔ اور دوسری طرف جدید فدویت کا دریائے خلوص موجیں لیتا ہے؛

اب حق پھر پھر کے اپنے حقیقی مرکز پر آگیا۔ اور اسلام کے مورث اول نے دنیا کی ہدایت وارشاد کے لئے جس نقطہ سے پہلا قدم اٹھایا تھا۔ بیٹے کے روحانی سعی سفر کی وہ آخری منزل ہوگئی؛

لبیک! لبیک! اللھم لبیک! لاشریک لک لبیک! اللہ اکبر اللہ اکبر، لاالہ الا اللہ واللہ اکبر! اللہ اکبر ولله الحمد!

خلیق دہلوی

التماس

جن برادران گرامی کا سال خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ اور جن بھائیوں کی خدمت میں "چندہ بھیجدیا جائے گا" کے وعدہ پر رسالہ جاری ہے۔ وہ وی۔ پی کا انتظار نہ کریں۔ اور زرچندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا کر مشکور کریں۔ بصورت دیگر دفتر کو مطلع کردیں۔ تاکہ اس پر عمل کیا جائے؛

جن برادران کے اسمائے گرامی سفارش جنوری کے رسالہ میں سال ۱۹۳۲ء کے نئے خریداروں میں درج کئے گئے تھے۔ افسوس ہے۔ کہ ان کا زرچندہ آج تک موصول نہیں ہوا۔ اور باوجود یاددہانیوں کے وہ خاموش ہیں۔ بحالیکہ معاملہ ایک طرف لگا دینا ضروری ہے۔

پس یہ آخری التماس ہے۔ کہ اگر وہ تین روپے سالانہ یا چار آنہ ماہوار کا بھی قومی ضروریات کے لئے ایثار نہیں کر سکتے۔ اور رسالہ مفت لینا ہی بہترین قومی خدمت سمجھتے ہیں۔ تو صاف الفاظ میں واضح کردیں ورنہ ہم افسوس کے ساتھ ان کا نام معاونین کی فہرست سے خارج کرنے کے لئے مجبور ہونگے؛

مینیجر

بصائر و عبر

ننگ خاندان

(از حضرت اکبر حیدری)

برکت اللہ فطرتاً ذہین تھا خاندانی آسودگی نے امداد کی ۔ اور اس نے بی ۔ اے کی ڈگری دیکھتے ہی دیکھتے حاصل کرلی ۔ کالج کی تعلیم سے فارغ ہوکر گورنمنٹ آف انڈیا کے "اسٹاف سلیکشن بورڈ" کا امتحان دیا ۔ تقدیر نے یاوری کی ۔ اور برکت اللہ فسٹ ڈویژن میں پاس ہوگیا ۔ دو تین ماہ کے انتظار کے بعد دو ڈھائی سو روپیہ ماہوار کی ملازمت مل گئی ۔ لڑکیوں کی کثرت اور شریف النفس نیک لڑکوں کی قلت نے ایک اعلےٰ خاندان میں شادی کرادی ۔ اور برکت اللہ نے علمی زندگی کو رخصت کرکے عملی دنیا میں قدم رکھا ۔ اطمینان اور آسودگی نے دین و دنیا کے افکار سے نجات دلادی دوست احباب پیدا ہونے لگے ۔ معقول آمدنی نے بے ضرورت اخراجات کو لبیک کہا ۔ اور بہت سے ایسے خرچ جن کی نہ ضرورت تھی ۔ نہ اہمیت ۔ خود بخود پیدا کرلئے ۔ شوہر کے یہ رنگ دیکھ کر بیوی کو بھی نام و نمود اور آرائشوں کا شوق پیدا ہوا ۔ عطر ۔ تیل کی جگہ سینٹ ۔ ہزلین ۔ سنو ۔ آئی سلما ۔ اور انطور اکریم استعمال ہونے لگی ۔ قیمتی صابن مہیا کئے گئے ۔ ہر قسم اور ہر رنگ کے پوڈر حاصل کئے گئے ۔ کنگھی کے ساتھ ساتھ برشوں کا اضافہ ہوا ۔ کوئلہ کے منجن اور مسواک کے بدلے ٹوتھ برش اور ٹوتھ پیسٹ منگایا گیا ۔ دہلی کی قیمتی جوتیاں "اولڈ فیشن" کہ کر پھینکدی گئیں ۔ وارنش کے سلیپر اور کورٹ شو ان کی جگہ پر نظر نواز ہوئے ۔ لباس میں بھی ترمیم ہوئی ۔ برکت اللہ کے کوٹ پتلون کے ساتھ بیگم صاحبہ کی ساڑھیاں ۔ پیٹی کوٹ اور پولکوں کی فرمائشیں دی جانے لگیں ۔ اور نتیجہ یہ ہوا ۔ کہ تنخواہ سے زیادہ اخراجات پیدا ہوگئے ۔

(۲)

برکت اللہ کے والدین کا گذارہ جائداد کی آمدنی پر منحصر تھا ۔ اگرچہ یہ رقم بہت مختصر تھی ۔ مگر کچھ تو اس وجہ سے کہ اس کے والدین بے حد کفایت شعار تھے ۔ اور کچھ اس سبب سے کہ برکت اللہ کے زمانہ میں ان کے اخراجات کم تھے ۔ وہ اس قابل تھے ۔ کہ برکت اللہ کے تعلیمی اخراجات کو برداشت کرسکیں ۔ مگر اب برکت اللہ کی طرف سے بےفکر ہوجانے کے بعد ان کے پیش نظر تین لڑکوں اور دو لڑکیوں کی تعلیم تھی ۔ جن کی تکمیل کیلئے انہیں برکت اللہ کی امداد کی ضرورت تھی ۔ انہیں امید تھی ۔ کہ برکت اللہ اپنے اخلاقی اور مذہبی فرض کا احساس کرکے اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کی تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ ہوگا ۔ مگر برکت اللہ نے کبھی یہ احساس اپنے دل میں پیدا ہی نہ ہونے دیا ۔ بلکہ جب اس کے والد نے اس مسئلہ پر اپنے خیالات ظاہر کئے ۔ تو اس نے سکوت اور خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ دیا ۔ اور جب بزرگوار نے خطوط میں یاد دہانی اور سخت نگاری اختیار کی ۔ تو صاحبزادے نے خط و کتابت بھی بند کردی ۔ یہ کشیدگی اس قدر بڑھی ۔ کہ بڑے میاں نے تمام عمر برکت اللہ کی صورت نہ دیکھنے کا عہد کرلیا ۔ ادہر بڑی لڑکی جوان ہوئی ۔ مگر تعلیم کی کوتاہی کی وجہ سے کسی اچھی جگہ رشتہ نہ ہوسکا ۔ مجبوراً بڑے میاں نے اس کی شادی ایک درزی سے کردی ۔ جس کی آمدنی صرف اتنی تھی ۔ کہ وہ مشکل سے اپنے اور اپنی بیوی کے لئے آسودگی اور اطمینان مہیا کر

سکتا تھا - اسی اثنا میں ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا - اور باقی دو سرمایہ نہ ہونے کی بنا پر اپنے بہنوئی کی دکان پر خیاطی سیکھنے لگے ؛

(۳)

اس واقعہ پر دس سال گزر گئے - برکت اللہ کے والدین کا انتقال ہو گیا - دونوں بھائی جوان ہو کر باقاعدہ دوکانیں سنبھال کر بیٹھ گئے - اور خاندانی جائداد جو لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کے موقعوں پر رہن رکھی جا چکی تھی - سود در سود کی منزلیں طے کرنے کے بعد نیلام ہو چکی - مگر اس تمام عرصہ میں برکت اللہ نے وطن کی صورت نہ دیکھی - جن بھائی بہنوں کی دستگیری کرنا برکت اللہ کے نزدیک جرم تھا - وہ خود جوان اور آسودہ حال ہو کر زندگی گذار رہے تھے - مگر امداد باہمی کا قائل برکت اللہ سب کی ہمدردیوں سے بے نیاز ہو کر خود ہمدردی سے محروم ہو چکا تھا نہیں - بلکہ وہ اپنے بھائی بہنوں سے ملنا اپنی توہین جانتا تھا - اس کے خیال میں ایک تعلیم یافتہ گریجوایٹ کلرک کا ایک درزی کو بھائی اور ایک درزی کی بیوی کو بہن کہنا بڑی بےعزتی اور بے وقاری کی بات تھی - اسے اپنے بھائی کو بھائی اور بہن کو بہن کہتے ہوئے شرم آتی تھی - اور وہ اپنی اس سبکی کا باعث خود کو نہیں - بلکہ اپنے والدین کو سمجھتا رہا - اور یہی وجہ ہے - کہ اس نے تلافیٔ مافات کی کوئی کوشش نہ کی ؛

(۴)

عشق و محبت کی منزلیں - دنیا و مافیہا سے بے خبر رہ کر گذر گئیں - تمام وہ غیر ضروری اخراجات جو ابتدا میں محض طبیعت کی امنگ اور تنخواہ کی زیادتی کی وجہ سے اختیار کئے گئے تھے - اب ضروری اور ناقابل مفر ثابت ہوئے - برکت اللہ کی زندگی اب وہ زندگی نہ تھی - جو ابتدا میں انجام اور نتائج سے بے خبر گذر رہی تھی - اب اس کی تنخواہ دو ہستیوں کی زندگی کی ضامن نہ تھی - بلکہ دس سال میں چار بچوں کا اور اضافہ ہو گیا تھا - گو اس کی تنخواہ میں بتدریج ترقی ہوتی رہی - مگر اخراجات دگنے ہو گئے تھے - اور مہینے کے آخری دنوں میں تو اسے جسم و جان کو یکجا رکھنے کے لئے قرض کی ضرورت پڑتی تھی - اب ہر ہر قدم پر اسے اپنی ابتدائی فضول خرچیوں کا احساس ہوتا - اور وہ ہمیشہ یہ عہد کرتا - کہ آئندہ ماہ سے وہ ضرور کچھ نہ کچھ پس انداز کر لیگا - مگر اس کی تمام کوششیں بے سود اور اس کے تمام ارادے بے ثبات ہوتے جو عادتیں راسخ ہو چکی تھیں - ان کا ترک کرنا گویا فطرت سے جنگ کرنا تھا - جس میں ہمیشہ اسے شکست ہوتی - سب سے چھوٹا بچہ دو سال کا تھا - اور اس کی پیدائش کے وقت سے بیگم برکت اللہ کچھ نسوانی شکایات میں مبتلا ہو گئی - محدود ذرائع کے مطابق علاج کیا گیا - مگر رفتہ رفتہ مرض ترقی کرتا گیا - اور اب وہ وقت آ گیا - کہ بڑے بڑے قیمتی سونے کے اور جڑاؤ زیورات بہت کم قیمت پر فروخت ہوئے - اور علاج معالجہ کی نذر کر دیئے گئے -

(۵)

بیوی کی علالت - بچوں کی پرورش - تعلیم و تربیت کا خیال یہ سب افکار برکت اللہ پر کچھ اس طرح پڑے - کہ اس کے ہوش و حواس گم ہو گئے - تموّل - عزت اور تعلیمی غرور خاک میں مل گئے - اور اب اسے اس غلطی کا اعتراف کرنا پڑا - جو اس نے ابتدا میں بھائی بہنوں اور والدین کے حقوق کے متعلق کی تھی - مگر اب وقت گذر چکا تھا - اور تلافی کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی - ان تمام سلوکوں کے بعد بھی اس کی

چھوٹی بہن نے اپنی محبت اور خلوص کا حق ادا کیا۔ اور وہ اپنے شوہر سے اجازت لے کر بھائی اور بھابی کی خدمت گذاری کے لئے آ موجود ہوئی۔ مگر اس خدمت گذار بہن کی خدمت بھی کچھ زیادہ مفید نہ ثابت ہوئی مشیت ایزدی کا ناطق فیصلہ صادر ہو گیا۔ اور برکت اللہ نے اپنے ہاتھوں سے اپنی بیوی کو سپرد خاک کیا۔ اس صدمہ سے اس کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اور اس کی صحت رخصت ہو گئی۔ اب اس کی زندگی کا مقصد اگر کچھ ہے۔ تو وہ اسی قدر کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم و تربیت دے۔ اور اپنے اخراجات میں تخفیف کر کے اپنی اولاد کے مستقبل کے لئے کچھ اثاثہ بنائے۔ اب اس کی آمدنی کا چوتھا حصہ اخراجات کی نذر ہوتا ہے۔ اور تین حصہ بنک میں جمع ہوتا ہے ؛

عبرت

آہ کس قدر خطرناک ہیں وہ مصیبتیں جو ہماری ذرا ذرا سی لغزشوں کا نتیجہ ہیں۔ اسلام کی زرّیں تعلیم کو پس پشت ڈال کر جو نقصانات ہم اٹھا رہے ہیں۔ وہ اظہر من الشمس ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہماری آنکھیں بند ہیں۔ اور ہم ایک گمراہ مسافر کی طرح راہ راست کو چھوڑ کر تباہ و پریشان ہیں۔ جس طرح برکت اللہ کی تعلیم و تربیت اس کے والدین نے کی تھی۔ اسی طرح اگر وہ بھی اپنے فرائض کا احساس کر کے اپنے بھائی بہنوں کی امداد کرتا۔ تو اسے یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ "سرمایہ" کی طاقتوں سے ناواقف مسلمان اگر تھوڑی دیر کے لئے ان لایعنی اور گمراہ خواہشوں پر غور کریں۔ تو انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ ان کا بیجا اسراف نہ صرف ان کا۔ ان کے خاندان کا بلکہ تمام ملک و ملت کی تباہی کا ضامن ہے۔ اگر برکت اللہ تمام وہ روپیہ جو شوقینیوں کی نذر ہوا۔ اپنے خاندان کی تعلیم و تربیت پر خرچ کرتا۔ تو ایک دن اس کے بھائی امداد کرتے۔ اس کے دست و بازو بنتے۔ اور اس اولاد کی تربیت اور تعلیم میں حصہ لیتے ؛

دہلوی "دین و دنیا" پر ڈگری

دہلی سے رسالہ دین و دنیا جن مقاصد عظمیٰ کے لئے شائع ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک غالباً یہ بھی ہے کہ جلب منفعت کے لئے تعلیم اسلام کو پس پشت ڈال کر دوسروں کے حق پر غاصبانہ تصرف کیا جائے۔ چنانچہ "دین و دنیا" کے اجارہ دار اس مقصد کو بوجہ احسن انجام دینے میں بڑے ماہر ہیں۔ انہوں نے اپنے کئی معاصرین کا حق دھوکہ سے غصب کیا۔ عہد کرنے اور پاس وفا کے لئے آنکھیں پھیر لینے میں وہ بڑے مشاق واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ہی کئی معاصرین کے حق پر ہاتھ صاف کئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امرتسر کی عدالت مطالبہ خفیفہ سے ان کے خلاف یکم مارچ گذشتہ کو ڈگری ہو گئی۔ پرچہ ڈگری اور دیگر کارروائی کی تفصیل آئندہ شائع کی جاوے گی ؛

استقلال و دیانتداری

ایک سچّی سرگذشت

(از پروفیسر محمد اکبر خان صاحب حیدری)

بہت سی مصیبتیں۔ تکلیفیں اور حادثے جو انسان سے دست و گریباں رہتے ہیں۔ درحقیقت انسان کی فلاح اور بہبود کا پیام ہیں۔ اگر انسان ہمت اور استقلال سے ان کا مقابلہ کرے۔ "انیس الرحمان" کی والدہ کے انتقال کے بعد شیخ حبیب الرحمان نے دوسری شادی کر لی۔ اور صرف یہی ایک واقعہ جو باپ کی خانہ آبادی کا باعث تھا۔ بیٹے کی بربادی کا ضامن ٹھیرا۔ عزت آرا بیگم۔ شیخ حبیب الرحمان کی نئی بیوی اور انیس الرحمان کی سوتیلی ماں جس قدر حسین و جمیل تھی۔ اسی قدر بد مزاج۔ مسرف اور ناعاقبت اندیش۔ انیس الرحمان کی عمر سولہ سترہ سال کی تھی۔ اور وہ مڈل کا امتحان پاس کر چکا تھا۔ کہ اس کی تعلیمی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی چشم پوشی اس کے لئے ایک مصیبت تھی۔ ناقابل برداشت۔ آخر ایک دن ایسی حالت میں جب سرکشی اور انحراف اس کی رگ رگ میں سرایت کر چکے تھے۔ اس نے گھر کی محدود دنیا کو خیرباد کہدیا۔ دنیا کے نشیب و فراز اس کے سامنے تھے۔ اور ہمت اور استقلال اس کے محافظ۔ وطن چھوڑنے کے بعد وہ کچھ عرصہ اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ آخر دہلی نے اسے اپنے دامن میں جذب کر لیا۔ مستقبل کی تاریک تصویر اس کے پیش نظر تھی۔ اور جسم و جان کی یکجائی محنت طلب۔ جب تمام کوششیں ناکام ہو چکیں اور نان شبینہ کے حصول کا کوئی ذریعہ پیدا نہ ہوا۔ تو اس کی ہمت اور مجروح خودداری مزدوری کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ اس نے ایک نیا مکان تعمیر ہوتے ہوئے دیکھا۔ اور مالک مکان سے امداد کا طالب ہوا۔ آٹھ آنے روز پر رکھ لیا گیا۔ ادنےٰ درجہ کے مزدوروں کی معیت میں اینٹیں اور گارہ اٹھانے لگا۔ دو ڈھائی آنے روز سے زیادہ اس کا خرچ نہ تھا۔ اس لئے وہ پانچ چھ آنے روز پس انداز کرنے لگا۔ دو تین مہینے وہ اسی طرح مزدوری کرتا رہا۔ اب اس نے سیونگ بینک میں حساب کھول لیا تھا۔ اب اس کے پاس پچیس تیس روپے کا اثاثہ پس انداز ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی کل کائنات ایک کھدر کی چادر اور ایک انگریزی کتاب تھی۔ اس کا نہ کوئی گھر تھا۔ نہ آرام گاہ۔ جس جگہ مزدوری کرتا۔ وہیں سو رہتا۔

(۲)

حاجی عبد العلی صاحب ایک نہایت خدا ترس اور پابند صوم صلوٰۃ بزرگ تھے۔ ان کا کاروبار و تجارت کی کامیابی انہیں ایک بڑے اثاثہ کا مالک بنا چکی تھی۔ حاجی صاحب نے قرول باغ میں کچھ زمین خرید کر ایک کوٹھی کی تعمیر شروع کرا دی۔ اسی تعمیر کے سلسلہ میں انیس الرحمان جو مزدوروں کے دائرہ میں "رحمانی" کے نام سے موسوم ہو چکا تھا۔

حاجی صاحب کی نظروں کے سامنے آیا۔ اس کی صورت شکل اور عادات و اطوار میں خدا جانے حاجی صاحب کو کیا نظر آیا۔ کہ وہ اس کے حالات سے دلچسپی لینے لگے۔ جب حاجی صاحب کو یہ معلوم ہوا۔ کہ رحمانی "اچھی خاصی اردو لکھ پڑھ سکتا ہے۔ اور تھوڑا بہت حساب کتاب بھی جانتا ہے۔ تو انہوں نے اسے مزدوروں وغیرہ کی حاضری لینے پر اور آنے والے سامان کا حساب کتاب رکھنے پر مقرر کر دیا۔ دونو وقت کا کھانا اور پچیس روپے ماہوار دینے لگے۔ گذشتہ دو سال میں اس کے پاس دوڈھائی سو روپے سیونگ بنک میں جمع ہو چکے تھے۔ اور اب وہ پورے پچیس روپے ماہوار جمع کرنے لگا۔ حاجی صاحب اس کی دیانت داری اور جفاکشی سے بہت متاثر ہوئے۔ اور انہوں نے تعمیر ختم ہوجانے پر اسے دوکان کے کاروبار میں لگا لیا۔ یہاں اس کی ذہانت استقلال اور دیانتداری کے تمام پہلو حاجی صاحب پر ظاہر ہوئے۔ اور انہوں نے ہر طرح اس کی ہمت افزائی کی طرفین ایک دوسرے سے مطمئن تھے۔ اور ایک دوسرے پر پورا بھروسہ کرتا تھا۔ اس لئے انیس الرحمان نے اپنے تمام اثاثہ اور سیونگ بنک کی رقم کا تذکرہ حاجی صاحب سے کر دیا۔ حاجی صاحب اس اظہار اعتماد پر بہت خوش ہوئے۔ اور ایک دن انہوں نے اس سے اس کے خاندانی حالات دریافت کئے۔ انیس الرحمان نے اس سوال کے جواب میں بڑی احتیاط سے کام لیا۔ اور بہت معمولی حالات جن کا تعلق اس کی ذات سے تھا۔ بتا دیئے۔ اسی زمانہ میں حاجی صاحب کے ایک عزیز بیکار ہو کر حاجی صاحب سے امداد کے طالب ہوئے۔ حاجی صاحب کی دوراندیش فہم اور فراست نے امداد باہمی کے اصول کو پیش نظر رکھا۔ انیس الرحمان کی رقم بنک سے نکلوا کر اپنے عزیز امین الدین کو مشترکہ کاروبار جاری کرنے کے لئے دلا دی۔ انیس الرحمان کو شریک سرمایہ دار اور امین الدین کو شریک کارکن قرار دیا۔ اور منافع مساوی تقسیم کرنے کا فیصلہ کر دیا۔

(۳)

اِدھر "مسلم ٹریڈنگ کمپنی" جو انیس الرحمان کے سرمایہ سے اور امین الدین کی جدوجہد سے جاری ہوئی تھی۔ پوری کامیابی سے چلتی رہی اور اس کا سرمایہ روزافزوں منزلیں طے کرتا رہا۔ ادھر حاجی صاحب نے انیس الرحمان کو اس کی محنت اور دیانت کی وجہ سے اپنا مختار الکل بنا دیا۔ اب اس کی تنخواہ سو روپے ماہوار اور کل اخراجات حاجی صاحب کے ذمہ تھے۔ ہر سہ ماہی پر دوکان کا خرچ اور آمدنی کا حساب لگایا جاتا۔ چونکہ امین الدین اپنے ذاتی اخراجات کے لئے دوکان سے سو روپے ماہوار لیتے رہتے تھے۔ اس لئے انیس الرحمان کی تنخواہ اور دوکان کا منافع سب اس کے سرمایہ میں اضافہ کرتا رہا۔ اور اب اس کا ذاتی اثاثہ کئی ہزار روپے کی صورت میں موجود تھا۔ حاجی صاحب انیس الرحمان کی اس کامیابی سے بے حد خوش اور مسرور تھے۔ اس کا اخلاق اور اس کی دیانت داری نے حاجی صاحب کے دل پر ایسے عمیق نقش قائم کئے تھے۔ کہ وہ اسے کسی طرح بھی اپنے سے جدا نہ ہونے دیتے تھے۔ اور ان کی دلی آرزو یہ تھی۔ کہ اپنی سرپرستی میں کہیں اس کی شادی کر دیں۔ نہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ وہ اپنی تنہا نور نظر زبیدہ بیگم سے اس کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ مگر برادری کی قیود اور قومیت کی پاسداری سے مجبور تھے۔ اور اب تک یہی پس وپیش تھا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے ہر اس نسبت اور ہر اس پیام کو جو زبیدہ کے متعلق برادری سے پیش ہوتا تھا۔ نظرانداز کر دیا تھا۔ وہ آمادہ تھے۔ کہ قومیت اور برادری کی تمام ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال کر محض اسلامی تعلیم کی پیروی کریں۔ مگر ان کی بیوی اس آزاد خیالی میں ان کی ہم آہنگ نہ تھی۔ اور اپنی برادری کے ناقص سے

ناقص انسان کو انیس الرحمان سے افضل اور بہتر خیال کرتی تھی۔ یہ جدوجہد جاری تھی۔ کہ مشیت ایزدی کو جو ہر پہلو سے انیس الرحمان کی ہمت استقلال اور دیانت کا امتحان لے چکی تھی۔ اس کے حقوق کا احساس ہوا۔ اور ایسے سامان فراہم ہونے لگے۔ جو انیس الرحمان کی اس آخری کامیابی کے معاون ہوں۔ حالانکہ انیس الرحمان بذاتِ خود حاجی صاحب کی اس "بندہ نوازی" سے بے خبر تھا۔ اور اسے اپنی مصروفیتوں میں کبھی یہ خیال بھی نہ ہوا۔ کہ مشیت ایزدی اس کی تقدیر کا ناطق فیصلہ کن واقعات میں پوشیدہ کر چکی ہے۔

(۴)

اب انیس الرحمان کی عمر چھبیس سال کے قریب ہو گئی تھی۔ اب وہ نحیف و ناتواں بچہ نہیں تھا۔ جس نے گھر سے نکلکر عملی دنیا میں قدم رکھا تھا۔ بلکہ اب وہ ایک تو انا تندرست اور مکمل جوان ہو چکا تھا۔ ڈاڑھی مونچھ نکل آئی تھی۔ شباب و صحت نے خط و خال میں ایک نمایاں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اور اب ہر وہ شخص جس نے اسے بچپن کے زمانے میں دیکھا تھا۔ اسے پہچاننے سے معذور تھا۔ ایسی حالت میں جب وہ ایک دن دوکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ ایک صاحب اندر آئے۔ اور حاجی صاحب کو دریافت کیا۔ نووارد انیس الرحمان کے والد حبیب الرحمان تھے۔ باوجودیکہ زمانہ نے ان کے بالوں کو سپید کر دیا تھا۔ اور صورت میں تبدیلی ہو چکی تھی۔ بیٹے نے باپ کو پہچان لیا۔ مگر باپ اپنے گم شدہ بیٹے کو جو اب بالکل تبدیل ہو چکا تھا۔ نہ پہچان سکا۔ انیس الرحمان کے تمام جسم میں ایک نئی لرزش پیدا ہوئی۔ سراسیمگی اور پریشانی ایک طرف اور مسرت بے پایاں دوسری طرف اس کے ہوش و حواس پر طاری ہو گئی۔ اس کی زبان بند ہو گئی۔ مگر اس نے اپنی حالت پر قابو حاصل کیا۔ اور سوالات کے جواب دیئے۔ حاجی صاحب کو زنانے میں اطلاع کرائی گئی۔ اور وہ باہر تشریف لائے۔ حاجی صاحب حبیب الرحمان سے بغلگیر ہوئے۔ اور دوکان کے اس کمرے میں جو حاجی صاحب کے لئے مخصوص تھا۔ لے گئے۔ انیس الرحمان کے لئے ہر لمحہ ایک ساعت بن کر گذرا۔ اس کے خیالات مختلف ارادوں اور امیدوں کے درمیان پریشان پھرتے رہے۔ وہ ان تعلقات کے جاننے کے لئے جو حاجی صاحب اور اس کے والد کے درمیان تھے۔ نہایت بے چین تھا۔ کبھی وہ ارادہ کرتا تھا کہ اپنے آپ کو اپنے والد کے قدموں پر ڈال کر اس قصور کی معافی حاصل کرے۔ جو بغیر اطلاع گھر چھوڑنے میں کیا تھا۔ کبھی وہ یہ فیصلہ کرتا۔ کہ نہیں ابھی خاموش رہنا چاہیئے۔ وہ انہیں خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ کہ ایک ملازم نے آکر اطلاع دی۔ کہ حاجی صاحب بلا رہے ہیں۔

(۵)

انیس الرحمان اپنے خیالات پر قابو حاصل کرتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اور مولوی صاحب نے جو ہمیشہ انیس الرحمان کو "منشی جی" کہا کرتے تھے۔ ایک کاغذ دیتے ہوئے کہا۔ منشی جی۔ اس ہنڈی کے روپے جلد منگوا دیجئے۔ انیس الرحمان نے ہنڈی لے لی۔ مگر اس کی گھبراہٹ جو اس کے چہرے کے تغیرات میں نمودار ہو رہی تھی۔ اس کی پردہ پوشی نہ کر سکی۔ حاجی صاحب نے پوچھا منشی جی۔ کیا معاملہ ہے؟ اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟ اس سوال کے جواب میں انیس الرحمان کے قدم لڑکھڑائے۔ اور اس کے آنسو جاری ہو گئے خون نے جوش مارا۔ اور وہ اپنے والد کے قدموں پر گر پڑا۔ حاجی صاحب نے اور حبیب الرحمان نے اسے اٹھایا اور

واقعہ دریافت کیا۔ تمام حالات ظاہر ہو گئے۔ باپ نے بیٹے کو پہچان کر سینے سے لگایا۔ حاجی صاحب کے بھی آنسو نکل آئے اور انہوں نے بھی انیس الرحمان کو سینے سے لگایا۔ اب معلوم ہوا۔ کہ انیس الرحمان کی والدہ مرحومہ حاجی صاحب کی چھوٹی بہن تھیں۔ ماموں بھانجے نم آلودہ مسرت سے پھر بغلگیر ہوئے۔ حاجی صاحب بہنوئی اور بھانجے دونوں کو لیکر زنانے میں گئے۔ اس حقیقت کے ظاہر ہونے پر تمام خاندان میں مسرت اور شادمانی کی حکومت ہو گئی۔ فوراً تمام ضروری مرحلے طے کئے گئے۔ اور زبیدہ کا نکاح انیس الرحمان سے کر دیا گیا۔ حاجی صاحب کو اپنی نیک نیتی کا اجر ملا۔ اور زبیدہ منزل کی تعمیر میں کام کرنیوالا مزدور آج اپنی ہمت استقلال دیانتداری اور حسن اخلاق کی وجہ سے زبیدہ اور زبیدہ منزل دونو کا مالک اور سرتاج ہے ؁

گلِ عقیدت

مولانا محمد رضی صاحب نبیرۂ سرکار نجم العلماء کی وہ نظم جو اعلیحضرت کی تشریف آوری کے موقع پر مولانائے ممدوح نے پڑھی:

بریں جاہ و شرف نازم کہ آمد ظلِ سبحانی
بفرشِ گیتی ما در صدف چوں درِ نیسانی

بریں نازم کہ آمد خسرو ملکِ دکن اینجا
سرِ بازار ما آمد مثیلِ ماہ کنعانی

شدم محو تماشا در جمال روئے زیبائش
کجا تقدیر من بینم جمال شاہ عثمانی

دمیدہ روح تازہ در تنم از جود بے پایاں
زباں بستہ ز فرط خرمی و مدح سلطانی

الٰہی بر سر ما سایہ افگن تا ابد ماند
بایں دارائی کسریٰ بایں جاہ سلیمانی

خیر مقدم

لسان الملک مولانا صفیؔ نے ورودِ لکھنؤ پر ذیل کی نظم پڑھی

والی ملکِ سخن خسروِ اسلام پناہ! میر عثمان علی شاہ دکن آصف جاہ
آپ کے موکب اجلال کی آمد سُنکر لکھنؤ تھا ہمہ تن صورت دل چشم براہ
ذرے خورشید جہاں تاب پہ ہیں چشمک زن کہ ہوئے آکے یہاں سایہ فگن ظل اللہ
تھا کبھی دید کے قابل یہ دیار آباد ایک عبرت کدہ ہے اب تو کہ حالت ہے تباہ
کبھی اُردوئے معلےٰ کا دبستاں تھا یہی قدر ہوتی تھی ادیبوں کی یہاں خاطر خواہ
ہیں یہیں دفن شہنشاہ سخن میر انیسؔ غفلت قوم پہ خود مقبرہ جنکا ہے گواہ
چشم حق بیں سے ہو جب اور مقامات کی سیر دیکھ لیں اس کو بھی خدام حضور ایک نگاہ
وہ زمیں جس میں ہے گنجینۂ معنی پنہاں خیمہ زن خانہ خرابی ہے وہاں شام پگاہ
حال اُردو بھی اسی طور سے ہوتا ابتر دیتے حضرت نہ اگر دامن دولت میں پناہ
ملک و دولت پہ ہیں شاہانہ ہزاروں احساں امن خلق ہے اس وقت یقیناً در شاہ
حق تو یہ ہے کہ سلاطین اولوالعزم میں آج دوسرا ایسا نہیں بادشہ حق آگاہ
وہ معارف میں تبحر کہ نہیں جس کی حد دل وہ عرفاں کا سمندر کہ نہیں جس کی تھاہ
فرو ہیں سادگی وضع میں اعلیٰحضرت نہیں مطلق سر آرائش دستار و کلاہ
رات دن ملتفتِ زینت و زیبائی ملک اور ملحوظ نظر اپنی رعیت کی رفاہ
حامیٔ عدل و مساوات بپابندی شرع سالک مسلک پاکیزۂ محبوب اِلٰہ
حکمراں آپ دلوں پر ہیں زبانوں پہ نہیں کون وہ دل ہے کہ جس دل میں نہ ہو آپکی جاہ
مل گیا شکر ہے پھر حضرت والا کو برار کامیابی ہوئی اس مسئلہ میں خاطر خواہ
یونہیں کل خاطر اقدس کی مرادیں بر آئیں بار اِلٰہا بطفیل حسنین ذی جاہ

شاہ کو نظم صفیؔ پڑھ کے سنا دے کوئی
ہدیۂ پیر کہن سال گدائے سر راہ

مدوجزر تہذیب

انسان طبعاً داستانوں اور فسانوں کو پسند کرتا ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے۔ کہ خود اس کی داستان اس قدر دلچسپ معنی خیز اور حیرت انگیز ہے۔ کہ تخیل کی آورد اس سے لگا نہیں کھا سکتی۔ بہت کم اشخاص ہیں جنہوں نے کبھی اس مضمون کی طرف توجہ کی ہو۔ کیونکہ ہر زمانے ہر عہد اور ہر دور میں یہی سمجھا جاتا ہے۔ کہ دور حاضرہ ہی ازمنہ قدیم سے زیادہ زریں۔ زیادہ مہذب اور زیادہ متمدن ہے۔ ہم اپنی موجودہ حالت کی بلندی پر کھڑے قرون اولیٰ کی تہذیب اور شائستگی پر مضحکہ آمیز نگاہیں ڈالتے ہیں۔ اور متقدمین کی کوششوں کو ہیچ اور ان کی لیاقتوں کو پوچ خیال کرتے ہیں۔ لیکن تاریخ اور آثار قدیمہ پر عمیق نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہمارا یہ تبختر یہ غرور اور یہ ناز خودستائی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ آثار ماضیہ میں ان جواہر کی چمک پائی جاتی ہے جن کے دیکھنے سے ایک چکا چوند کا عالم پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ہم حیران رہ جاتے ہیں۔ کہ جن ایجادوں اور جن اختراعوں کو ہم طرۂ امتیاز بنائے پھرتے تھے۔ وہ محض متقدمین کی پامال چیزیں نکلیں۔ تھوڑے سے غور اور تفحص سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ کہ انسان اپنی تخلیق ہی کے دن سے کسی مکمل ترین تہذیب کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اور جب وہ کسی منتہائے کمال پر پہنچتا ہے۔ تو سمندر کے مدوجزر کی طرح اس کی تہذیب اور تمدن بھی رجعت قہقری کی نظر ہو جاتے ہیں۔

اس کے حالات سے تاریخ نے جس کے واقعات کے انضباط کو اپنے ذمے نہیں لیا معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان اپنے وحشیانہ تمدن میں بھی تہذیب کے لئے بے قرار تھا۔ تکالیف۔ حوصلہ شکن نقصانات۔ محیر العقول کرشمے۔ جان لیوا حیوانات۔ بلاخیز طوفانوں کے ہجوم اور ایسے قرب وجوار میں جو اس کی بے کسی کو نمایاں کر دیتے تھے۔ اس کی حیثیت ایک طفل نوزائیدہ سے زیادہ نہ تھی۔ اس زمانے سے لے کر جس کے حالات خفا میں پڑے ہیں۔ انسان منزل ترقی پر گامزن رہا ہے۔ اور اس دھیمی اور غیر مسلسل ترقی سے اس نے کئی ہزار بار اپنے آپ کو دنیا و مافیہا کا حاکم بنا لیا۔ اور وہ موجودات عالم کو اپنا غلام اور کارندہ سمجھنے لگا۔ مگر ہر قدم ترقی کے راستے پر نہیں پڑتا تھا۔ بلکہ اس ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی معکوس بھی جاری رہتی تھی۔ اور تیلی کے بیل کی طرح جہاں سے چلتا تھا وہیں واپس آ جاتا تھا۔ اور پھر اپنا سفر وحشی پن کی وادی سے شروع کرنا اس کا شعار ہوتا تھا۔ جب ہم ان حقائق پر غور کرتے ہیں۔ تو ہمارا قانون میں باریکیاں پیدا کرنا۔ نئی سے نئی ایجاد نکالنا۔ سائنس کے ذریعے دنیا کو مسخر کرنا اور تعلیم کو عام کرنا ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہ ہماری حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک نقال کی ہے۔ جو محض متقدمین کی نقلیں اتارتا ہے۔ اور اس کے افعال کو جدت اور ندرت سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بہت سی ایسی باتیں ہیں۔ جن کی ہم نقل تک اتارنے سے عاجز ہیں۔

اپنی آنکھوں کے سامنے ذرا براعظم اطلانطس کا نقشہ جما لینے۔ جو آج صدیاں گزریں نذر فنا ہو چکا ہے۔ اسی براعظم کے متعلق افلاطون

نے حکایات اور دوسرے قابل یقین اوراق پارینہ سے مجتمع کئے ہوئے حالات کی بناپر ایک ایسا بیان تحریر کیا ہے جس کے پڑھنے سے اس سرزمین اور اس زمانے کی روش اور بود و باش کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ وہ قوم جو وہاں آبادتھی۔ اعلےٰ درجے کی متمدن قوم تھی۔ جس امر کے شاہد اس کے آئین و قوانین ہیں۔ وہ لوگ خوشحال فارغ البال۔ شائستہ اور قوی الجثہ تھے۔ کیا وہ ملک تعجب خیز نہ تھا۔ جس میں ان باتوں کے علاوہ پرشکوہ محلات۔ عظیم الشان جہاز۔ وسیع سلسلہ تجارت اور لاتعداد دولت تھی۔ اس قدر بن سے اترے ہوئے زمانے میں ایسے حالات کا وجود بادی النظر میں ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض افراد اسے ایک عبرت زار افسانے سے زیادہ وقعت نہ دیں گے۔ لیکن غور کرو۔ کہ یہ کیسی متحیر کن اور دلکش تصویر ہے۔ کیا اس وقت کسی کو خیال آیا ہوگا؟ کہ یہ ملک یوں آناً فاناً معدوم ہو جائے گا۔ ایک براعظم جو وسعت میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کا ہم پلہ تھا۔ اور بلحاظ تہذیب و تمدن اس سے بھی زیادہ۔ ایک۔ رات میں تلاطم آب کی نذر ہو جاتا ہے۔ یا کسی بلاخیز طوفان کی وجہ سے سمندر کا لقمہ۔ اور ہمارے پاس اس کی گذشتہ عظمت و جبروت کی نشانی صرف ایک افسانہ رہ جاتا ہے۔ کیا وہ ایک واہمہ یا خواب تھا؟ جو اس گذشتہ زمانے کے اتنے مہیب حیوانات اور ان قوی طاقتوں کی جولانگاہ تھا۔ خوش قسمتی سے معدوم اقوام اور ان کی تہذیب کے حیرت انگیز باقیات کے شواہد کے لئے ہم صرف بے بنیاد افسانوں کے رحم پر ہی نہیں ہیں۔

زمانہ اولیٰ کی حکمت کے موجد۔ اس کو معرض ظہور میں لانے والے۔ اس کو ترقی دینے والے کون تھے۔ کیا وہ ارشمیدس تھا۔ جس نے اصول لیبرم (لیور) معلوم کیا تھا؟ مگر لیبرم تو اس سے ہزاروں سال پہلے عام طور پر مروج تھا۔ یہی حال پیچ (سکرو) اور ریاضی کا ہے مصری ان تمام اصولوں اور علوم و فنون کے ماہر تھے۔ اصول وزن مخصوص سے بھی وہ کما حقہٗ واقف تھے۔ یہ تمام امور مخروطی میناروں کے بنانے میں برتے جاتے تھے۔ اور اس امر کا ثبوت ناطق موجود ہے۔ کہ شاندار کارنامہ میں بھات سے بھی کام لیا گیا تھا۔ کیا طباعت گٹن برگ کی ایجاد تھی؟ چین میں تو ایک ایسا اخبار موجود ہے۔ جو دو ہزار سال تک باقاعدہ شایع ہوتا رہا۔ کیا دوربین گلیلیو کی ایجاد تھی؟ وسط امریکہ کے باشندے گلیلیو کی ولادت سے بہت پہلے دوربین کو جانتے تھے۔ اور نظام شمسی سے بخوبی آشنا تھے۔ یہ لوگ ماہر نجومی تھے۔ اور ان کی ایک نہایت دیرینہ تصویر اس شخص کی جستجو کا حال دکھاتی ہے۔ جو رصدگاہ پر کھڑا مشاہدات نجوم میں مصروف ہے۔ کیا فولاد انیسویں صدی کی اختراع ہے۔ لیکن فولادی اوزار چھ ہزار سال پہلے مصر کے راعی بادشاہوں کے وقت میں زیر استعمال تھے۔ کیا سیربین گلیلیو کی معلومات کا نتیجہ ہے۔ لیکن نیرو کے پاس ایک ایسا جواہر تھا۔ جس سے وہ ان سرفروش جنگجوؤں کی لڑائی کو ملاحظہ کیا کرتا تھا۔ جو شاہی نشست سے کئی سو میل پر مصروف پیکار ہوتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ مارشس کے پاس ایک ایسا شیشہ تھا۔ جس سے وہ سسلی کی ایک چٹان پر کھڑا ہو کر ساحل افریقہ کا صاف نظارہ کر سکتا تھا۔

کہا جاتا ہے۔ کہ خوردبین مرکب ۱۵۹۰ء میں جینسن نے ایجاد کی تھی۔ لیکن یہ صرف ایک ایسی ایجاد کا احیا تھا۔ جو سسرو کے وقت میں عالم ظہور میں آچکی تھی۔ بلکہ اس زبردست مفکر کے وقت سے ہزاروں سال پہلے اچھی طرح سے سمجھی جاتی تھی۔ سسرو کا بیان ہے۔ کہ اس نے الیڈ کو جو ہومر کی ایک زندہ جاوید نظم ہے۔ ایک ایسے چمڑے کے ٹکڑے پر لکھا دیکھا ہے۔ جس کو لپیٹ کر اخروٹ کے ایک چھلکے کے

اندر رکھا جا سکتا تھا۔ کیا ایسا کرشمہ خوردبین کی مدد کے بغیر ظہور میں آ سکتا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اس نظم کا اختصار اتنی محدود جگہ میں فوٹو انگریونگ کے ذریعہ کیا گیا ہو۔ ایسے اختصار اب روزمرہ ہماری نظروں سے گذرتے ہیں۔ خوردبین کے اس سے بھی پہلے مستعمل ہونے کے متعلق اور شواہد موجود ہیں۔ مصر کے ایک نہایت پرانے بادشاہ چی اوپس کی انگوٹھی میں ایک نگینہ تھا جس پر نہایت بلند پایہ دستکاری کی گئی تھی۔ لیکن جس کو چشم ظاہر دیکھنے سے عاجز تھی۔ جب اس کو ایک محدب شیشے میں سے دیکھا گیا۔ تو ایک ایسی مکمل دستکاری کا انکشاف ہوا جس کا چربہ اتارنا موجودہ وقت کے چابکدستوں کے لئے محال ہے۔ روم کے ویٹیکن میں اب بھی ہزاروں ایسے جواہرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ جن کے نقوش محدب شیشوں کی مدد کے بغیر آنکھوں سے پنہاں رہتے ہیں۔

وہ حیرت انگیز منقش جواہر جو ولادت مسیح سے صدیوں پہلے عام تھے۔ آج بڑے سے بڑے صناع سے نہیں بن سکتے۔

وینڈل فلپس کا بیان ہے۔ کہ اس کے ایک دوست کی انگوٹھی پر جو قطر میں ¾ انچ ہوگی۔ ہرقل کی برہنہ تصویر تھی۔ محدب شیشوں کی مدد سے الجھے ہوئے پٹھوں کی تمیز ہو سکتی تھی۔ اور پلکوں کا ایک ایک بال گنا جا سکتا تھا۔ قیاساً انگوٹھی تین ہزار سال قبل کی صنعت کاری کا نمونہ ہے۔ لیئرڈ اپنی معلومات نینوا کے ضمن میں بیان کرتا ہے۔ کہ پتھروں پر کھدے ہوئے نقوش اس قدر باریک تھے۔ کہ انہیں صرف اچھے طاقتور شیشوں کی مدد سے پڑھا جا سکتا تھا۔ تین ہزار سال کا عرصہ گذرا۔ سلطنت شام نابود ہو چکی ہے۔ اور اتنی بڑی قوم کی ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ کی حالت تاریخ میں ناپید ہے۔ اس کے معدوم ہو جانے کے ایک ہزار سال بعد تک اس کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ یہ اشیائے عالم کے فنا کا کیسا حیرت انگیز مرقع ہے۔ اور یہ حقیقت تہذیب حاضرہ کی خودستائیوں کیلئے کیسا زبردست تازیانہ ہے۔

فولاد کے انکشاف سے بجائے خود تاریخ کا ایک قرن شروع ہوتا ہے۔ لیکن جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ دریافت صرف ایک دیرینہ اور گم گشتہ فن کا احیا تھا۔ دمشق کی تلواروں کے پھل ایسے اعلیٰ قسم کے فولاد سے بنائے جاتے تھے۔ کہ نوک کو قبضے سے ملایا جا سکتا تھا کہ پھل پھر اپنی اصلی حالت پر عود کر آتا تھا۔ سلطان صلاح الدین (محاربات صلیبیہ کا نامور ہیرو) کے پاس ایک ایسی تلوار تھی۔ جو ہوا میں اڑتے ہوئے نرم نرم پردوں کو کاٹ کر دو حصے کر دیتی تھی۔ ہندوستان میں بھی آج سے دو ہزار سال پہلے اسی صناعی کی شمشیریں دستیاب ہو سکتی تھیں اب ان کو نہیں بنایا جا سکتا۔ یہ ایک گم گشتہ فن ہے۔ فن مصوری اس قدر پرانا ہے۔ کہ اس کی تاریخ کا پتہ چلانا ناممکن ہے۔ اس سے بھی عجیب تر امر یہ ہے۔ کہ وہ رنگ[1] جو آج سے تین یا چار ہزار سال پہلے مستعمل تھے۔ اتنے چمکیلے اور دیرپا تھے۔ کہ آج کوئی رنگساز ویسے رنگ نہیں بنا سکتا۔ نہر سویز کی تعمیر نے ڈی لیپس کا نام بہت روشن کیا۔ لیکن یہ شاندار کام ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ جب ہم اس کا مقابلہ ان انہار سے کرتے ہیں۔ جو فراعنہ مصر کے وقت میں بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم کو قائم زاویے پر ایک دوسرے سے ملحق کرتی تھیں۔ تاکہ وہ تلاطم سے محفوظ رہیں پیرو کی بڑی بڑی سڑکیں اور ٹنل۔ بولیویا۔ وینزویلا اور وسطی امریکہ کے مندر۔ نہریں۔ پکے کوچے اور خود ساختہ جھیلیں اس محیر العقول صناعی اور علم ریاضیات کے امثال ہیں۔ جن کے مقابلہ کی دور حاضرہ کے موجد اور معمار تاب نہیں رکھتے۔ (مفصل)

---

[1] ناظرین پڑھتے وقت طوطن ہامان کے مزار کو یاد رکھیں۔ جو حال ہی میں دریافت ہوا ہے۔
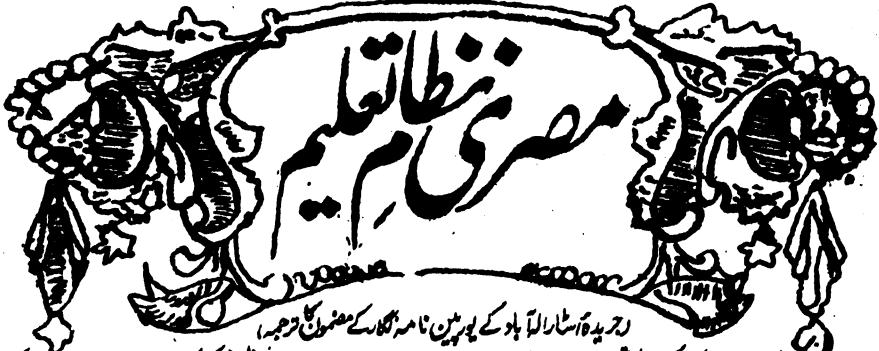
(جریدہ اسٹار الہ آباد کے یورپین نامہ نگار کے مضمون کا ترجمہ)

مصر جدید نہ صرف ایک متمدن بلکہ ایک اعلیٰ تعلیم و تربیت یافتہ سلطنت ہے۔ اور وہاں کے بادشاہ کو اپنی مملکت کے طول و عرض میں تعلیم و تربیت کی ترقی و اشاعت سے گہری دلچسپی ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کی مصری نشاۃ جدیدہ کا سب سے نمایاں اور اہم پہلو یہی احیائے ذہنی ہے۔

مصر کے موجودہ نظام تعلیم کو جو ابتدائی، ثانوی، صنعتی اور اعلیٰ شعبوں پر مشتمل ہے۔ موجودہ حکمران خاندان کے بانی محمد علی نے رائج کیا تھا۔ خدیو اسماعیل پاشا نے اپنے دادا کی اس تجویز کو نہایت جوش و انہماک کے ساتھ جاری رکھا۔ اور اس کو کافی ترقی دی اُنہوں نے مختلف قسم کے مدارس کی تعداد میں اضافہ کیا۔ اور چند جدید وضع کے مدارس قائم کئے۔

خدیو اسماعیل پاشا نے غیر ملکی زبانوں کی تعلیم کیلئے ایک اکاڈمی قائم کی۔ ان ہی کے زمانہ میں علمی اور سائنٹفک اغراض سے یورپ جانے والے طلبا کی تعداد میں اضافہ ہو۔ اور اُن ہی کی ہمت افزائی سے غالب ماہر علوم طبیعی ماہر ملکی علم ہیئت و ریاضی، مبارک ماہر تاریخ اور سلیم وغیرہ ماہران علم طب پیدا ہوئے جنہوں نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ اس زمانہ میں جامعہ ازہر کی سب سے مختار ہستی شیخ محمد عبدہٗ کی تھی، جو ایک مشہور مذہبی مصلح تھے۔ احیائے جدید پر ان کی ذات اور تعلیم کا گہرا اثر پڑا تھا۔ اکثر اصلاحات جن کو انہوں نے پیش کیا تھا۔ شاہ فواد کے ذاتی اثر سے حال ہی میں عملی جامہ پہن چکی ہیں۔

یہ تھا آغاز اس عظیم تحریک کا جس پر موجودہ صدی کے اوائل میں کئی مدارس کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ اور ملک کے طول و عرض میں تعلیم کی اشاعت ہوئی۔ ۱۹۰۸ء میں شاہ فواد کی زیر سرپرستی و ہدایت ایک جامعہ کا قیام عمل میں آیا جس کو ۱۹۲۵ء میں اقامتی جامعہ کا اعزاز دیا گیا۔ یہ جامعہ ابھی کم عمر ہے لیکن جو کام انجام پا چکا ہے۔ اس کا لحاظ رکھتے ہوئے امید کی جاسکتی ہے۔ کہ وہ بہت جلد قدیم تر مغربی جامعات کی ہمسری کا دعوےٰ کرسکے گا۔ اس جامعہ کی بعض خدمات کو قبول کرنے کیلئے یورپ کے چند ممتاز عالموں کو دعوت دی گئی ہے۔

مدرسہ طبیہ جس نے دو سال قبل صد سالہ جشن منایا ہے محمد علی کے زمانہ حکومت میں قائم کیا گیا تھا۔ اس مدرسہ کے اساتذہ نہ صرف ممتاز مصری ہیں۔ بلکہ ان میں مشہور یورپین پروفیسر بھی شامل ہیں۔ اس مدرسہ کے تجربہ خانوں میں بہت کچھ اہم تحقیقات کی گئی ہیں چنانچہ اسی تجربہ خانہ میں کوش نے ۱۸۸۳ء میں ہیضہ کے جراثیم معلوم کئے تھے۔

۱۸۹۰ء میں وزارت تعلیمات کا موازنہ مالی ایک لاکھ چار ہزار پونڈ کا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں اس شعبہ پر دو لاکھ چھتیس ہزار اور ۱۹۱۷ء میں ۴ لاکھ ۷۰ ہزار پونڈ خرچ کئے گئے۔ لیکن دس سال بعد وزارت تعلیمات کا خرچ ۱۴ لاکھ ۵۰ ہزار ہوگیا۔ یہ اعداد ملک کے مکمل تعلیمی اخراجات کے مظہر نہیں ہیں۔ چنانچہ مندرجہ بالا رقم کے علاوہ مقامی مجلسوں اور مذہبی وخیراتی اداروں نے اس شعبہ پر ۱۹۱۷ء میں تقریباً ۵ لاکھ پونڈ اور ۱۹۲۷ء

میں گیارہ لاکھ پونڈ صرف کیئے۔

طالب علموں کی تعداد میں بھی اسی طرح اضافہ ہوا ہے۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں ۱۳۹۲۳ طلباء نے سرکاری مدارس میں تعلیم پائی۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں سرکاری اور امدادی مدارس کے طلبا کی تعداد ۲۳۵۱۷ تھی۔ اور سنہ ۱۹۲۶ء میں ۱۸۸۴۰۰ ہوگئی۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں مدارس کی تعداد ۵۶۰۱ تھی۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں ۸۵۴۰ ہوگئی۔ جن میں سے ابتدائی مدارس کی تعداد ۷۲۳۹ تھی۔

تعلیم نسواں کے متعلق جو بحث کی جاتی تھی، اب باقی نہیں رہی اور لڑکیوں کی تعلیم نے وہی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ جو لڑکوں کی تعلیم کو حاصل ہے۔ قصر اسرا میں اعلیٰ تعلیم نسواں کا کالج قائم ہے۔ اس کے علاوہ خواتین اساتذہ کی ٹریننگ کے ۱۶ کالج اور ثانوی مدارس موجود ہیں۔ قاہرہ اور اسکندریہ چھوٹے بچوں کے لیئے کنڈر گارٹن مدارس بھی قائم ہیں۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں طالبات کی تعداد صرف ۱۲ ہزار تھی لیکن سنہ ۱۹۲۶ء میں ایک لاکھ ۸۰ ہزار تک پہنچ گئی۔ ایک ابتدائی مدرسہ ان لڑکیوں کی تعلیم کے لیئے قائم ہے۔ جو طبی تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہوں۔

سنہ ۱۹۲۵ء کے بعد سے مصری آئین حکومت نے ابتدائی تعلیم کو لازمی اور جبری قرار دیا ہے۔ اگر اس تدبیر پر عمل جاری رہے تو سنہ ۱۹۴۵ء میں مصر کے ہر ایک بچہ کو جس کی عمر آٹھ اور تیرہ سال کے درمیان ہو ابتدائی تعلیم کے فوائد حاصل رہیں گے۔ مصر میں پیشوں کے متعلق جو مدارس قائم ہیں ان میں سے حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔ مدرسہ طب، دنداں سازی۔ مدرسہ تربیت اعلیٰ۔ مدرسہ علاج حیوانات اور مدرسہ زراعت، معاشرتی احیا کے آثار بھی نظر سے دور نہیں ہیں۔ اور تہذیب و اخلاق کے ہر ایک شعبہ میں ترقی کی جدوجہد نمودار ہے۔ شاعری کے شعبہ میں ۔چکی بلے کی کتاب ۔کلو پیٹرا، اور ادب کے دیگر شعبوں میں مولیر کی کتاب ”ٹارٹف“ کا ماخوذ ترجمہ جس کو عثمان جلال نے مرتب کیا ہے۔ شکسپیر کے ڈرامے۔ اتھیلو کا ترجمہ جس کو منتران نے لکھا ہے۔

اور محمد تیمور مرحوم کے ادبی کارنامے اس روز افزوں پیداوار کے مظہر ہیں۔ جو مصر کی ادبی کوششوں کو یورپ کی پیداوار کا ہم پلہ کر دیتی ہے۔

قاہرہ میں ہر سال ایک نمائش ہوتی ہے جس میں غیر معمولی قابلیت کے نوجوان مصری ماہرین فنون لطیفہ کے امید افزا کارنامے دکھائی دیتے ہیں۔ موسیقی میں بھی سرعت کے ساتھ ترقی ہو رہی ہے۔ اس ترقی کا انحصار صرف نوجوان ماہرین موسیقی پر ہی نہیں ہے۔ بلکہ مشرقی موسیقی کی انجمن جو سنہ ۱۹۱۴ء میں قائم ہوئی تھی۔ اور شاہی تماشگاہ والی آپلا مونا بھی اس ترقی سے نمایاں حصہ لے رہا ہے۔ مجلس موسیقی کا خیال ہے کہ اس موسم سرما یا آئیندہ موسم بہار میں شاہ فواد کی زیر سرپرستی مشرقی موسیقی کی ایک کانگریس منعقد کی جائیگی۔ جس کی وجہ سے مشرق قریب کے نغموں اور عام ترانوں سے بین الاقوامی اور مقامی دلچسپی میں اضافہ ہوگا۔

تاریخ جغرافیہ، سیاسیات، معاشیات اور دیگر علوم کے متعلق تحقیقات کرنے کیلیئے علیحدہ علیحدہ انجمنیں قائم ہیں۔ جو بہت مفید کام انجام دے رہی ہیں۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں محکمہ تعلیمات نے شعبہ فنون لطیفہ قائم کر کے اس تحریک کو اور بھی ترقی دی۔ مدرسہ فنون لطیفہ اسی شعبہ کے ماتحت ہے۔

ایک جدید اصلاح جو مصر کی تمام انجمنوں، مدارس، تحریکات، اور تمام ادیبوں کے لیئے نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ یہ ہے کہ عربی میں بڑے حروف اور اشارات عبارتی رائج کیئے گئے ہیں۔ جو قبل ازیں نہ تھے۔ شاہ فواد کی زیر ہدایت اسی غرض سے سنہ ۱۹۲۸ء میں انعامی مقابلہ کیا گیا تھا جس میں تمام مشرقی عالموں اور ماہرین لسانیات نے حصہ لیا تھا۔ اسی مقابلے کے بعد جو تجویز مرتب ہوئی۔ اس کو ”شاہی حروف“ سے موسوم کیا گیا۔ اور آیندہ سے یہی حروف تمام مدارس میں سکھلائے جائیں گے۔

مصر کے احیائے جدید کے متعلق اور بھی بہت کچھ بیان کیا جا سکتا ہے لیکن جو کچھ بتلا دیا گیا ہے۔ وہ اس امر کے اظہار کیلئے کافی ہے کہ آجکل مصر کے بہترین دماغ، ملکی ذرائع کا پوری طرح احساس رکھتے ہیں اور مشرق و مغرب اور قدیم و جدید ...... تہذیب کے بہترین عناصر کو ملا کر آئندہ نسل کیلئے ایک ایسا سامان تیار کر رہے ہیں۔ جو احیائے جدید کے اس دور کی مناسب طور موزوں کر لیگا۔ ہم نے دیکھا کہ یہ سب کچھ سہی لیکن ان ساری تعلیمی ترقیات میں عبد کو معبود کیساتھ مخلوق کو خالق کیساتھ
کتنی [illegible] حقیقی [illegible] زمانہ کے [illegible] رشتہ [illegible] ملک نے جسکے اندر سالہا سال [illegible] کی فضا پیدا کر دی جو حضرت موسیٰ کی [illegible] نتیجہ کہی جا سکتی ہے۔

(نتیجہ فکر جناب شیخ غلام حسین صاحب شاکر صدیقی)

روزِ الست چھوڑ کر عیش بھی عیش زار بھی،
مَیں نے خوشی سے غم لیا غم ہی تھا پائدار بھی

شمعِ حیات جو رہا تا دمِ زیست داغِ عشق،
اُس کی ضیا سے موجِ نور ہوگا مرا مزار بھی

گرمِ نوا رہا ہوں مَیں اس میں کسی کی یاد سے!
راحتیں دے گئی مجھے کلفتِ انتظار بھی!

آئیں گے کہہ گئے تھے وہ۔ بیٹھا ہوں فرشِ راہ کئے
قلبِ امل بدوش بھی دیدۂ اشکبار بھی،

خلوتِ راز ہی میں گر جلوے ہوں اُن کے بے حجاب
صورتِ طور جل اُٹھے دشت بھی کوہسار بھی

کہتے ہیں سُن کے دردِ دل۔ دِل کو ذرا سنبھالئے
ہے تو بجا مگر مجھے دِل پہ ہو اختیار بھی!

سحرِ غرورِ حسن سے مرمریں بت بنے رہے!
مَیں نے ہزار عرض کی بولے نہ ایک بار بھی

مجھ کو کسی کے چشم و لب آتے ہیں یاد دیکھ کر
نرگسِ نیم باز بھی۔ غنچۂ نو بہار بھی!

جس کی نظر کی جنبشیں سب ہیں حریفِ ماطغیٰ
ہیں اُسی آنکھ کے شہید مست بھی ہوشیار بھی!

آئے ہزار شوق سے دل میں مرے زفیضِ عشق
اُن کے خیال کے لئے باغ بھی ہے بہار بھی

درد و طپش کی لذتیں۔ قلبِ حزیں کی شان دیکھ!
قدسی بھی پا سکے نہ وہ باہمہ اعتبار بھی!

کر سکے اعتماد کیا۔ کوئی کسی پہ دہر میں
جا کے وہاں علائے جاں ہو گئے رازدار بھی،

شکوہ عبث ہے ہم نشیں۔ اہلِ رضا سے پوچھ دیکھ
گردشِ چشمِ یار ہے۔ گردشِ روزگار بھی!

در پہ ترے اے بے نیاز خلوتِ ناز سے یہ دیکھ
سر بسجود ہے کوئی طالبِ دلفگار بھی!

شاکرِ غم نصیب کو حاصلِ عشق ہے یہی
یاد ہیں اُن کی خوشگوار ہے دمِ ناگوار بھی

روسِ جدید

علمی حیثیت سے

روس کے جدید دستورِ اساسی کی بنیاد صنعت و حرفت علم و ادب اور تعلیم پر رکھی گئی تھی۔ جس کا ذکر مسٹر بنی یاد ہندوستانی سیاح سے رنیق لونا چارسکی نے دوران ملاقات میں کیا ہے۔ ہندوستانی اشخاص کی ترقی و بہبود کے سلسلہ میں روسی تہذیب علوم و فنون میں دلچسپی لینے ہوئے لونا چارسکی نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ دلچسپی سے پڑھے جائینگے

سیاح موصوف نے لکھا ہے۔ کہ برلن کے قیصروف ہوٹل میں لونا چارسکی اقامت پذیر تھا۔ میں داخل ہوا۔ اور جسوقت میں نے اُن کے کمرے میں قدم رکھا۔ تو انہیں دیکھ کر میری آنکھوں میں ہندوستان برہنہ اور نیم فاقہ کش اشخاص کا منظر پھر گیا۔ اور میں نے لونا چارسکی سے عرض کی۔ کہ میں روس کی ترقی کے اسباب کے متعلق آپ کے خیالات سے مستفید ہونا چاہتا ہوں۔ وہ یہ سنکر بہت خوش ہوئے۔ میں نے ان کی دوسری مصروفیات کو مدِنظر رکھ کر آمدم بر سرِ مطلب پر عمل کیا۔ اور پوچھا کہ آپ سوویٹ یونین کے تمدنی ارتقا کے بارے میں قدرے روشنی ڈالنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے!!! بغیر کسی پس و پیش کے لونا چارسکی نے کہا۔

ہمارے ملک کا تمدنی ارتقا اور اس کا نشو و نما دو امور پر انحصار رکھتا ہے۔ اول تو آپ جانتے ہیں۔ کہ ملکی کفایت شعاری کے لئے نئے طریقوں کا معلوم کرنا ازبس ضروری ہے۔ چنانچہ اس کی جانب میری توجہ خاص طور پر لگی ہوئی ہے۔ اور مجھے یہ کہنا چاہیئے۔ کہ صنعت و حرفت کو بڑے پیمانہ پر پہنچانے اور زراعت کی متحدہ اسکیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہم نے قابلِ تعریف ترقی کی ہے۔ ابتداء میں سوویٹ یونین کے ہر ایک شخص پر یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا تھا۔ کہ ہماری اقتصادی حالت کی ترقی اور اس ارتقا کے لئے وہی لوگ سدِراہ ہو رہے ہیں۔ جو ناتجربہ کار ہیں۔ دوسرے کارخانوں میں کام کرنے والے چست چالاک مزدوروں کی حصولیابی اور انجینیروں کے لئے بڑی تعداد میں خاص اشتہار کے فراہم کرنے نیز ڈاکٹر، اخبار نویس معلمان اور ماہران زراعت اور ماہران اقتصادیات وغیرہ ملازمان کی ہمارے ہاں بہت کمی تھی اور اسی باعث ہماری تہذیب کی ارتقائی منازل میں رخنہ اندازی و دقت ہو رہی تھی۔ چونکہ ہوشیار ملازمان کی حصولیابی تعلیم و تربیت پر منحصر ہے، اس لئے ہم سمجھ گئے۔ کہ ہماری ترقی کا خاص راز تعلیمی درسگاہوں کے قیام اور ان کی ترقی میں مضمر ہے۔ اور جب تک ہم تعلیمی معاملات میں سرگرمی سے حصہ نہ لیں گے۔ اسوقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اسی اصول کو لے کر ہم نے کام شروع کیا۔

اگر ہم اپنی ماضی کی حالت پر نظر ڈالیں۔ تو اس کے مقابلے میں ہم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ میں تمہارے سامنے چند اعداد و شمار پیش کرتا ہوں۔ تاکہ ان سے آپ کو بخوبی اندازہ

ہو جائے۔

زار کے شاہی عہد میں روس کی تمام آبادی میں ۸۰ فیصدی اشخاص خواندہ تھے۔ لیکن اب روس کی آبادی میں صرف ۱۰ لاکھ آدمی ناخواندہ ہیں۔ تعلیمی شعاع لینن کے وقت ہی میں پھیلنے لگی تھی۔ اور یہ کام ۱۹۳۳ء میں ختم ہو جائیگا۔ اور روس میں ایک بھی ناخواندہ نہ رہے گا اگر ہم اشاعت تعلیم کی اسکیم کو جدید طریقہ پر مرتب نہ کرتے۔ تو یہ کام اب تک پورا نہ ہوتا۔ اور نہ معلوم ہم کتنے عرصہ تک اسی جہالت میں مبتلا رہتے لیکن اب روس میں تعلیم لازمی ہے۔

جنگ عظیم سے پہلے روس کی جملہ تعلیم گاہوں میں ۵۵ لاکھ طلباء زیر تعلیم تھے۔ لیکن مجھے یہ بتاتے ہوئے مسرت ہوتی ہے۔ کہ اس وقت روسی اسکولوں میں ایک کروڑ ۸۰ لاکھ طلباء زیر تعلیم ہیں۔ اس کے علاوہ تعلیمی شعبہ جات میں بھی دیگر علوم و فنون کی تعلیم لینے والے طلباء کی تعداد کثیر پائی جاتی ہے۔ صنعتی اور حرفتی (ٹیکنیکل) اسکولوں اور تجارتی درسگاہوں میں تقریباً ۱۵ لاکھ طلباء زیر تعلیم ہیں۔ ان کے کالجوں میں ۲۰۰۰۰ طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اور پھر کسانوں اور مزدوروں کے بچے مختلف قسم کی تعلیم حاصل کرنے میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ اور یہ ظاہر کرتے ہوئے نہایت مسرت ہوتی ہے۔ کہ صنعتی اسکولوں میں کسانوں کے بچوں کی تعداد بھی خاطر خواہ صورت میں پائی جاتی ہے۔ ان اسکولوں میں صنعتی و حرفتی تعلیم دینے کے علاوہ ادبی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اور مجھے یہ بھی بتا دینا چاہیئے۔ کہ ملک میں جو جماعت اقلیت میں ہے۔ اور جو حصول تعلیم میں پس ماندہ ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت کیلئے ایک خاص قسم کی درسگاہیں کھولی گئی ہیں۔ جن میں اعلےٰ تعلیم دینے کیلئے ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے اس قسم کی تعلیم گاہوں سے آج کل کم سے کم ایک لاکھ جوان مستفید ہو رہے ہیں۔ اور ان اسکولوں سے فارغ التحصیل ہونے پر مزدور روس اور کسانوں کے بچے اعلیٰ تعلیم کے لئے پیشقدمی سے کام لیتے ہیں۔

مذہبی اعتبار سے

یہ کسقدر جگر گداز اور روح فرسا حقیقت ہے۔ کہ روس کے تین کروڑ فرزندان توحید روسی بالشویکوں کی سفاکانہ زیادتیوں کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں۔ ان کی چالیس ہزار مسجدیں اور بیس ہزار اسلامی مدارس قہوہ خانوں اور تماشہ گاہوں کی صورت میں منتقل ہو گئے ہیں۔ اوقاف اسلامی کی ضبطی کا سلسلہ جاری ہے۔ مذہبی لٹریچر کی اشاعت ممنوع ہے۔ علماء جلاوطن کئے جا رہے ہیں۔ فریضہ حج کا ادا کرنا قانوناً جرم قرار دیدیا گیا ہے۔ ایک طرف حکومت کی قہرمانی طاقتیں ہیں۔ دوسری طرف بے کس و ناچار مسلمان جن پر ایسے ایسے ظلم کئے جا رہے ہیں۔ جو اس تمدن کے دور میں دامن اخلاق و انسانیت پر بدنما دھبہ ہیں۔

ہمیں دنیائے اسلام سے امید ہے۔ کہ وہ اپنے روسی بھائیوں سے ان مصائب میں ہمدردی کا اظہار کرے گی۔ اور مہذب دنیا کو ان کی حمایت پر آمادہ کرنے کی کوئی کوشش اٹھا نہ رکھے گی۔ ورنہ وہ بری ساعت دور نہیں جب پرستاران توحید لامذہبیت کی تاریکیوں میں نور ایمان کھو بیٹھیں گے۔ اور وہ کلمہ گو جنہیں سرچشمۂ اسلام سے بہرہ اندوز کرنے کی خاطر ہمارے اسلاف نے اپنی عزیز جانوں کی قربانیاں کی ہیں۔ اسلام کی آغوش سے نکل کر کفر و ضلالت کے عمیق و مہیب گڑھے میں جا گریں گے۔

میری سرگذشت

نمبر ۳

رودِ مولہ کے نام پر ہی رودِ مولہ بھی مشہور ہے جس کا منبع نیچارہ کے شمال مشرق کی طرف ہربوئی کی پہاڑیاں ہیں - رودِ مولہ کی لمبائی ایک سو اسی میل ہے - اور یہ اپنے راستہ میں مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے موسوم ہے -

(۳) نونگ - یہاں کوئی آبادی نہیں - اس جگہ پر رودِ مولہ کا پانی چند پیچ در پیچ راہوں سے نکلتا ہوا تھوڑی تھوڑی مسافت پر نو مرتبہ گذرنا پڑتا ہے - اس لئے اس جگہ کا نام اس بناء پر نونگ مشہور ہے ؛

(۴) کوہو یا کنواں وال (۵) پانی وال یا پانی وڈر (۶) جاہ یا جاہاں - (۷) پٹاچی - یہ وہی مقام ہے - جسے ۲۰ مارچ ۱۸۹۴ء کو میں نے دیکھا تھا - اس کے ایک متصل پہاڑ کی چوٹی پر دو ایسے بڑے بڑے پتھر ہیں - جن میں سے ایک طلوعِ آفتاب سے لیکر دوپہر تک سفید اور دوسرا ساتھ والا پتھر سیاہی مائل رہتا ہے - اور بعد دوپہر آفتاب کے ڈھلنے پر اول الذکر سیاہی مائل اور موخر الذکر سفیدی مائل ہو جاتا ہے - ان کے متعلق بروہیوں میں عام روایت یوں چلی آتی ہے - کہ زمانۂ ماضی میں دو حقیقی بہن اور بھائی سیاہ کاری کی پاداش میں خدا کے غضب سے پتھر بنا دئے گئے - اور وہ اس صورت میں یہ سزا بھگت رہے ہیں ؛

لیکن ۱۸۹۹ء کے موسم سرما میں جبکہ میں پولیٹیکل ایڈوائزر قلات کا سررشتہ دار تھا - تو بتقریب دورہ اسی مقام پر کیمپ کا قیام ہوا - اس وقت میں نے چند بروہی لیویز سواران کی معیت میں اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچکر دیکھا - تو بروہیوں کی وہ بیان کردہ روایت غلط معلوم ہوئی - اور حقیقت یہ پائی گئی - کہ ان پتھروں کا محل وقوع اس قسم کا ہے - جو صرف آفتاب کے طلوع اور ڈھلنے سے سفیدی اور سیاہی کا تعلق رکھتا ہے - اور بس ؛

پٹاچی سے ہاٹیکہ اور خرزاں اور پھر پیر لاکھا - یہ وہ مقام ہے - جسے پہلی مرتبہ ۲۱ مارچ ۱۸۹۴ء کو میں نے دیکھا تھا - پیر صاحب کی مزار گنبد کے عین درمیان واقع ہے - اور گنبد کا پلستر چونے گچ سے کیا ہوا ہے - مگر مرمت طلب ہے - مجاوروں نے اپنی رہائش کے لئے آبادی کی صورت پیدا کی ہوئی ہے - ساتھ ہی ایک چھوٹا سا باغیچہ بھی ہے - کھجور کے چند درخت بھی ہیں - بے اولاد عورتوں کی آمد و رفت اور منت ماننے کی یہ خاص جگہ ہے - میں نے اپنا نام بمعہ پتہ اور تاریخ گنبد کی دیوار پر بطور یادداشت لکھا - اور فاتحہ پڑھا - ۲۱ مارچ ۱۸۹۴ء ہی کو میر پسند خان براد رسوار گوہر خاں بھی یہاں زیارت کے لئے آئے - اور مجھ سے ملے -

گرو - میں نے اسے پہلی مرتبہ ۲۲ مارچ ۱۸۹۴ء کو دیکھا تھا - پانی کی یہاں قلت ہے - اور پیر چھتہ سے لیکر گرو تک قریباً ۷ میل کا فاصلہ ہے ؛

عام طور پر کوٹڑہ سے خضدار اور زیدی کو جاتے ہوئے حسب ذیل منازل ہیں - کوٹڑہ سے پیر چھتہ ۸ میل - کوہو ۳ میل ؛

جاہاں ۱۲ میل۔ خزداں ۸ میل۔ پیرلاکھا ۷ میل۔ تڑیار اسپیکا یار اٹیکہ۔ ۸ میل۔ گرو ۹ میل۔ گرو سے دو راستے ہیں۔ جہاں سے زیدی ۱۰ میل اور خضدار ۱۹ میل۔ سوائے گرو کے باقی مقامات پر پانی بکثرت ہے۔ اور لکڑی بھی مل جاتی ہے۔ گرو میں قافلے نہیں ٹھیرتے اور نثر سے زیدی کو جاتے اور زیدی سے خضدار پہنچتے ہیں۔ درہ مولہ کے خاتمہ کے بعد خضدار ہی ایک ایسا مقام ہے۔ جہاں سے وافر مقدار میں سامان رسد مہیا ہو سکتا ہے۔

تصرف انگریزی سے قبل اس ملک میں پھانسی کی سزا کا رواج نہ تھا۔ بلکہ مساوی حیثیت کے فریقین میں خون کا بدلہ خون سے لیا جاتا تھا۔ اگر متوفی کے ورثاء کمزور ہوتے۔ تو معاوضہ سے بھی صلح ہو جاتی۔ جن واقعات میں فریقین ایک ہی کنبہ سے متعلق ہوتے۔ اور مجرم دستیاب نہ ہوتا۔ تو اس کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار کو قتل کر دیا جاتا۔ اگر مجرم مختلف قبیلوں سے متعلق ہوتا۔ تو مظلوم فریق اس کے گروہ یا قبیلے یا کنبہ میں سے ایک کو قتل کر دیتا۔ یہ دستور لامحدود طریقہ پر وسیع تھا۔ اور لاتعداد خونریزی کا باعث۔ جو صرف حکام یا دوستوں کی ثالثی سے روکا جا سکتا تھا۔ فریقین کے نقصانات شمار کئے جاتے تھے۔ اور زیادہ نقصان والے کو زاید نقصان کا معاوضہ دلایا جاتا تھا۔ لیکن زنا کی صورت میں اس قاعدہ سے انحراف کیا جاتا۔ اگر زانی بھاگ جاتا۔ تو اس کے دوسرے رشتہ داروں کو تنگ نہیں کیا جاتا تھا۔ کیونکہ صرف مجرم ہی سے بدلہ لیا جا سکتا تھا۔

ملّا۔ سید۔ سردار خیل اور سربرآوردہ خاندان کے افراد کے خون کا معاوضہ عام آدمیوں کے خون کے معاوضہ سے دگنا تھا۔ میر نصیر خان اول کے عہد میں عام معاوضہ کی شرح دو ہزار سات سو روپیہ تھی۔ اگر خان قلات کے ذریعہ فیصلہ ہوتا۔ تو ایک سو روپیہ "خانانہ" خان مذکور کو دیا جاتا۔

جھالاوان کے بزنجو اور منگل قبائل کے افراد میں معاوضہ کی تعداد چودہ اونٹ بشرح چالیس روپے فی اونٹ تھی۔

عوضانہ خون میں نقدی بہت کم ادا کی جاتی تھی۔ زمین۔ اونٹ۔ بیل۔ بھیڑ۔ بکریاں۔ اسلحہ اور لڑکیاں اس کے عوض میں عموماً دی جاتی تھیں۔ اس مقصد کے لئے لڑکی کی قیمت پانچسو روپیہ تھی۔ اور دوسری چیزوں کی قیمت بھی اصلی قیمت سے کچھ بڑھا کر لگائی جاتی تھی۔ ایک روپیہ نقد پانچ کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

سب سے زیادہ خوفناک سزا یہ تھی۔ کہ مجرم اور اس کے دو یا تین رشتہ داروں کو مجبور کیا جاتا تھا۔ کہ قبائل کے اجتماع میں وہ اپنے ہتھیار حوالے کر دیں۔ ایسے اجتماع یا مجمع کو "مدمکہ" کہا جاتا تھا۔ اور اس طریق کو قابل ادائگی معاوضہ کی نصف رقم کے برابر خیال کیا جاتا تھا۔

زمانہ حال میں عوضانہ خون کی رقم ایک ہزار پانچسو روپیہ نقد مقرر ہے۔ اور اس کے علاوہ پانچسو روپیہ جرمانہ۔ شدید ضربات کا معاوضہ جسم کے مختلف حصص کے مطابق تجویز کیا جاتا ہے۔ مثلاً آنکھ یا ٹانگ کا نقصان آدھی زندگی کے برابر۔ بازو کا معاوضہ پانچسو روپیہ۔ انگلی کا سو روپیہ۔ اور دانت کا ستر روپیہ۔

رسم و رواج کے لحاظ سے بروہی قبائل مندرجہ ذیل امور کے پابند ہیں (۱) خون کا بدلہ لینا (۲) پناہ گزین کی حمایت میں لڑنا۔

(۳) گم شدہ حیوانات اور ان اشیاء کی جو امانتاً سپرد کی جائیں ۔ حفاظت کرنا ۔ (۴) مہمان نوازی کرنا اور مہمان کے مال و اسباب اور ذات کی حفاظت کرنا ۔ (۵) عورت ہندو ۔ ماتحت یا کمیں اور ایسے طفلک کو جو ہنوز پاجامہ نہ پہنتا ہو ۔ قتل کرنے سے باز رہنا ۔ (۶) مجرم کے خاندان کی عورت کی سفارش پر جرم[1] کا معاف کر دینا ۔ یا اس عورت کو پارچات بطور عزت دیکر رخصت کر دینا ۔ (۷) مجرم اگر کسی بزرگ کی خانقاہ میں داخل ہو جائے ۔ تو جب تک وہ وہاں رہے ۔ اس کے قتل سے باز رہنا ۔ (۸) جب ملا ۔ سید اور عورت قرآن سر پر رکھ کر یا ننگی تلوار ساتھ میں لیکر فریقین میں مداخلت کریں ۔ تو لڑائی بند کر دینا ۔ (۹) زانی اور زانیہ کو قتل کر دینا ؛

جہاں یہ خوبی کی باتیں پائی جاتی ہیں ۔ وہاں ان کے بالمقابل بروہی اقوام میں ایک بہت بڑا نقص بھی ہے ۔ اور وہ یہ کہ " رواج " کو شریعت پر مقدم رکھتے ہیں ۔ رواج کی یہ لعنت پنجاب کے ہی مسلمانوں میں نہیں ۔ بلکہ سرحدی اقوام بھی اس وبا میں اس بناء پر مبتلا ہیں ۔ کہ جائدادوں کا تقسیم در تقسیم ہوتے جانا ان کے افلاس کا موجب ہوگا ۔ اس لئے وہ لڑکیوں کو محروم الارث قرار دیتی ہیں ۔ بجالیکہ ماہران اقتصادیات کا یہ مسلمہ اصول ہے ۔ کہ جائداد کی زیادہ افراد میں تقسیم ملکی خوشحالی کا باعث ہے ؛

بلوچستان میں اس رواج کا موجد میر نصیر خان کلاں (خان قلات) ہوا ۔ جس کا عہد حکومت ۱۷۵۰ و ۱۷۵۱ سے لے کر ۹۳ و ۱۷۹۴ تک تھا ؛

لیکن پنجگور (علاقہ مکران) کے بعض کچکی احکام شریعت کے مطابق لڑکیوں کو ورثہ کا حصہ دیتے چلے آتے ہیں ۔ جو ایک واحد اور مخصوص مثال ہے ؛

نومبر ۱۸۹۴ء کے دوران میں جب میں زہری پہنچا ۔ تو رنگ بدلا ہوا پایا ۔ کیونکہ گوہر و یوسف سرکشی کے منصوبوں اور جوڑ توڑ میں مصروف تھے ۔ لہذا جوں جوں وہ اس معاملہ میں متحد الخیال ہوتے گئے ۔ توں توں میرے ساتھ ان کے طرز سلوک میں بھی فرق آتا گیا ۔

جنوری ۱۸۹۵ء کے آغاز میں گوہر و یوسف پیر کے شہر واقعہ لوزگاماں میں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کی زیارت کے لئے گئے ۔ میں بھی ہمراہ تھا سردی کا موسم تھا ۔ اور مکانات کی قلت ۔ اس لئے وہ تو ایک تو حجرۂ مسجد میں فروکش ہوئے ۔ اور میں نے اندرون مسجد قیام کیا ۔ پیر صاحب کا مزار علاقہ زہری میں نہایت عزت سے دیکھا جاتا ہے ۔ اور اگر کوئی مجرم اس میں پناہ لے ۔ تو جب تک وہ وہاں ہو ۔ محفوظ سمجھا جاتا ہے ۔ اور جھالاوان کے تمام حصوں کے لوگ وہاں کثرت سے آتے ہیں ؛

چند روز تک ہم یہاں رہے ۔ میں بھی زیارت سے مشرف ہوا ۔ اور فاتحہ پڑھا ۔ لیکن واپسی کی آخری رات کو گوہر اور یوسف مجھے سوتا ہوا چھوڑ کر چپ چاپ راتوں رات بغیر مجھے خبر کئے موضع گزان کو چل دیئے ۔ جو لوزگاماں سے

---

[1] جو قتل زنا کے باعث ہو ۔ وہ مستثنےٰ ہے ؛

سولہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ صبح جب میں اٹھا۔ تو میدان صفاچٹ پایا۔ یہ موقع میرے لئے بہت بڑی آزمائش کا تھا۔ باپ بیٹے کا مقصد اس غیر موزون حرکت سے یہ تھا۔ کہ "میں خود بخود واپس چلا جاؤں" لیکن میری مصلحت کا اقتضا یہ ہوا۔ کہ وہ مجھے واپس کریں"

اسی دن شام سے کچھ پہلے میر خان محمد لوٹھانی جو تھانہ زہری میں لیویز سوار تھا۔ اپنی خواہش سے مجھے اپنے مکان پر موضع کاہان واقعہ لوز گامان میں لے گیا۔ اور ۱۲ جنوری ۱۸۹۵ء کی شام سے لیکر ایک ہفتہ تک اس نے مجھے اپنا مہمان رکھا۔ جس کے لئے میں اب بھی اس کا شکر گذار ہوں۔

موضع کاہان سے باہر پانی کا ایک جوہڑ سردی کی شدت سے منجمد ہو چکا تھا۔ دوپہر کو میں پوستین اوڑھ کر اس پر چلتا اور لطف اندوز ہوتا۔ اور جب تک وہاں رہا۔ میرا دل پسند مشغلہ یہی تھا۔

بالآخر گوہر خان نے خان محمد کی ذاتی تحریک پر جس کا مجھے علم نہ تھا۔ ایک ہفتہ کے بعد میری سواری کے لئے سانڈنی بھجوادی۔ میں گزان پہنچا۔ اور ظاہرداری کے رسمی تکلفات کے لحاظ سے ہم پہلے سے زیادہ مسرت اور زیادہ گرمجوشی کے ساتھ ایک دوسرے کو ملے۔

(اقتباس) نظیر حسین فاروقی مستوفی (ریٹائرڈ)

معذرت

لفافہ اور پوسٹ کارڈ کی قیمت میں ایزادی اور محصول رجسٹری وغیرہ کے اضافہ سے کاروباری دنیا پر جو اثر ہو رہا ہے۔ وہ نہایت پریشان کن ہے۔ اور محدود مقاصد کے جرائد و رسائل کی تو جو حالت ہے۔ وہ کچھ ہم ہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں۔ لہذا جن احباب کے استفساریہ خطوط و مراسلات کا جواب نہیں دیا جاتا۔ وہ انہی حالات کے ماتحت ہے۔ اس لئے ہم بایں صورت ایسے خطوط کا تاوقتیکہ جوابی کارڈ یا ٹکٹ نہ بھیجا جائے۔ جواب دینے سے قاصر ہیں۔ امید ہے کہ احباب ہمیں اس کے لئے معذور سمجھیں گے۔

بعض خانگی امور اور پیہم مصروفیتوں میں رسالہ مارچ و اپریل کا توام نکالنا پڑا۔ یہ مصروفیتیں کچھ اس قسم کی تھیں۔ کہ کاپیوں کی تکمیل میں ہم کاتب کی مدد سے بھی قاصر رہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے رسالہ دوگنے حجم پر شائع کیا جاتا ہے۔

دردمندان قوم و بہی خواہان "القریش" اگر توسیع اشاعت میں تھوڑی سی ہمت کردیں۔ تو اس قسم کے انتظامات ہو سکتے ہیں۔ کہ توام رسالہ کی اشاعت کی نوبت نہ آئے۔

منیجر

جذباتِ نظم

(از جناب نواب حیدر یار جنگ مولانا سید علی حیدر صاحب نظم طباطبائی لکھنوی)

کہاں اے نظم لے کر کاروانِ صبر و تاب آیا
یہاں سو بار طوفاں، موج خیزِ اضطراب آیا

خیال و خواب سا گزرا نظر مثلِ سراب آیا
یہی جلدی تھی جانے کی تو کیوں عہدِ شباب آیا

لرز جاتا ہوں گر دل میں خیالِ ناصواب آیا
سمجھتا ہوں معاذاللہ کوئی تیرِ شہاب آیا

شبِ غم میں ستاروں کیلئے روزِ حساب آیا
کہ میں گنتا ہوں تارے وہ سمجھتے ہیں عذاب آیا

سحابِ تیرہ لے کر خیمۂ مشکیں طناب آیا
اندر اس ظلمات میں لیکر نہ ساقی آفتاب آیا

عبث کی گردشِ افلاک نے گہوارہ جنبانی
نہ دل ٹھہرا نہ غم بہلا نہ موت آئی نہ خواب آیا

نکل اے جانِ مضطر میں بھی ہوں اب ہم عناں تیرا
ٹھہر اے عمرِ رفتہ میں بھی تیرے ہم رکاب آیا

ہنسی آئی حیا آئی چڑھی تیوری میں حیراں ہوں
یہ مجھ سے کیوں نگہ پھیری یہ مجھ پر کیوں عتاب آیا

اٹھایا زیرِ خنجر لطف نظارہ کا جی بھر کے
نہ بسمل کی پلک جھپکی، نہ قاتل کو حجاب آیا

یہی معلوم ہوتا ہے محبت سے حسینوں کی
کہ مرنے کی مرادیں مان کر عہدِ شباب آیا

مہِ نو کے اشارہ سے یہی مطلب نکلتا ہے
کہ جو آیا سرائے دہر میں پا در رکاب آیا

نہ جانے طاقتِ رفتار کیا کہتی ہے رہ رہ کر
میں اب جھک جھک کے چلتا ہوں کہ سن لوں کیا جواب آیا

اثر یہ ہے خلوصِ قلب کا رندانِ مے کش کے
دعا کو جب اٹھایا ہاتھ گھر گھر کر سحاب آیا

جواہر ریز ہے گردوں۔ طرب انگیز ہے ماحول
شفق سے شیشۂ شبنم میں یاقوتِ مذاب آیا

فلک زیرِ فلک ہے کائنات اس بزمِ ہستی کی
مے عشرت کا پیمانہ حباب اندر حباب آیا

نہ پوچھو دم نکلنے میں تھی کیا لذت شبِ غم کی
اجل اس طرح سے آئی کہ میں سمجھا کہ خواب آیا

نہ جا میخانہ میں اے نظم ہم کہتے نہ تھے تجھ سے
وہاں سے ہو کے سرشار و سیہ مست و خراب آیا

"بھائی مردانہ"

تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے۔ کہ باوا نانک سنہ ۸۸۰ھ سنہ ۱۴۶۹ء اور سمت ۱۵۲۶ بکرمی کو بعہد سلطنت سلطان لودھی موضع تلونڈی رائے بھولا واقعہ دوابہ چناب میں کالو کھتری کے گھر پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۹۴۳ھ سنہ ۱۵۳۸ء بمادر بروز اکادشی دسویں اسوج سمت ۱۵۹۶ بکرمی کو رنگرائے عالم بقا ہوئے۔

عمر کے درمیانی حصہ میں آپ نے درویشی کا "چولا" پہنا۔ فقیری کا "بانا" اختیار کیا۔ اور پنجاب میں ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی۔ آپ کی بعض تعلیمات اور آپ کے بعض حالات اس بات کے مظہر ہیں۔ کہ بلحاظ مذہب نہ تو آپ ٹھیٹھ ہندو ہی تھے۔ اور نہ خالص مسلمان۔ بلکہ دونو مذاہب کے بین بین ایک قسم کے موحد تھے۔

آپ کے بعض سفروں میں مردانہ میراثی آپ کے ہمراہ رہا۔ جس کے متعلق زمانہ حال میں میراثی قوم کے چند وہ افراد جن کو نسبی ترقی کی غرض سے ادعائے قریشیت کا غوغا برپا کرنے کا شوق چرایا۔ اس بنا پر کہ گورو نانک دیونے مردانہ کے لئے "بھائی" کا لفظ استعمال کیا۔ اور اسے بھائی مردانہ کہا۔ اس بات کو دقارِ مراسیت پر چسپاں کرتے ہیں۔ لہذا اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ درحقیقت مردانہ کیا تھا؟

مردانہ کا مذہب

مردانہ کے مذہب پر محققانہ نگاہ ڈالنے سے پایا جاتا ہے۔ کہ (اصل نام مردان خان تھا) ۔ مردان خان جو میر کی اولاد ہے۔ اور جو گورو نانک جی کے سامنے (دف یا دائرہ) ایک آلہ بجایا کرتا تھا۔ "سکھ" ہوگیا۔ اور اس کا لقب "بھائی مردانہ" ہوا۔ دیکھو گلاسری جلد سوم

مردانہ کی اولاد

ربابی میراثی ہیں۔ جو اس لئے کہے جاتے ہیں۔ کہ وہ رباب بجاتے ہیں۔ وہ اپنے سلسلۂ نسب کو بھائی مردانہ سے ملاتے ہیں۔ جو ایک میراسی تھا۔ اور گورو نانک کے سامنے رباب بجایا کرتا تھا۔ وہ سکھ ہیں۔ گورو نانک کو مانتے ہیں۔ اور گرنتھ سے شبد پڑھتے ہیں۔ وہ صرف سکھوں ہی سے خیرات لیتے ہیں۔ حالانکہ دوسری اقوام کے میراثی تمام اقوام سے خیرات لیتے ہیں۔ وہ دوسرے میراثیوں کے ساتھ شادی بیاہ نہیں کرتے۔ چونکہ وہ سکھ ہیں۔ اس لئے وہ لمبے بال رکھتے ہیں۔ اور سکھوں کی طرح لباس پہنتے ہیں۔ جن کے درمیان کہ وہ رہتے ہیں۔ سکھوں کی ارتھی کے آگے رباب بجاتے ہیں۔ جبکہ وہ مرگھٹ کی طرف لے جائی جاتی ہے۔ دیکھو گلاسری جلد سوم ۔

مردانہ کی شخصیت

وہ (مردانہ) ایک آوارہ گرد یا خانہ بدوش مطرب تھا۔ جو باوا نانک کے فی البدیہہ بھجنوں کو اپنے رباب یا چنگ پر بجایا کرتا تھا اور باوا نانک کا ایک پرانا آشنا ڈوم تھا۔ دیکھو گلاسری جلد اول۔

اس کے (باوا نانک کے) سفروں میں اس کے ساتھیوں میں سے مردانہ بھی تھا۔ جو اس کا گھریلو میراسی تھا۔ اور رباب یا چنگ کے بجانے میں ماہر تھا۔ دیکھو ہسٹری آف دی پنجاب۔

مردانہ کی حیثیت

بھائی مردانہ اس کے (باوا نانک کے) باپ کے ہاں ملازم تھا۔ جو کبھی کبھی گانا بھی سنایا کرتا تھا۔ ...... اور یہی مردانہ اخیر عمر تک اور ہر سفر میں گرو نانک دیو کے ساتھ رہا۔ ...... مردانہ اس کے باپ کے خاندان کا میراسی تھا۔ ...... جب مردانہ رباب کی تلاش میں بھیجا گیا۔ تو اس کے پاس کسی نے رباب فروخت کرنا نہ چاہا۔ یہ کہکر انکار کیا۔ کہ تم گراہیوں" (گمراہوں) کے ڈوم ہو۔ تم کو رباب نہیں دیا جاسکتا۔ ..... گورو نانک کی ہمشیرہ (نانکی) نے کچھ روپیہ نقد اور کپڑے بھی مردانہ کو دئے۔ مردانہ راضی ہوگیا۔ میراسی تو تھا ہی۔ نقد اور کپڑے لیکر اس نے راضی ہونا ہی تھا ... دیکھو جنم ساکھی مصنفہ دولت رائے۔

مردانہ کا استقلال

سکندر لودہی نے جب اس کو (گورونانک کو) بھی معہ دو نو ہمراہیوں کے قیدخانہ میں ڈال دیا۔ اور غلہ پیسنے کو حوالہ ہوا۔ یہاں مردانہ گھبرایا۔ اور گورو سے کہا۔ کہ فقیری کا مزا تو مل گیا۔ کاش! دنیادار ہی ہوتے۔ ..... دیکھو جنم ساکھی مصنفہ دولت رائے۔

مردانہ کا انجام

وہ (گورونانک) دوسرے سفر پر چل کھڑے ہوئے۔ اور ہمالیہ پہاڑ کی طرف رخ کر لیا۔ ...... شمال کی طرف دریائے سندھ کے نواح میں پہنچے۔ وہاں مردانہ سخت بیمار ہوگیا۔ آخر اس دنیا سے چل بسا۔ اور بموجب وصیت اور خواہش مردانہ کے اس کو جلایا گیا۔ کفن گورونانک دیو اور بھائی بالا کی چادریں تھیں۔ اور لکڑیاں خود گورو نانک دیو اور بھائی بالا نے جنگل سے اکٹھی کی تھیں۔ .... دیکھو جنم ساکھی مصنفہ دولت رائے۔

سجادہ پسر مردانہ

تیسرے سفر کی تیاری میں گورونانک نے بجائے مردانہ کے اس کے بیٹے سجادہ کو ہمراہ لیا۔ ..... نانک دیو جب اس قصبہ میں آئے۔ جہاں مردانہ کی نعش جلائی گئی تھی۔ تو سجادہ حسب رائے گورو نانک اپنے باپ کی سمادہ پر بیٹھ گیا اور وہاں اس نے اپنا کنبہ منگا کر سکونت اختیار کرلی۔

(دیکھو جنم ساکھی مصنفہ دولت رائے)

نتیجہ

اب ان تاریخی حقائق کی موجودگی میں یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ بعض وہ لوگ جو گورو نانک صاحب کو مسلمان ثابت کرنے کی سعی لا حاصل میں مصروف و منہمک رہتے ہیں۔ ذرا غور سے دیکھیں۔ کہ آج سے ساڑھے چار سو برس پیشتر کیا میراثی قوم کے افراد میں سے "مردان خان" سکھ "نہیں بنا؟ اگر بنا۔ اور بھائی مردانہ کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ تو کیا یہ گورو نانک کی تعلیم۔ رفاقت اور صحبت کا اثر اور نتیجہ نہ تھا؟ اگر تھا۔ تو سرزمین پنجاب میں اس طرح پر فتنۂ ارتداد کی سب سے پہلی اینٹ جس شخص نے رکھی کیا وہ گورو نانک ہی نہ تھا؟

علاوہ ازیں باوجود پیدائشی مسلمان ہونے کے سکھ مذہب اختیار کر لینے کے لحاظ سے کیا باصطلاح شریعت اسلام مردانہ اس قسم کا مرتد اولین نہ تھا؟ اگر تھا۔ تو پھر کیا کوئی میراثی جو مذہباً مسلمان کہلاتا ہو۔ ان حالات کے رو سے بھائی مردانہ کی اس قسم کی شخصیت اور اس کی اس مذہبی نوعیت پر کسی قسم کا کوئی ناز کرسکنے کا استحقاق رکھ سکتا ہے؟

مراد ما نصیحت بود و کردیم

(قاضی) نظیر حسین فاروقی۔ ریٹائرڈ مستوفی

ایک فریب خوردۂ امارت کا نقطہ نگاہ

(از جناب وقار انبالوی)

امیروں کی دنیا گناہوں کی بستی　　یہ بستی ہے گم کردہ راہوں کی بستی
بلائے تکلف۔ عذاب تمنا　　جہنم ہے ان کج کلاہوں کی بستی
دلوں میں کدورت دماغوں میں شورش　　کم آمیز خود بین نگاہوں کی بستی
سیہ کاریاں ان کی دولت کا مصرف　　گنہ آفریں روسیاہوں کی بستی
جنون تکبر نمائش کا سودا　　زمانے سے اپنی ستائش کا سودا
جفا کوشیاں ہیں ستم رانیاں ہیں　　بد اعمالیاں ہیں بد عنوانیاں ہیں
خمار تمول کی ہے سر گرانی　　زر و سیم کی فتنہ سامانیاں ہیں
مظالم ہیں ان کے ثواب و سعادت　　مکائد ہی ان کی ہمہ دانیاں ہیں
ہوس ان کی دنیا میں عشق و محبت　　حیا سوزیاں ان کی قربانیاں ہیں
بزرگوں کا مرنا ہے اک عید ان کی　　یہی ہے امیری کی تمہید ان کی
رواں ان کے مذہب میں ہے دل دکھانا　　معاف ان کی دولت کو ہے خون بہانا
زمانے کی قسمت کے مالک یہی ہیں　　خدائی تماشا خدا اک بہانا
جو بڑھ کر منافق وہ بڑھ کر مہذب　　جو بڑھ کر فریبی وہی سب سے دانا
حسد ان کی فطرت تو بغض ان کی عادت　　نہ اس کا ٹھکانا۔ نہ اس کا ٹھکانا
خدائی ہے جن سے مکدر یہی ہیں　　خدا کا نہیں ہے جنہیں ڈر یہی ہیں

مثنوی معنوی کا ایک جدید نسخہ

ادبیات تصوف کے سارے ذخیرہ میں جو شہرت وحسن قبول مولانائے رومی کی مثنوی کو حاصل ہے۔ وہ شاید کسی دوسری کتاب کو نصیب نہیں۔ عالم وجاہل، رند وزاہد، مقلد ومجتہد جس کسی کو تصوف سے ذرا بھی لگاؤ ہے۔ وہ مثنوی کی شراب سے مست نظر آئے گا۔ جو اس کے مطالب کو سمجھتے ہیں وہ تو خدا معلوم کیا لذت محسوس کرتے ہونگے۔ باقی جو نہیں سمجھتے۔ انہیں کی تعداد بہت بڑی ہے۔ اور اسی گروہ میں راقم مضمون بھی ہے) وہ بھی مثنوی کے اشعار محض سنکر سر تو ہلا ہی دیتے ہیں۔ اس مقبولیت کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ اردو، فارسی، عربی، ترکی، انگریزی، جرمن، فرانسیسی تقریباً ہر مہذب زبان میں مثنوی کی بہ کثرت شرحیں اور ترجمے موجود ہیں۔ اور پھر بھی سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ اردو کی ابھی بساط ہی کیا ہے۔ لیکن متعدد مستقل شرحیں اس میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً کشف العلوم، بوستان معرفت، پیراہن یوسفی، کشف المفہوم، کلید مثنوی وغیرہ۔ فارسی کی مشہور شرحوں میں شرح العلوم۔ شرح محمد اکبرآبادی، شرح محمد رضاؒ، مکاشفات رضوی، شرح عبد اللطیفؒ، (لطائف اللغات) شرح محمد افضلؒ اور حاشیہ حاجی امداد اللہ مہاجر سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں۔ انگریزی میں مثنوی کے اقتباسات ضمناً دوسری تالیفات میں متعدد بار شائع ہو چکے ہیں۔ مستقل ترجموں میں سب سے پہلا ترجمہ سر جیمس رڈ ہوس Sir James red House کا ہے۔ جو ۱۸۸۱ء میں صرف دفتر اول کا شائع ہوا۔ دفتر دوم کا ترجمہ ۱۹۱۰ء میں پروفیسر ولسن (لندن یونیورسٹی) نے ایک جلد میں کیا۔ اور ایک جلد میں اس کے حواشی دیئے۔

انگریزی کے قالب میں مولاناؒ کے خیالات کو ڈھالنے کی یہ کوششیں اگرچہ بجائے خود قابل قدر نہیں۔ لیکن ابتدائی مشقوں میں جو خامیاں ہوتی ہیں۔ ان سے مفر نہیں ہو سکا۔ اب انگلستان میں سب سے زیادہ اہم و قابل قدر پیش قدمی جو اس باب میں کی جا رہی ہے۔ وہ نامور مستشرق اور تصوف اسلام کے گرویدہ فاضل پروفیسر نکلسن (کیمبرج یونیورسٹی) کی جانب سے ہے۔

نکلسن تصوف اسلام کا مطالعہ تیس سال سے کر رہے ہیں۔ ان کی نظر اس باب میں اتنی وسیع ہے۔ کہ بہت سے مسلمان اہل علم کو ان پر رشک ہو سکتا ہے۔

اس سے قبل شیخ فرید الدین عطارؒ کا تذکرۃ الاولیاء اپنی حیرت انگیز سعی۔ تہذیب و تصحیح کے ساتھ چھاپ چکے ہیں۔ شیخ ہجویریؒ لاہوری کی کشف المحجوب کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ اسلامی تصوف کی قدیم ترین کتاب شیخ ابو النصر سراج کی کتاب اللمع کا کھوج لگا کر اسے زیور طبع سے آراستہ کر چکے ہیں۔ اور انگریزی میں اسلامی تصوف و صوفیائے کرام پر متعدد تالیفات و مضامین شائع کر چکے ہیں۔

مولانائے رومی کی جانب انہیں خاص التفات وشغف ہے۔ چنانچہ آج سے اٹھائیس سال قبل وہ کلیاتِ شمس تبریز (جو مولانا ہی کا کلام ہے) کا انتخاب مع انگریزی ترجمے اور حواشی و مقدمہ وغیرہ کے شائع کر چکے ہیں۔ اور اب ایک مدت سے مثنوی کے صحیح نسخے کی ترتیب اشاعت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں؛

ان کے ذہن میں خاکہ یہ ہے۔ کہ تین جلدوں میں (دو دفتر فی جلد کے حساب سے) متن مثنوی کے کل چھ دفتر شائع کریں۔ تین جلدوں میں ان کا انگریزی ترجمہ ہو۔ اور تین یا چار جلدیں شرح۔ حاشیہ مقدمہ وغیرہ کے لئے مخصوص ہوں۔ اس طرح سارا کام نو یا دس جلدوں میں ختم ہو۔ اور ہر جلد بڑی تقطیع پر پانچ پانچ سو صفحے کی ہو؛

اس عظیم الشان ارادے کی پہلی قسط حال میں قوت سے فعل میں آگئی۔ اور اسے دیکھ کر بے اختیار کارسازِ فطرت کی کار فرمائی پر دل سے داد نکلتی ہے۔ کہ جو قوم اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی پر تلی ہوئی ہے۔ اس کے بعض افراد کو اس کی سعادت بھی نصیب ہوتی ہے۔ کہ علوم اسلامیہ کے احیاء و تحفظ میں وہ وہ کارنمایاں انجام دئیے جائیں۔ کہ جن پر خود مسلمانوں کو رشک آئے؛

یہ پہلی جلد جو ابھی شائع ہوئی ہے۔ لیڈن (ہالینڈ) کے مشہور مشرقی مطبع برل کمپنی کے زیر اہتمام طبع ہوئی ہے۔ اور اس کی اشاعت لنڈن کی مشہور مشرقی دار الاشاعت لیوزک اینڈ کو کر رہی ہے؛

یہ جلد متن مثنوی کے دفتر اول و دوم پر شامل ہے۔ ضخامت ۴۶۲ صفحہ۔ علاوہ بیس صفحے کے انگریزی مقدمہ کے ہے تقطیع ہندوستان کی ۲۰ × ۲۶ کی تقطیع سے بڑی ہے۔ مسطر ۲۶ سطری ہے۔ باریک حروف کے ٹائپ میں چھپی ہے۔ لیکن چھپائی اس قدر صاف اور روشن اور کاغذ اس قدر اعلیٰ ہے۔ کہ حروف کی باریکی نگاہ پر ذرا بھی بار نہیں ڈالتی۔ ہر صفحہ پر فٹ نوٹ (حواشی ذیلی) کثرت سے ہیں۔ جلد نفیس و خوشنما ہے۔ پشتہ اور جلد پر انگریزی میں کتاب مصنف اور مرتب وغیرہ کے اسماء خوشنما طلائی حروف میں منقش ہیں؛

اس پورے نسخے کی اصلی خصوصیت۔ وہ خاص اہتمام ہے۔ جو نکلسن نے اس کی صحت و تہذیب میں ملحوظ رکھا ہے۔ اس نے یہ نہیں کیا۔ کہ عام مطبوعہ نسخوں میں کسی کی نقل اٹھا کر چھاپ دی ہو۔ مثنوی کے صدہا مطبوعہ نسخے موجود ہیں۔ ان میں کسی کی نقل چھاپ دینا کوئی قابل ذکر علمی خدمت نہیں قرار پاسکتا۔ نکلسن کا کارنامہ یہ ہے۔ کہ اس نے متن مثنوی کا ماخذ صرف قدیم ترین قلمی نسخوں کو رکھا۔ چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے حسب ذیل نسخے پیش نظر رکھے؛

(۱) نسخہ "اے" یہ باریک خط نستعلیق میں علی بن محمد کے ہاتھ کا لکھا ہوا مکمل نسخہ ہے۔ اس کی تاریخ کتابت ۷۱۸ھ ہے یعنی مولانا کی وفات ۶۷۲ھ سے صرف ۴۶ سال بعد یہ نسخہ برٹش میوزیم لنڈن میں موجود ہے؛

(۲) نسخہ "بی" اس کے کاتب کا نام محمد بن الحاج دولت شاہ بن یوسف الشیرازی ہے۔ سال کتابت ۷۴۴ھ ہے یعنی وفات مولانا سے ۷۲ سال کا بُعد رکھتا ہے۔ صحت کتابت و خوشخطی میں ممتاز ہے۔ ٹیوبنج (جرمنی) کے کتب خانہ میں موجود ہے؛

(۳) نسخہ "ایل" یہ نسخہ نکلسن کا ذاتی ہے۔ کاتب کا نام درج نہیں۔ سال کتابت ۸۴۳ھ ہے یعنی زمانہ مصنف سے ۱۷۱ سال کا فصل رکھتا ہے۔ یہ تینوں نسخے مکمل مثنوی کے ہیں۔

(۴) نسخہ "سی" یہ صرف دفتر اول کا نسخہ ہے۔ کتابت خط نسخ میں ہے۔ اعراب اکثر غائب ہیں۔ سال کتابت درج نہیں۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بہت قدیم یعنی مولانا کے زمانے سے کچھ ہی بعد کا ہے۔ موجودہ برٹش میوزیم۔

(۵) نسخہ "ڈی" اس میں صرف دفتر دوم ہے۔ خط نسخ میں صاف و واضح لکھا ہوا ہے۔ کاتب موسےٰ بن یحییٰ بن حمزہ الموسوی تاریخ کتابت ۷۱۶ھ یعنی وفات مصنف علیہ الرحمۃ سے صرف ۴۴ سال بعد۔

ان تمام نسخوں میں نمبر ا و ۲ و ۴ اور نمبر ا و ۲ و ۵ باہم زیادہ متحد ہیں۔ صرف نسخہ نمبر ۳ موسومہ "ایل"، جو نسبتاً بعد کا ہے۔ وہ ان سب سے بہت مختلف ہے۔ اور اس میں بکثرت ایسے اشعار درج ملتے ہیں۔ جو قدیم ترین نسخوں میں یا کسی میں موجود نہیں۔ اس لئے قدرتاً انہیں الحاقی تسلیم کرنا پڑے گا۔

نکلسن نے اپنی تلاش و جستجو کو انہیں نسخ خمسہ تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ اس کے پیش نظر شیخ عبداللطیف عباسی گجراتی (صاحب لطائف اللغات) کا وہ مشہور نسخہ بھی تھا۔ جس کے متعلق انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ کہ وہ اسی مختلف نسخوں سے مقابلہ کے بعد تیار کیا گیا ہے۔ اور جس کا نام انہوں نے "نسخہ ناسخہ مثنویات سقیمہ" رکھا ہے۔ شیخ عبداللطیف کا سال وفات ۱۰۴۸ھ بیان کیا جاتا ہے۔ ان کا یہ "نسخہ ناسخہ" ہندوستان کے بعض کتب خانوں میں اس وقت بھی موجود ہے۔ اور راقم سطور کی نظر سے مولوی سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپور کے کتب خانے میں گزرا ہے۔ اس کے علاوہ مطبوعہ نسخوں میں سے جتنے قابل ذکر نسخے کہے جا سکتے ہیں۔ مثلاً مطبوعہ طہران، مطبوعہ بولاق وغیرہ یہ سب بھی نکلسن کے سامنے موجود تھے۔ اور انہیں میں ہمارے ہندوستان کا وہ مشہور کانپوری نسخہ بھی ہے۔ جو رعد مرحوم کے پریس میں بہ صد آب و تاب مولانا احمد حسن مرحوم کے تحشیہ و تصحیح کے ساتھ ایک ربع صدی ہوا چھ ضخیم مجلدات میں شائع ہوا تھا۔

اس اتھاہ سمندر کو کھنگالنا آسان نہ تھا۔ اس قدر وسیع ذخیرہ سے کام لینے میں بڑی دقت نظر دیدہ ریزی، جانفشانی و ذوق سلیم کی ضرورت تھی۔ الحمد للہ نکلسن اس میدان کے پورے مرد نکلے۔ اور کم از کم جہاں تک پہلے دو دفتروں کا تعلق ہے۔ بلا شائبہ مبالغہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ صحت کے اس التزام اور اس احتیاط کے ساتھ مرتب کیا ہوا مثنوی کا شاید کوئی دوسرا نسخہ اس وقت موجود نہ ہو۔

مشاہیر اساتذہ کے کلام سے متعلق ایک بڑی دقت ہمیشہ یہ رہتی ہے۔ کہ مختلف اسباب و اغراض سے لوگ دانستہ یا نادانستہ ان کے کلام میں جہاں تک کہ کچھ عرصہ کے بعد اصل و نقل سونا اور پیتل خلط ملط ہو کر ایک ہو جاتا ہے۔

مثنوی کی عمر اس وقت تقریباً سات سو سال کی ہے۔ اس طویل مدت میں خدا معلوم اس پر کتنے انقلابات گذر چکے۔ آج جو بلند ہمت اپنی تحقیق کے دست و بازو سے کام لے کر اس کے کھرے کو کھوٹے سے جدا کر سکے۔ وہ ہزار آفرین کا مستحق

اور صد ہزار تحسین کا سزاوار ہے۔ نکلسن کا یہ کارنامہ آئندہ نسلوں کو یاد رہے گا۔ کہ اجنبی ہو کر اس وادی کے چپے چپے کو چھان ڈالا۔

مولانا چونکہ ضابطے کے شاعر نہ تھے۔ نہ انہوں نے کسی استاد سے اپنے کلام پر اصلاح لی تھی۔ نہ شعر گوئی کی مشق کی تھی۔ نہ فن عروض و قافیہ پر وقت صرف کیا تھا۔ اس لئے قدرتاً ان کی شاعری ان قیود سے بالکل آزاد ہے۔ جو رسمی اور باضابطہ شاعروں نے عموماً اپنے اوپر عاید کر رکھی ہیں۔ ان کا کلام سرتا پا آمد ہے۔ جوش بیان کا ایک دریا ہے۔ جو امنڈا چلا آتا ہے۔ انہیں اگر فکر اور پروا تھی۔ تو اس امر کی کہ ان کے قلب پر جو واردات ہو رہی ہیں۔ انہیں کہہ ڈالیں۔ نہ یہ کہ صنائع لفظی قواعد لغوی و ضوابط عروضی کے چکر میں گرفتار رہیں۔ اس لئے لامحالہ ان کے کلام میں بہت سی ایسی چیزیں رہ گئیں۔ جن کو عام شاعروں کے نقطۂ خیال سے خامیاں اور لغزشیں کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ بلبل کے ترنم پر سارنگی اور طبلے کی پابندیاں عاید کرنا کہاں تک قرین انصاف ہو سکتا ہے؟

مثنوی کے قلمی نسخوں کے اکثر کاتب صاحبان نے ازراہ ہمدردی اس قسم کی لغزشوں کو درست کر دینا چاہا ہے۔ اس طرح مولانا کو اچھی خاصی اصلاح دیدی۔ نکلسن کی نظر اس پہلو پر خاص طور سے رہی ہے۔ اور ان سے جہاں تک ممکن ہوا۔ ان اصلاحات کو دور کر کے مولانا کا اصلی کلام پیش کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ دفتر اول میں ایک شعر تھا۔ ؎

گفت زن آیا عجب یار منی ۔۔۔ یا بحیلت کشف سرم می کنی

اس کے پہلے مصرع کے قافیہ کو درست کرنے کے لئے کاتبوں نے اسے یوں لکھ دیا۔ ع

گفت زن آہنگ برم می کنی

دفتر اول میں ایک اور شعر ہے ؎

گفت خصم جان جان من چوں شدم ۔۔۔ بر سر جانم لکدها چوں زنم

اس کے پہلے مصرع کی اصلاح کاتبوں نے یوں کر دی۔ ع

گفت خصم جان جان چوں آمدم

بعض مقامات پر سرے سے شعر ہی کو بدل دیا ہے۔ مثلاً دفتر اول میں ایک اصل شعر یہ تھا ؎

بت سیہ آب ست اندر کوزۂ ۔۔۔ نفس مر آب سیہ را چشمۂ

بہت سے نسخوں میں یہ شعر اس صورت میں نظر آتا ہے ؎

بت سیہ آب ست در کوزہ نہاں ۔۔۔ نفس مر آب سیہ را چشمہ دان

یا ایک اور شعر دراصل یوں تھا ؎

گفت روبہ صد سپاس آں شیر را ۔۔۔ کزبس آں گرگ درخواند مرا

اس میں قافیہ میں نقص تھا۔ اس نقص کی اصلاح کے لئے شعر ہی کی حالت بدل دی گئی ہے۔ اور اب آپ کے سامنے وہ اس شکل میں آتا ہے ؎

روبہ آں دم بر زبان صد شکر راند کہ مرا شیر از پس آں گرگ خواند

اسی طرح مولانا کا یہ شعر ؎

گر بہ گیرم مار و دندانش کنم تاش از سر کوفتن ایمن کنم

مسخ ہو کر اس شکل میں پیش ہوتا رہتا ہے ؎

گر بہ گیرم بر کنم دندان مار تاش از کوسر کوفتن نبود قرار

قدیم و متروک الفاظ و تراکیب بھی جدید نسخوں میں رفتہ رفتہ اصلاح شدہ صورتوں میں نظر آتے ہیں۔ مثلاً "شکست" کے بجائے "مے گست" اور "بسکلد" کے بجائے "بگسلد" اور "شیر گیری سازی" کے بجائے "مکر و شیر اندازی"۔ وقس علیٰ ہذا۔

عموماً پروفیسر نکلسن نے یہ طریقہ رکھا ہے۔ کہ شعر جس صورت میں انہیں مولانا کے اصلی کلام ہونے کے لحاظ سے اصح معلوم ہوا۔ اس طرح اُسے انہوں نے متن میں جگہ دیدی۔ باقی اس پر جو دوسرے نسخے تھے۔ انہیں وہ حواشی ذیل میں جگہ دیتے گئے ہیں تاکہ ناظرین کے سامنے ان کی ترجیحی رائے کے ساتھ ساتھ مختلف نسخوں کی عبارتیں بھی آجائیں۔ اور اس باب میں انہوں نے اتنی احتیاط برتی ہے۔ کہ بہت ہی خفیف اور جزئی اختلافات تک کو بھی درج کر دیا ہے۔ مثلاً دفتر دوم میں انہوں نے اس شعر کو متن میں جگہ دی ہے ؎

چوں رود خواجہ بجائے ناشناس در غلام خویش پوشاند لباس

اور اس کے حاشیہ میں "خواجہ" کے بجائے "میرے" کا نسخہ دیا ہے۔ یا پھر اسی دفتر دوم میں متن میں یہ شعر دیا ہے ؎

ہندوان را اصطلاح ہند مدح سندیاں را اصطلاح سند مدح

اور حاشیہ میں "ہندوان" کے بجائے "ہندیان" کا نسخہ دیا ہے۔

اس قسم کے حواشی سے کتاب کا ہر صفحہ لبریز نظر آتا ہے۔ مجموعی تعداد ہزاروں تک پہنچے گی۔ بعض اشعار جو عام طور پر مطبوعہ نسخوں میں درج ملتے ہیں۔ نکلسن کی تحقیق میں الحاقی ثابت ہوئے۔ ان کو بھی متن سے نکال کر حاشیہ میں جگہ دے دی گئی ہے۔ دو چند اشعار اس قسم کے بھی ملاحظہ ہوں ؎

درحق او نور و درحق تو نار درحق او ورد و درحق تو خار

درحق او نیک و درحق تو بد درحق او قرب و درحق تو رد

(دفتر دوم۔ عنوان۔ عتاب کردن حقتعالیٰ موسیٰ را)

چونکہ عیسیٰ دید کان ابلہ رفیق جز کہ استیزا نمی داند طریق

می نگیرد پیدرا از ابلہی بخل می پندار دا و از گمرہی

(دفتر دوم، عنوان، تمامی قصۂ زندہ شدن استخوانہا)

خواجہ روزے سوئے خانہ رفتہ بود در دکان طوطی نگہبانی نمود
گربۂ برجست ناگہ در دکان بہر موشے طوطیک از بیم جان

(دفتر اول عنوان حکایت مرد بقال و طوطی)

اس قسم کے الحاقی اشعار کی تعداد بھی کثیر ہے۔

نکلسن کے اس نسخہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ اشعار پر ہر پانچ شعر کے بعد مسلسل نمبر پڑے ہوئے ہیں۔ جس سے ناظرین کو مختلف سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دفتر اول کے کل اشعار مندرجہ متن کی تعداد ۴۰۰۳ - اور دفتر دوم میں ۳۸۱۰ - گویا کل جلسہ دونوں دفتروں پر مشتمل ہے۔ اپنے آغوش متن میں ۷۸۱۳ - اشعار رکھتی ہے - اور اگر الحاقی اشعار مندرجہ حواشی کو بھی ملا لیا جائے۔ تو آٹھ ہزار کے پورے ہونے میں شاید ہی کچھ کسر رہ جائے گی۔

دونوں دفتروں کے آغاز میں جو دیباچے دئے ہیں۔ وہ بعض جزئیات میں کانپوری نسخہ نیز عام مطبوعہ نسخوں سے مختلف ہیں۔ لیکن بلحاظ مطالب اختلاف نہیں رکھتے۔ مولانا کے کلام کے ہر قدر شناس کو خدا سے دعا کرنی چاہئے کہ بقیہ چار دفتروں کی طبع و اشاعت کا بھی ایسا ہی، بلکہ اس سے اور بہتر سامان تمام ہم پہنچ جائے [۵]

عبدالماجد

ندوۃ القریش

ندامتی حقوق کا مسئلہ ہنوز زیر غور ہے۔ کاغذات محکمہ مال کے دفتر اعلے میں پہنچ چکے ہیں۔ اور معلوم ہوا ہے۔ کہ ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے جواب کا انتظار ہے۔ اور یہ تعویق و تاخیر محض اسی تساہل کی وجہ سے ہے۔ جو اہلکار متعلقہ ضلع گورداسپور کی طرف سے ہو رہا ہے۔ تعجب ہے کہ اس معاملہ میں گورداسپور ہی کو کیوں اسقدر احتیاط لاحق ہو رہا ہے۔ بہر حال حالات امید افزا ہیں۔ اور انشاء اللہ تعالے اراکین ندوہ اپنی اس جدوجہد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالے۔

جن احباب کے اسمائے گرامی مجلس عاملہ شمولیت وفد کیلئے منتخب کر چکی ہے۔ اور جو احباب شرکت کی منظوری دے چکے ہیں۔ وہ ہماری اطلاع کا انتظار کریں اور جونسی تاریخ کے لئے انہیں یاد کیا جائے۔ مقام مقررہ پر تشریف لانے کی تکلیف فرمائیں۔ اور اپنے ذاتی مشاغل سے فرصت پانے کی ابھی سے فکر رکھیں۔ حرکت میں برکت اور جماعت میں کرامت ہے۔ انشاء اللہ تعالے۔ ہماری مساعی ضرور بار آور ہونگی و باللہ التوفیق۔

---

[۵] کتاب ہندوستان میں بمبئی کے مشہور انگریزی کتب فروش تھیکر کمپنی کے ذریعہ سے مل سکتی ہے۔

عبدالرحمٰن اول فرمانروائے اندلس

(از جناب نسیم انہونوی)

اسپین جو کسی زمانہ میں اندلس کے نام سے مشہور تھا۔ صدیوں تک مسلمانوں کا دارالحکومت رہا۔ مگر افسوس نیرنگیٔ زمانہ نے اسی مقام کو جہاں اسلامی جاہ و جلال نے چار دانگ عالم میں شہرت حاصل کی تھی۔ آج مسلمانوں سے ایسا خالی کر دیا۔ کہ یہ کہنا بھی خواب و خیال سے زیادہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ کہ یہاں بھی اسلامی حکومت تھی۔ اور اسی سرزمین اندلس میں مسلمانوں نے ہزارہا گوہر بے بہا سپرد خاک کر دیئے۔ جن کے شوق نے اس زمین پر ایسی ایسی عمارتیں تعمیر کیں۔ کہ دنیا آج تک ان کی تمثیل نہ پیش کر سکی؛

گردش زمانہ نے ایسا انقلاب پیدا کیا۔ کہ آج ان کے کھنڈر بھی اس قابل نہیں رہے۔ کہ اپنے متقدمین کی یاد دلا سکیں تاریخ اندلس کوئی معمولی تاریخ نہیں۔ مگر افسوس کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے ان بزرگوں کے کارناموں سے جنہوں نے سمندر میں گھوڑے ڈال دیئے تھے۔ پانچ فی صدی سے زائد واقف نہیں؛

تاریخ اسلام میں یوں تو ہزارہا ایسے شیر پیدا ہوئے۔ جن کا نام جنگ و جدل کے ذکر میں ہمیشہ بالا رہیگا۔ مگر طارق جنہوں نے اسپین پر فتح کا جھنڈا لہرایا۔ اپنی عدیم المثال بہادری اور شجاعت سے وہ کارنمایاں کئے۔ جنہیں سنکر آج بھی مشرکین کے دل دہل جاتے ہیں۔ کچھ ایسے زیادہ مشہور ہو چکے ہیں۔ کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ آپ کے نام نامی سے واقف ہے؛

جن ایام میں دمشق کی مسند خلافت پر ولید بن عبدالملک متمکن تھے۔ اور مشرق سے غرب تک آپ کے فرمان پر تمام اسلامی حکام سر جھکانے کو تیار رہتے۔ انہیں ایام میں والی افریقہ موسےٰ بن نصیر نے اپنے غلام طارق بن زیاد بربری کو اندلس پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ طارق نہایت ہی شجاع اور بہادر تھے۔ آپ کا سینہ کلام الٰہی کی سچی تعلیم سے معمور تھا۔ آپ نے اندلس میں بڑے بڑے کارنمایاں کئے۔ اور آخر کار موسیٰ بن نصیر بھی اندلس جا پہنچے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد خلیفہ ولید نے موسیٰ بن نصیر کو معزول کر دیا؛

ان ایام میں عباسیوں نے زور پکڑا۔ اور خلافت امویہ پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے ان کے آخری خلیفہ کو قتل کر دیا۔ اس درمیان میں اسپین کی حکومت نہایت ہی ابتری کی حالت میں تھی۔ کبھی تو وہاں بنی امیہ کا کوئی سردار حاکم ہو جاتا۔ اور کبھی وہیں کے باشندے آپس میں لڑ جھگڑ کر کسی کو حاکم بنا دیتے۔ آخر کار اسپین والوں نے یوسف بن عبدالرحمٰن فہری کو اپنا حاکم بنا لیا؛

۱۳۳ھ میں جب عباسیوں نے اپنے مظالم کی انتہا کر دی۔ تو اموی بری طرح قتل ہونے لگے۔ اکثر اپنی جانیں لے کر بھاگ گئے انہیں لوگوں میں عبدالرحمٰن بن معاویہ بھی تھے۔ یہ اپنے غلام کے ہمراہ دشت و جبل طے کرتے مصر پہنچے۔ اور وہاں سے مکناسہ چلے گئے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے اپنے غلام کو اندلس روانہ کیا۔ تاکہ وہ وہاں امویوں کو مجتمع کر کے لوگوں کو

اس کی دعوت دے۔ اور خود ملیلۃ جا پہنچا؛

عبدالرحمٰن کے غلام نے اندلس میں کافی کامیابی حاصل کی۔ اس نے قبیلہ یمانیہ اور مضریہ میں کچھ ایسا تفرقہ ڈالا۔ کہ یمانیہ اس کا طرفدار ہوگیا۔ یہ موقع اچھا تھا۔ وہ فوراً اس قبیلے کے معززین کو ہمراہ لے کر عبدالرحمٰن کے پاس جا پہنچا۔ اور یہ دیکھ کر کہ ایک تعداد کثیر اطاعت پر تیار ہے۔ عبدالرحمٰن داخل اندلس ہوا۔ یہ واقعہ ۱۳۸ھ کا ہے۔ جبکہ خلافت دمشق پر ابوجعفر المنصور عباسی متمکن تھے؛

اندلس میں پہنچتے ہی اشبیلیہ کی ایک بڑی جماعت نے اس کی بیعت کی۔ اس کے بعد وہ رجب میں پہنچا۔ وہاں کے حاکم عیسےٰ بن منصور نے بھی اطاعت کے لئے سر تسلیم خم کر دیا۔ ان کامیابیوں کے بعد شدونہ اور مورور میں عتاب بن علقمہ اور ابن صباح نے اس کی بیعت کی۔ اور تمام قبیلہ یمانیہ نے اس کی اطاعت قبول کر لی؛

جب یہ سب کچھ ہو چکا۔ تو یوسف بن عبدالرحمٰن فہیری کو خبر ہوئی۔ جو اس وقت دوسرے ممالک میں مصروف جہاد تھا۔ اس نے اپنی فوج جمع کر کے قرطبہ کا رخ کیا۔ عبدالرحمٰن سے جنگ ہوئی۔ اور اس میں عبدالرحمٰن کو شکست اٹھانا پڑی۔ اس لئے وہ مالقہ اور برندہ سے گذر کر شریش پہنچا۔ وہاں کی تمام افواج نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اس کے علاوہ بھی اکثر شہروں سے اس کی امداد کے لئے فوجیں آگئیں۔ انہیں ایام میں قبیلہ مضریہ بھی اس کا مطیع و منقاد ہوگیا۔ اب یوسف کا زور گھٹ گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا۔ کہ عبدالرحمٰن نے سخت حملہ کر کے یوسف کو مقام قرطبہ میں شکست دی۔ جہاں سے وہ غرناطہ بھاگ گیا؛

عبدالرحمٰن کو قرار نہ آیا۔ اس نے تعاقب کیا۔ آخرکار یوسف کی خواہش پر صلح ہوگئی۔ اور یوسف نے قرطبہ ہی میں رہنے کا اقرار کیا؛

یوسف نے صلح تو کر لی۔ مگر اس کے دل کو چین نہ آیا۔ آخرکار تھوڑے دنوں کے بعد وہ خلاف شرط قرطبہ سے طلیلہ چلا گیا جہاں بیس ہزار بربریوں کی افواج نے اس کی اطاعت کر لی۔ جب عبدالرحمٰن کو اس کی خبر ہوئی۔ تو اس نے اس کی سرزنش کے لئے ایک جرار لشکر روانہ کیا۔ جس کے مقابلے میں یوسف کو شکست ہوئی اور اس کے دوستوں نے سازش کر کے اس کا سر کاٹ کر عبدالرحمٰن کے پاس بھیجدیا۔ اب عبدالرحمٰن نہایت ہی امن و سکون کے ساتھ اندلس پر حکومت کرنے لگا؛

یوسف فہیری کے قتل کے بعد عبدالرحمٰن کو یہ فکر دامنگیر ہوئی۔ کہ وہ مغرب میں حکومت امویہ کا اقتدار قایم کرے۔ چنانچہ اس نے قرطبہ کو اپنا پایہ تخت بنا کر اس کی چہار جانب پختہ فصیل تعمیر کرائی۔ اندلس کو چھ صوبوں میں منقسم کر کے جا بجا فوجیں مقرر کیں۔ تاکہ ہر طرف امن و سکون قائم رہ سکے۔ ملک کی سرسبزی و شادابی کے لئے اس نے محکمہ آبرسانی قائم کیا۔ ہر جگہ پانی کے نل بچھائے گئے۔ اس کی وجہ سے سارا ملک خوشحال ہوگیا۔ عبدالرحمٰن نے قرطبہ میں ایک عالی شان مسجد کی بنیاد قائم کی۔ جو جامع قرطبہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے تقریباً اسی ہزار دینار اس کی تعمیر میں صرف کر دیئے۔

مگر یہ اس کے عہد حکومت میں مکمل نہ ہو سکی۔ آخر کار اس کے بیٹے ہشام نے جو اس کے بعد والیٔ اندلس ہوا۔ اس کی تکمیل کر دی جامع قرطبہ دنیا میں عدیم النظیر مسجد تھی۔ اس کی وسعت اور خوشنمائی قابل تحسین تھی۔ اس کے علاوہ بھی اس نے اکثر قصر بنوائے۔ اور قرطبہ کو انتہائی عروج پر پہنچا دیا؛

عبدالرحمٰن نہایت ہی بہادر اور شجاع تھا۔ اور ساتھ ہی بہت بڑا عالم اور فاضل بھی تھا۔ اس کی علمی قابلیت اور تیز فہمی کی ہر جانب دھوم تھی۔ وہ عیش پسند نہ تھا۔ کبھی دوسروں کے سہارے نہ رہتا تھا۔ یوسف فہری کے بعد بھی اکثر بغاوتیں ہوئیں۔ کئی بار اس امر کی کوشش کی گئی۔ کہ اندلس میں دعوت عباسیہ دی جائے۔ مگر عبدالرحمٰن کے بڑھے ہوئے حوصلوں نے مخالفین کو ہر مرتبہ پس پا ہونے پر مجبور کیا۔ آخر کار نتیجہ یہ نکلا۔ کہ عبدالرحمٰن کی شان و شوکت کا سکہ بیٹھ گیا۔ خلیفہ منصور عباسیہ کا کوئی زور نہ چل سکا۔ اور امویوں نے اندلس کو اپنا بنا کر چھوڑا۔ یہ ضرور ہوا۔ کہ عبدالرحمٰن کو ہر سال قریب قریب ایک نہ ایک مخالف سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر پیہم کامیابیوں نے اس کا دل بڑھا دیا تھا؛

عبدالرحمٰن نے ۳۲ سال تک نہایت جاہ و جلال کے ساتھ اندلس پر حکومت کرنے کے بعد ۶۱ سال کی عمر میں ۱۷۲ھ میں اس دنیائے فانی سے کوچ کیا۔ یہ حالانکہ خود مختار تھا۔ مگر اس نے اپنے تئیں امیر ہی سمجھا۔ کبھی خلافت کا مدعی نہ ہوا۔

قریش کی نمایندہ جماعت

ندوۃ القریش کے مقاصد

۱ ۔ تبلیغ و اشاعت اسلام؛
۲ ۔ انسداد رسومات قبیحہ؛
۳ ۔ تعلیمی، معاشری، اقتصادی، اور زراعتی ترقی کے وسائل پر عمل؛
۴ ۔ اتحاد و یگانگت، اخوت و مروّت، صلہ رحمی و ایثار۔ استقلال و ثبات، حسن اخلاق؛
۵ ۔ احسان، ہمدردی و رواداری کی خو پیدا کرنا؛
۶ ۔ اعمال حسنہ سے روابط و ضوابط باہمی مستحکم استوار کرنا؛
۷ ۔ قومی تنظیم؛
۸ ۔ غیر مستطیع مستحقین کی مناسب امداد و اعانت؛

چندہ داخلہ عہ۔ چندہ ممبری سالانہ عہ پیشگی یکمشت

مدنی کھجور

اے نہالِ باغِ وحدت اے مدینے کی کھجور
ساری دنیا میں نہیں تیرے قرینے کی کھجور

ایستادہ ایک پاؤں سے ہے کس کی راہ میں
جس طرح سیدھا الف تحریر ہو اللہ میں

عرش فرسا ہے جہاں میں قامتِ بالا ترا
کیونکہ محبوب خدا ہے چاہنے والا ترا

شجر ہے توحید کا تو نالیاں تجھ میں نہیں
ایک ہی سیدھا تنہ ہے ڈالیاں تجھ میں نہیں

جس کی خدمت سے ہوئی حاصل سرافرازی تجھے
آسماں میں آگئی کیونکہ ہوا بازی تجھے

عرش سے کرتی ہے باتیں کچھ نہ کچھ اسرار کی
تجھ پہ آتی ہے حقیقت میں خبر بے تار کی

پیدا ہوتے ہی نظر میں عالمِ بالا رہا
سبز بختی سے ہمیشہ رنگ ہریالا رہا

کسقدر خوش ذائقہ شیریں ہیں تیرے پھل کھجور
بند ہو جاتے ہیں لب کھاتے ہیں جس دم ذیشعور

تیری شیرینی جہاں میں رشکِ شہتوت ہے
شاخ ہے شاخِ زمرد اور پھل یاقوت ہے

تو نے چکھا ہے لبِ شیرینِ احمد کا مزا
ہے زباں پہ آجتک میمِ محمد کا مزا

مدھ بھرا جوبن شراب عشق سے مخمور ہے
تو سراپا نور ہے باغِ جہاں میں حور ہے

ہائے یتیم کی جدائی میں یہ بدحالی ہوئی
سرخ رنگت سانورے کے عشق میں کالی ہوئی

سرزمینِ ہند گو تیرے لئے بے سود ہے
خوشنما ہے رنگ و بو ابتک وہی موجود ہے

بادۂ وحدت کے ملتے ہیں مزے تجھ میں کھجور
ذائقۂ عرفاں کا پہنچایا ہے تو نے دور دور

میں ترے قربان جاؤں اے مدینے کی کھجور
بول اٹھ کہدے زبانِ حال سے اتنا ضرور

سچ بتا تیرا وطن کب سے مدینے میں ہوا
کس زمانے کس برس میں کس مہینے میں ہوا

نخلِ طوبےٰ کو فقط خلدِ بریں آئی پسند
کس لئے تجھ کو مدینے کی زمیں آئی پسند

یہ کھجوریں توڑتا ہے کون سا مالی تری
اور بجلی سے کیا کرتا ہے رکھوالی تری

کس رنگیلے نے بھرا ہے بادۂ عرفاں کا رس
آگیا ہے کس طرح تجھ میں لبِ جاناں کا رس

کلمۂ توحید پھونکا کس نے تیرے کان میں
آپ ہی تو یوں کھڑی رہتی ہے یا میدان میں

گفتگو سب سن رہی تھی میری جھولی میں کھجور
یوں خلیق زار بولی اپنی بولی میں کھجور

اے مسلمانو! خبر بھی ہے مدینے کی زمین
عالمِ ایجاد میں بے غبہ ہے خلدِ بریں

اس زمیں کی خاک پہ حور و ملک شیدا ہوئے | اس زمیں میں آپ محبوبِ خدا پیدا ہوئے
دیکھنے آئی تھی جرأت سے اسی کے نور کو | کر دیا بے نور جس نے جلوہ گاہِ طور کو
پہنچتا ہے آبِ زمزم سے وہی مالی مجھے | فیض سے اس کے ملی سوئے کی ہرڈالی مجھے
رس اسی کے ہے لبوں کا مجھ میں شیرینی نہیں | رنگ ہے رنگت کا اس کی اور رنگینی نہیں
کلمۂ توحید کی اس نے بجائی بانسری | موہنی ڈالی زمانے کو سنائی بانسری
سوزِ دل مجھ کو ملا ہے گلشنِ ایجاد میں | ایک پاؤں سے کھڑی رہتی ہوں اسکی یاد میں

دوست دشمن ایک ہیں میری نظر میں بالضرور
جو کہ پتھر مارتے ہیں وہ بھی پاتے ہیں کھجور

خلیق دہلوی

بلدیہ امرتسر اور نو آبادیات

بلدیہ امرت سر کی بے پرواہی سے تنگ آکر نو آبادیات امرتسر کیطرف سے اخبارات میں مراسلات شائع ہوئے۔ کمشنر لاہور ڈویژن اور وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ کی خدمت میں محضر نامے ارسال کئے گئے۔ تو بلدیہ نے بجلی کے چند کھمبے لگوا کر باشندگان نو آبادیات کی اشک شوئی کر دی۔ اور اس کے بعد پھر گہری نیند سو گیا؛

بلدیہ ان آبادیات سے باقاعدہ ٹکس وصول کرتی ہے۔ اور گلی کوچوں اور بازاروں پر تصرف کی دعویدار ہے۔ بلا اجازت تعمیر شدہ تھڑوں۔ اڈوں اور چھپروں کو منہدم کرنے کے لئے مصر ہوتی ہے۔ لیکن کس قدر رنج و افسوس کا مقام ہے۔ کہ باشندگان نو آبادیات کے آرام و آسائش اور صحت کی ذرہ بھر پرواہ نہیں کی جاتی؛

شریف گنج۔ کوٹ دو نیچند۔ گو کلپورہ حسین پورہ اور کوٹ گھنے زیاں کے نام سے جو آبادیاں شہر کے بالکل قریب دروازہ مہاں سنگھ کے باہر واقع ہیں کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ گندے پانی کا باقاعدہ نکاس نہ ہونے کی وجہ سے یہ آبادیاں مختلف النوع امراض کی آماجگاہ بنی ہوئی ہیں۔ زہریلے جراثیم اور مچھر پسو و دیگر ہمہ قسم حشرات الارض سے باشندگان کی زندگی تلخ ہو رہی ہے۔ اور میونسپلٹی احکام نافذ کرنے کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ بازاروں کوچوں میں گندے پانی اور کیچڑ کے گڑھوں کی اسقدر کثرت ہے۔ کہ گذرنا مشکل ہے۔ عفونت سے امراض بڑھ رہی ہیں۔ اور لوگوں کی صحت پر بہت برا اثر ہو رہا ہے۔ چونکہ موسم خراب آ رہا ہے۔ اور میونسپلٹی باشندگان کی تکالیف کی کچھ پرواہ نہیں کرتی۔ اس لئے بامر مجبوری صاحب کمشنر بہادر لاہور ڈویژن اور وزیر بلدیات کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے۔ کہ وہ بہ نفس نفیس موقعہ ملاحظہ فرمانے کی تکلیف گوارا کرتے ہوئے غریب باشندگان نو آبادیات کی پریشانیوں کا موازنہ فرمائیں۔ اور بلدیہ کو حکم دیں کہ وہ ان تکالیف کے سدباب کا فوری انتظام کرے؛

سیاحتِ خسروی

سلطان ابن سلطان خاقان زمان اعلیحضرت جہاں پناہ حضور نظام عالی مقام خلد اللہ سلطنتہٗ و حشمتہٗ نے دہلی کو قدوم میمنت لزوم سے مشرف و مفتخر فرمایا۔ جہاں حضور نے ہز ہائی نس میر خیرپور سندھ اور ان کے سٹاف کو دعوتِ طعام دینے کے علاوہ مہاراجہ پٹیالہ۔ مہتر چترال اور کئی عمائدین شہر کو شرف باریابی بخشا۔ ۲۷ فروری کو وائسرائے سے ۱½ گھنٹہ تک تخلیہ کی ملاقات رہی۔ حکیم محمد جمیل خان صاحبزادہ حکیم اجمل خان مرحوم کو بھی شرف حضوری و مکالمت حاصل ہوا۔ دہلی میں دونوں شہزادیاں یعنی شہزادی دردانہ بیگم و شہزادی فرحت بیگم کچھ علیل ہو گئی تھیں۔ ۲۹ فروری کو ان کو غسل صحت ہوا۔ اور لیڈی ولنگڈن ویسرانی صاحبہ غسل صحت کی مبارکباد دینے کے لئے خود آئیں۔ ۲۸ فروری کی سہ پہر کو ایک عظیم الشان گارڈن پارٹی دینے کے بعد رات کو خسرو دکن ایک دن کے لئے رام پور تشریف لے گئے ۲۹ فروری کی صبح کو اعلیحضرت رام پور پہنچے۔ ہز ہائینس نواب صاحب بہادر مع ارکان اسٹاف و جملہ منسٹران سپیشل کی پیشوائی کے لئے حاضر تھے۔ رام پور میں قلعہ معلے اور کتب خانہ اور جواہر خانہ کا ملاحظہ فرمایا گیا۔ ولیعہد رام پور سے ملاقات فرمائی۔ اعلیحضرت نے ایک تقریر کے دوران میں فرمایا موجودہ فرمانروائے رامپور مجھے چچا کہتے ہیں۔ اور میں بھی ان کو اپنا بھتیجا ہی جانتا ہوں۔ میں نے رام پور میں دوبارہ آنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ اور حیدر آباد بھی ان کے چچا کا گھر ہے۔ جب چاہیں۔ آئیں۔ نواب صاحب رام پور نے جواب میں اعلیحضرت کا شکریہ ادا کیا؛

یکم مارچ کو اعلیحضرت صبح کے ۱½ ۶ بجے کے بعد لکھنؤ پہنچے۔ لکھنؤ کے ہندو مسلم باشندگان نے استقبال اور خیر مقدم میں اس جوش و خروش اور خلوص کا اظہار کیا۔ کہ اس کی نظیر ملنی محال ہے۔ باشندگان شہر نے ذات شاہانہ کے اعزاز میں ایک شاندار ایٹ ہوم دیا۔ جہانگیر آباد اور نان پارہ کی ریاستوں اور جسٹس سر وزیر حسن کے ڈنر اور ایٹ ہوم بھی بڑے کامیاب رہے۔ ۵ مارچ کو ندوۃ العلماء اور مدرستہ الواعظین کا معائنہ فرمایا۔ لکھنؤ کے قابل دید مقامات کی سیر کی۔ اور سابق شاہان اودھ کے محبوب ترین دارالحکومت کے باشندوں کا شکریہ ادا کیا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ حضور نظام نے لکھنؤ میں ۲۵ ہزار روپے مختلف اداروں کو تقسیم فرمائے۔ اور دہلی میں بھی پندرہ ہزار روپے زیارات کو دیئے۔ ۹ مارچ کو اعلیحضرت حیدر آباد پہنچ گئے؛ معلوم ہوا ہے۔ کہ اعلیحضرت حضور نظام اگلے سال رام پور۔ لکھنؤ۔ دہلی وغیرہ کے بعد لاہور بھی تشریف لائیں گے؛

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

النجات

پہلا باب

ایمان

(گذشتہ سے پیوستہ)

اگرچہ ان مذکورہ مختلف فرقوں کی تفصیل چنداں ضروری نہیں۔ مگر بغرض ضیافتِ طبع ناظرین غیر ضروری بھی نہیں۔ کتاب دبستان مذاہب میں لکھا ہے۔ کہ آٹھویں صدی عیسوی کے دوران میں پہلی تقسیم اسلام نے دو بڑے (جنرل) فرقوں سُنّی اور شیعہ میں اختیار کی۔ اور پھر اس کے بعد فرقہ شیعہ کے اندر چھ اور بڑے بڑے فرقے قائم ہو گئے۔ یعنے رافضیہ۔ خارجیہ۔ جبریہ۔ قدریہ۔ جہمیہ۔ مرجئہ۔

پھر ان چھ میں سے ہر ایک کے اندر بارہ بارہ اور فرقے قائم ہو گئے۔ گویا جنرل فرقہ شیعہ کے اندر کل بہتر فرقے قائم ہو گئے اور تہتر واں جنرل فرقہ سنی (اہل سنت والجماعت) کا بدستور قائم رہا۔

پھر ان کے اندرونی مسالک ہر ایک فرقہ کے اندر اتنے کثیر قائم ہو گئے۔ کہ اگر ان سب کو بالتفصیل لکھا جائے۔ تو ایک خاصی ضخیم کتاب بن جائے۔

مثلاً فرقہ سنی کے اندر چار مسالک۔ حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی قرار پائے۔ کہ جن میں باہمی مصالحانہ برتاؤ اور ارتباط ہے صرف وہ چند فروعی مسائل ہیں۔ کہ جن میں باہمی اختلاف ہے نہ کہ اصولی۔

مگر فرقہ شیعہ کو اہل سنت والجماعت کے ساتھ مصالحانہ برتاؤ اور ارتباط نہیں ہے۔ کیونکہ ان دونوں جنرل فرقوں کے اندر بعض اصولی مسائل میں باہمی اختلاف ہے۔ نہ کہ فروعی میں۔

فرقہ رافضیہ کے اندر تین مسلک ہیں۔ اثنا عشریہ۔ اسماعیلیہ۔ زیدیہ۔ پھر اثنا عشریہ کے اندر تین مسلک در مسلک ہیں۔ اخباری۔ اصولی۔ معتزلہ۔ اور اسماعیلیہ مسلک کے اندر دو مسلک در مسلک۔ خوجہ۔ بورہ قرار پائے۔ جیسا کہ کتاب شرح شرع محمدی سید امیر علی خان صاحب بہادر میں درج ہے۔ فقس علیہ الباقی۔

ناظرین کو شاید تعجب ہوگا۔ کہ اسلام پاک کی ایک ہی سرسبز بیل کے ثمرات کیوں مختلف اللون ہو گئے۔ اگر بنظر تعمق تھوڑی سی بھی توجہ کی جائے تو کوئی جائے اعجاب نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ ایک ہی سرسبز بیل میں چند پختہ خربوزے

لگے ہوئے موجود ہیں۔ مگر ان کی شکل وصورت ایسی مختلف اور جداگانہ ہے۔کہ اگر وہ بیل سے علیحدہ کئے جائیں۔ تو یہ گمان بھی نہ گذرے۔کہ ایک ہی بیل کے یہ خربوزے ہیں۔کیا از روئے شکل وشباہت اور کیا از روئے رنگ ومزہ - قدوقامت - بودوباش ؛ ان سب میں سے ایک خربوزہ تو واقعی اعلےٰ اور ایسا ہے۔کہ جیسا ہونا چاہئے۔ مگر دوسرے بگڑے ہوئے اور خراب خربوزوں کی شکل صاف صاف یہ کہہ رہی ہے۔کہ برائے نام یہ خربوزے ہیں۔ ورنہ ان میں خربوزوں کی کوئی بھی کیفیت نہیں۔ حالانکہ یہ سب خربوزے ایک ہی بیل میں ایک ہی وقت ایک ہی باغبان کے ہاتھوں کے پروردہ اور تیار کئے ہوئے ہیں ؛

پس اس وقت یہ قیاس ضرور ہی کرنا پڑے گا۔کہ ان خراب خربوزوں میں کوئی نہ کوئی بیماری پیدا ہوگئی ہے۔کہ جس کے اثر سے شکل وصورت ہی نہیں۔ بلکہ کیفیت ومزہ سب کا سب یہ کھو بیٹھے ہیں ؛ ورنہ ویسے ہی یہ بھی ہوتے۔کہ جیسے وہ ایک اصلی خربوزہ ہے ؛

اسلام کو جو مختلف فرقہ بندی کا مرض لاحق حال ہوا۔ وہ قریباً سنہ ۱۴۸ء کے اندر شروع ہوا۔جبکہ امام جعفر صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ تھا۔ نہ معلوم کہ کس ذاتی غرض کی وجہ سے امام صاحب موصوف نے عام مسلمانوں میں سے فرقہ شیعہ الگ قائم کردیا ؛

اس سے تھوڑا عرصہ بعد امام محمد ابو حنیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں ایک مذہبی یونیورسٹی (دارالعلوم) قائم کرنے کی وجہ سے ان مسلمانوں کے پیشوا قرار پائے۔کہ جن میں سے شیعہ لوگ ابھی عنقریب الگ ہوگئے تھے۔اور جو سنی (اہل سنت والجماعت) کہلائے جاتے تھے ؛

اب قیام یونیورسٹی کوفہ کے وقت وہ لوگ جو سنیوں میں سے یونیورسٹی کے حامی تھے۔حنفی کہلائے جانے لگے۔پس فرقہ حنفی الگ قائم ہوگیا۔

پھر ان ہر دو امام صاحبان موصوف کے بعد تو رفتہ رفتہ وہ فرقہ بندی بڑھتی گئی۔کہ جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

غرضیکہ اسلام سنہ ۱ء میں پیدا ہوا۔ اور اس وقت سے سنہ ۱۴۸ء تک کوئی فرقہ بندی تو درکنار فرقہ بندی کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اسلام بالکل خاطر جمع اور اطمینان سے بحیثیت مجموعی اس تازہ جوش وخروش کے ساتھ جو ایک سچا اور حقیقت نما جوش وخروش تھا۔ اپنی تبلیغی خدمات کو ادا کرتا رہا۔ حتےٰ کہ خوش الحان قمریاں رات دن چار دانگ گلزار عالم میں اسلام کے دل لبھانے والے گیت گارہی تھیں۔ اور اہل دنیا بڑی تعظیم وعزت سے اسلام کا خیر مقدم منا رہے تھے ؛

اگر رخنہ اندازی کے شروع ہوتے ہی بزرگوار مسلمان خدا کی ان پر رحمت ہو۔ ذرا سنبھل جاتے۔ تو آج روئے زمین پر ان کی یکجہتی کے طفیل اسلام کے سوا اور کوئی دوسرا مذہب نہ ہوتا۔ اور ہر در و دیوار سے لاالٰہ الا اللہ

کی پیاری اور پُرجوش صدا گونجتی سنائی دیتی۔ جیسا کہ اسی قلیل عرصہ میں یہی آوازہ ایشیا۔ افریقہ۔ یورپ کے بعض حصوں تک سیلِ رواں برقی رو کی طرح سنائی دیتا رہا۔ مگر آخر ع "وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے"۔ میں جملہ معترضہ میں پھنس کر اصل مطلب اور نصب العین موضوع سے دور نہیں جانکلا۔ بلکہ اسی کی حدود توضیح کے اندر ہی اندر موجود ہوں۔ پس عقیدہ تو متعلق دل کے ہے۔ اور اعمال متعلق باجسام و جوارح؛

تاوقتیکہ عقیدہ بالکل صاف (خالص) نہ ہو۔ اعمال کوئی ذریعۂ نجات نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عقیدہ بمنزلہ لوح کے ہے اور اعمال بمنزلہ حروف و نگارش۔ جب تک کہ تختی صاف نہ ہو۔ اس پر حروف عمدہ طور سے مالیقری ثبت نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ہی بدوں تختی کے وہ قائم ہو سکتے ہیں۔ کہ جن پر نجات کا کوئی بھروسہ کیا جا سکے۔ اسی واسطے عربی میں ایک ضرب المثل ہے۔ ثَبِّتْ عَرْشَكَ ثُمَّ النَّقْشُ۔

ایسا ہی تنہا عقیدہ بجز اعمال کے نجات کلی کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ گویا اسلامی عقیدہ اور اعمال دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں؛

(باقی آئندہ)

کتب خانۂ القریش کی بے نظیر کتابیں

تین خاص نمبر

القریش کے مندرجہ ذیل تین خاص بیحد دلچسپ اور قابل دید ہیں ؎

نبی نمبر | یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی منظوم و منثور واقعات نہایت دلکش پیرایہ میں تفصیل کے ساتھ دئے گئے ہیں

صدیق نمبر | حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری منظوم و منثور دلآویز پیرایہ میں بے حد دلچسپ اور بہترین دل و دماغ کا نتیجہ قابل قدر چیز ہے ؎

نظام نمبر | دولت آصفیہ کی مختصر تاریخ اور دکن کے موجودہ فرمانروا کے فضائل شہریاری کا مبسوط تذکرہ دولت آصفیہ اور سرکار انگریزی کے تعلقات دوستی کی ابتدا حملہ کرناٹک یعنی ۱۷۶۵ء سے اس وقت تک کے جستہ جستہ حالات ؎

ہر سہ نمبروں کی مجموعی قیمت - ایک روپیہ (عہ)

دیگر کتب متفرقہ

حقیقۃ السیادت | اس میں ثابت کیا گیا ہے ۔ کہ قریش کا خاندانی لقب سیّد ہے ۔ اور اس میں سے سادات بنی ہاشم کا لقب سیّد و شریف ہے ۔ جو لوگ سادات قریش کو شیخ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں غلطی کرتے ہیں ۔ اس لئے ہر قریشی کے لئے لازمی و ضروری ہے ۔ کہ وہ اپنے ناموں کے ساتھ لقب سیّد ضرور لکھا کریں ۔ کتاب قابل دید اور فتوٰی کی حیثیت رکھتی ہے ۔

حقیقۃ السیادت الہاشمیہ | ایک اعتراض کا زبردست معقول و منقول جواب بنی ہاشم کی سیادت کا ثبوت اور یہ کہ آل علی، آل عباس آل جعفر، آل عقیل سب سادات ہیں ۔ اور شریف و سیّد کے لقب سے آنحضرتؐ کے زمانہ سے اب تک ملقب رہے ہیں ۔ قیمت فی جلد صرف ۴ر

کمال معرفت ۴ر ۔ ہندو شعرا کا نعتیہ کلام ۶ر ۔ خطبات عزیزی ۴ر ۔ اخلاقی کہانیاں ۳ر ۔ حیات النبیؐ ۶ر ۔ سراج معرفت ۴ر علم غیب ۶ر ۔ ولی کی پہچان ۲ر ۔ راز معرفت ۴ر ۔ تاریخ تبلیغ الاسلام عہ ۔ غلامی پردہ ۵ر ۔ سراج الدارین ۵ر ۔ کلام صدمہ ۶ر پھول اور کانٹے ار ۔ والدین کا اثر اولاد پر ۴ر ۔ عورت کے سو کام ۴ر ۔

المشتہر
مہتمم کتب خانہ متعلقہ القریش ۔ شریف پورہ ۔ امرت سر

زیر اہتمام ہند پریس امرتسر میں محمد علی رونق پرنٹر و پبلشر نے اپنے اہتمام سے چھاپ کر دفتر القریش واقعہ شریف پورہ امرتسر سے شائع ہوا ۔

Fegd L. No. 1474.

Printed at the Wazir-i-Hind Press,
Hall Bazar, Amritsar.
Place of Publication,
Sharif Ganj, Amritsar.

Editor :—

Mohammad Ali Raunaq.

Annual Subscription Rs. 3/- Single Copy Annas 4.

نعت

از جناب ابوالجمیل دین محمد صاحب عقیل انصاری

نورِ وحدت سے مرے دل کو منوّر کر دیا
قطرۂ ناچیز کو تُو نے سمندر کر دیا

ہے تری بندہ نوازی کی یہ اے مولا دلیل
ذرہ ذرہ نور سے اپنے منوّر کر دیا

اے عرب کے چاند تیری ہر طرف ہے روشنی
نورِ عارض سے جہاں تو نے منوّر کر دیا

تجھ پہ قرباں کیوں نہ جاؤں اے محمد مصطفےٰ
شادماں تو نے جمال اپنا دکھا کر کر دیا

کتنے پیارے اس کے ہو اے احمدِ مختار تم
حق نے تم کو مالکِ فردوس و کوثر کر دیا

اے سراپا نور اپنے پرتوِ رخسار سے
تو نے روشن چرخ پر خورشیدِ انور کر دیا

اے خیالِ روئے روشن تو نے کیا بخشا فروغ
دل تو اک ظلمتکدہ اس کو منوّر کر دیا

میں رہا جاتا ہوں جاتے ہیں وہ طیبہ کی طرف
یا الٰہی جس کو تو نے صاحبِ زر کر دیا

ساغرِ امیدِ دل لبریز اس دم ہو گیا
جامِ کوثر ساقیِ کوثر نے جبکہ بھر دیا

واہ کیا کہنا ہے تیرا اے رُخِ احمد تجھے
حق نے گلزارِ رسالت کا گلِ تر کر دیا

ڈوبنے والی تھی کشتی بحرِ عصیاں میں مری
تو نے بیڑا پار میرا فضلِ داور کر دیا

جب تپش خورشیدِ محشر کی لگی ہونے عقیل
دامنِ رحمت نے سایہ عاصیوں پر کر دیا

کیوں نہ میرے لب پہ اس کی مدح ہر دم ہو عقیل
جس نے اپنے لطف سے مجھ کو سخنور کر دیا

اعتذار

حیات انسانی گوناگوں الجھنوں اور غمصوں سے پُر ہے۔ ہزار سعی و کوشش کی جائے۔ لیکن ان سے نجات نہیں ہو سکتی۔ فروری گذشتہ سے ہم کچھ ایسے واقعات و حالات سے دوچار ہو رہے ہیں۔ کہ ہزار سعی و تردد کے باوجود بھی ان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے۔ اور یہی وہ اسباب ہیں جنکی وجہ سے مارچ کی اشاعت اپریل و رمئی کی جون کیساتھ ملا کر شائع کرنے کے لئے ہم مجبور ہوئے۔ تفصیلی تذکرہ خارج از موضوع اور طویل ہے۔ اس لئے ہم اسے قطع نظر کرتے ہوئے ناظرین کرام سے مستدعی ہیں۔ کہ وہ ہماری اس معذوری کو مجبوری پر محمول کریں۔ کوشش کیجا رہی ہے۔ کہ یکسوئی ہو۔ اور "الفریش" کی اشاعت کا تواتر قائم رہ سکے ؎

قارئین کرام کا فرض ہے۔ کہ وہ توسیع اشاعت کے لئے تا بحدِ امکان کوشاں رہیں۔ تاکہ مالی تکالیف کا بوجہ احسن سدباب ہو سکے اور تواتر اشاعت کے قیام کے لئے موزوں انتظامات کئے جا سکیں ؎

جس طرح خیر و شر اور نور و ظلمت میں بُعد ہے۔ اسی طرح شرافت و رذالت باہم بضد ہیں۔ دنیا میں ہر مذاق ہر طبیعت اور ہر خیال کے لوگ موجود ہیں۔ کوئی ترقی کا جویاں ہے۔ تو کوئی تنزل کا خواہاں۔ کوئی امن پسند ہے تو کوئی نقص امن کیلئے اپنی تمام مساعی صرف کر رہا ہے۔ اور یہ قانون قدرت ہے کہ طبائع کا تصادم ہوتا ہے۔ اسلئے ہر شاکر و صابر راضی برضا رہنے میں فلاح دارین سمجھتا ہے۔ اور منحالفتوں میں اپنے عروج و ارتقا کے راز مضمر پا کر پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دیتا۔ خدا خود مہربان ہے۔ اور ارباب توکل کیلئے اپنے فضل کے راستے کھول دیتا ہے۔ تاکہ مشکلات میں انسانی کمزوری اس کے تذبذب کا کبھی موجب ہو۔ تو فضل ایزدی اس کا سہارا بن جائے۔ خدائے قادر و توانا کا شکر ہے۔ کہ صبر شکن مشکلات پیدا کر دینے کے باوصف ہم استقلال کی چٹان پر قائم ہیں اور رہیں گے۔ خدا ہمیں توفیق دے اور حامی و مددگار ہو۔ آمین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

۶۵۶

جلد ۱۸ | بابت ماہ مئی و جون سنہ ۱۹۳۲ء | نمبر ۶ و ۷

شہیدِ کربلا

بہرِ ما در خاک و خوں غلطیدہ است

پس بنائے لا الہ گردیدہ است

اسلام کا اصل اصول توحید یعنی اللہ تعالیٰ کو ذات صفات اور افعال میں واحد اور لاشریک تسلیم کرنا ہے ظاہر ہے۔ کہ اللہ ایک ایسی ہستی ہے۔ جو ان آنکھوں سے نظر نہیں آسکتی۔ یہ بات تو ہم ہر وقت ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ کہ جونہی شمع جلنی شروع ہوتی ہے۔ پروانے حاجیوں کی طرح اس کا طواف شروع کر دیتے ہیں۔ اور جب تک جل نہیں جاتے چین نہیں لیتے۔ لیکن ایک غیر محسوس۔ غیر مرئی (جو دکھائی نہ دے سکے) نور کی محبت میں اپنا مال۔ جان۔ کنبہ اور اولاد تک کو نچھاور کر دینا تاریخ گواہ ہے۔ کہ فقط مسلمانوں ہی کا شیوہ رہا ہے۔ ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں۔ ؎

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لیکر

اب انہیں ڈھونڈھ چراغِ رخِ زیبا لیکر

ساری دنیا "حاضر" اور "وعدہ امروز" پر مرتی ہے۔ ہر ایک یہی پوچھتا ہے۔ کہ اگر اس نے فلاں کام سرانجام دیا تو اسے کیا انعام یا صلہ ملیگا۔ مگر جو جماعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طیار کی۔ اس نے ایک "غائب وجود" کی محبت میں اپنا سب کچھ نثار کر دیا۔ اور محض اس امید پر قربان کر دیا۔ کہ کل کو جب قیامت کا میدان گرم ہوگا۔ "نادیدہ معبود" ان کو اپنے چاہنے والوں میں شمار کرے گا۔ تاریخ سے پوچھو۔ جن صحابیوں نے راہ خدا میں ہر مصیبت کو بصورت

قبول کیا۔ اور انتہائی تکالیف برداشت کیں۔ یہاں تک کہ ان کو اپنی جانیں بھی دیدینی پڑیں۔ ان کو اس دنیا میں کیا
ملا۔ انہوں نے اپنی جائیدادیں اور زندگیاں لٹا کر کونسی متاع دنیوی اپنے قبضے میں کی۔ انہوں نے آبائی مذہب کو
ترک کر کے۔ اپنوں سے بیگانہ کر کیا فائدہ حاصل کیا۔ آہ ان کا مدعا کچھ اور تھا۔ ان کی آرزو یہی تھی۔ اور فقط یہی
تھی کہ وہ ان پاکبازوں کے زمرے میں شامل ہو جائیں۔ جن کی بابت کہا گیا ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (اللہ
ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں)

جن سرفروشوں اور جانبازوں نے اللہ کی راہ میں اسلام کی محبت میں انسانیت کی خدمت میں۔ جمہوریت کے تحفظ میں
استبداد کی مخالفت میں۔ ہر دکھ کو سکھ کی طرح قبول کیا۔ ہر زحمت کو رحمت سمجھ کر جھیلا۔ ان میں سے حضرت امام حسین
علیہ السلام شہید کربلا بھی ہیں۔ جن کی نسبت خواجہ معین الدین اجمیری نے کیا سچ فرمایا ہے ؎

شاہست حسینؓ بادشاہست حسینؓ
دین است حسینؓ دیں پناہ ہست حسینؓ
سر داد و نداد دست در دست یزید
واللہ کہ بنائے لا الہ ہست حسینؓ

غور کرو کہ آپ یزید کی بیعت سے انکار کر کے اور شہید ہو کر اس عقیدے کی پشت پناہ کس طرح ہو گئے۔ کہ
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی تشریح یہ ہے۔ کہ یزید کی خلافت کو سچا تسلیم کرنے سے امام حسین رضہ کو ہر نوعیت کا
عیش دنیوی نصیب ہو سکتا تھا۔ مگر آپ نے موافقت کی بجائے جانبازانہ مخالفت کا راستہ اختیار کیا۔ یزید جابر تھا۔
امام حسین رضہ یہ نہیں چاہتے تھے۔ کہ اہل اسلام کی باگ ڈور ایک جابر کے ہاتھ میں دیدی جائے۔ یزید عیاش تھا۔ شراب سے
پرہیز نہیں کرتا تھا۔ وہ خلیفہ بننا چاہتا تھا۔ احتمال تھا۔ کہ الناس علی دین ملوکہم (رعایا اپنے بادشاہ کے طرز
عمل کی گرویدہ ہوا کرتی ہے۔) کہیں مسلمان اس کے برے نمونے سے اثر پذیر ہو کر اپنی اخلاقی حالت کو تباہ نہ کر لیں۔ یزید
نے اپنے خوشامدیوں سے جو اس کے تخت دمشق کے سامنے ادب واحترام سے کھڑا ہونا غائیت درجہ کی سعادت سمجھتے تھے۔
بیعت لے لی تھی۔ دربار یزید میں مکہ اور مدینہ کا کوئی مسلمہ نمائندہ موجود نہ تھا۔ ایسے خود سر کو کوئی یہ نہیں کہتا تھا۔ کہ
وہ اس قوم کی سرداری کا اہل نہیں ہے۔ جس نے آزادی رائے اور طہارت وتقویٰ کی آغوش میں پرورش پائی ہے۔ نواسہ
رسولؐ کی غیرت دینی یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ کہ یزید اپنے ناپاک وجود سے تخت خلافت کو ملوث کرے۔ حضرت امام حسینؓ
فتنہ وفساد کے طالب نہ تھے۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے۔ کہ مسلمان باہمی جدال وقتال کا شکار ہو جائیں۔ جب مکہ کے حاکم
ولید نے یزید کے فرمان کی تعمیل میں امام حسین رضہ کو بیعت کے لئے کہا۔ تو آپ نے کمال بے باکی سے کہدیا۔ کہ یزید فاسق
ہے۔ فاجر ہے۔ وہ اس قابل نہیں۔ کہ مسلمان اس کو اپنا سردار تسلیم کر لیں۔ انہوں نے ولید اور اس کے مشیر خاص مروان

کی شرارتوں سے تنگ آکر مدینہ سے ہجرت کرکے مکہ کی سکونت اختیار کرلی۔ یہاں آپ کے نام کوفہ والوں کی طرف سے پے درپے مراسلات پہنچنے لگ گئے۔ جن میں یہ مرقوم تھا۔ کہ سارا عراق یزید کی مخالفت پر آمادہ ہے۔ یزید اور یزید کے حاشیہ نشین شریعت کی کھلم کھلا توہین کررہے ہیں۔ ہم حق کی حمایت پر مستعد ہیں۔ سچائی کی تائید میں ہر چیز کی قربانی پر طیار ہیں۔ عامتہ الناس تو عزت اسلام اور ناموس خلافت کی حرمت میں کٹ مرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ مگر ان کو کوئی قائد نہیں ملتا۔ آپ آئیے اور ہماری رہنمائی کیجئے۔ اگر آپ نہ آئے تو ہم بروز قیامت دربار رسولؐ میں آپ کا گلہ کریں گے۔ آخری بات ایسی نہ تھی۔ کہ امام حسین رضؓ اس سے متاثر نہ ہوتے۔ آپ نے اللہ کا نام لیکر ۷۲ ساتھیوں کی ہمیئت میں کوفہ کا رُخ کیا۔ اہل کوفہ نے آپ کے پیام بردار مسلم بن عقیل رضؓ کی پہلے تو عزت کی۔ مگر بعد ازاں آپ کو اور آپ کے دونوں فرزندوں کو شہید کردیا۔ امام حسین رضؓ محرم کی ساتویں کو اس ظلم وستم کی وادی میں پہنچ گئے جسے اسلامی دنیا "کربلا" کے نام سے پکارتی ہے۔ یہاں پہنچ کر شریعت اور خلافت اسلامیہ کی عزت کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے دوستوں۔ غلاموں۔ بچوں۔ بھائیوں بھتیجوں کو قربان کردیا۔ اور خود بھی داد شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ یہ وطن۔ اولاد۔ مال کی قربانی آپ نے کیوں کی؟ اس کے معاوضہ میں آپ کو دنیا میں کیا ملا؟ شہید کہتے ہیں گواہ کو۔ آپ نے جاں بحق ہو کر زبان حال و مقال سے کیا گواہی دی۔ یہی کہ اللہ ضرور موجود ہے۔ اور وہ اپنے چاہنے والوں کو ہمیشہ کی زندگی بخشا کرتا ہے۔ اور خود موت کے ہاتھوں حیات جاوید کا تاج پہنایا کرتا ہے۔ ایک ان دیکھی ہوئی ہستی کی خاطر دنیا کی ہر شئے گنوا کر آپ نے ثابت کردیا۔ کہ واقعی ایک معبود موجود ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ وہ بہشت اور دوزخ کا مالک ہے۔ وہ اپنے پیاروں سے ہمکلام ہوتا ہے۔ انسان کا انتہائی شرف یہ ہے کہ اس کے نام پر فدا ہو جائے۔ خود مٹ جائے مگر اس کے دین کو نہ مٹنے دے۔ اپنی بیٹیوں تک کی بے حرمتی گوارا کرلی جائے۔ لیکن اس کے رسولؐ کی حرمت پر آنچ نہ آنے دی جائے۔ ضرورت آپڑے تو شریعت کی گرتی ہوئی عمارت کو سنبھالنے اور تھام لینے کے لئے عباس رضؓ جیسے بھائی کے بازو پیش کرے۔ موقع آپڑے۔ تو نخل اسلام کی اصغر۔ قاسم۔ اکبر کے خون سے آبیاری کرے۔ اپنی جان دیکر بھی گھمنڈ اور غرور نہ کرے۔ بلکہ یہی کہے ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے۔ کہ حضرت امام حسین رضؓ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت تھے ؎

بہرِ ما در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا اِلٰہ گردیدہ است

مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ

صوبہ سرحد کے مشہور مقامات پر یوم شریعت منایا گیا تھا جس میں مسلمانوں کے مذہبی قانون (پرسنل لاء) کے نفاذ اور شرعی محکموں کے قیام پر زور دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں سرحد کے مسلمانوں نے اپنے اجتماعات اور مظاہروں کے ذریعہ یہ حقیقت بخوبی واضح کر دی ہے۔ کہ ان کے دل میں قوانین اسلام کے تحفظ وبقا کے لئے بے حد تڑپ موجود ہے۔ اور نہ صرف صوبہ سرحد بلکہ تمام ہندوستان کے مسلمان وقتاً فوقتاً محاکم شرعیہ کے قیام کا مطالبہ کر چکے ہیں۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس۔ جمعیۃ العلماء امارت شرعیہ صوبہ بہار اور دوسری قابل ذکر جماعتیں اس ضرورت کو محسوس کرتی رہی ہیں۔ ملکی جرائد بھی اس مقصد کے لئے پیہم آواز بلند کرتے رہے ہیں۔ یہ وہ واقعات ہیں جن کی موجودگی میں بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ صوبہ سرحد کے اس مطالبہ سے تمام اسلامی ہند متفق ہے۔

ہم حکومت ہند کی توجہ مسلمانان ہند کے اس متفقہ مطالبہ کی طرف مبذول کراتے ہوئے یہ بتا دینا چاہتے ہیں۔ کہ اگر مدراس اور سیلون کی طرح صوبہ سرحد بلکہ تمام اسلامی ہند میں عہدۂ قضا قائم کر دیا جائے۔ جس کے شرعی فیصلے برطانی عدالتوں کے فیصلوں کی طرح قابل تسلیم ہوں۔ تو فرزندانِ اسلام کی دیرینہ آرزو پوری ہو جائے گی۔ اور اسلامیان ہند اپنے مذہبی تحفظ کے باعث بڑی حد تک مطمئن ہو جائیں گے۔ اور کسی ملکی سیاسی تحریک میں شامل ہونے کی ضرورت محسوس نہ کریں گے۔ اس کے علاوہ حکومت کو اس کے ذریعہ ایک فائدہ بھی پہنچے گا۔ کہ صوبہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کے لئے موزوں فضا پیدا ہو جائے گی۔ اگر حکومت ہند موجودہ دستور اساسی کو تقویت دینا چاہتی ہے۔ تو اسے مسلمانوں کی خواہش کے مطابق محاکم شرعیہ کے قیام و استحکام کے لئے فراخدلی سے کام لینا چاہیئے۔

مسلمانوں کے خلاف سازش

خان بہادر میاں رحیم بخش صاحب کا ایک اعلان مظہر ہے۔ کہ پنجاب میں مسلم اکثریت کو تباہ کرنے کی غرض سے سکھوں اور ہندوؤں نے ایک منظم اور گہری سازش کر رکھی ہے۔ راجہ نریندرو ناتھ نے اس کی تردید تو کی ہے۔ لیکن انہوں نے سکھوں کے اس مطالبہ کی پرزور حمایت کی ہے۔ کہ انہیں تیس فیصدی نشستیں دی جائیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ کانگرسی اور راجہ صاحب ایسے مہا سبھائی بھی اس سازش میں شریک ہیں۔

سکھوں اور ہندوؤں کے درمیان جو ڈسکہ کے واقعات سے خطرناک حالات پیدا ہو گئے تھے۔ رفع ہو گئے۔ ہندو سکھوں کو گوردوارہ دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اور اس کے معاوضہ میں سکھ کانگرس کے حامی ومعاون ہو گئے ہیں۔ جس ملک کے باشندوں کی یہ کیفیت ہو کہ ایک ایک کے مخالف اور قوم قوم کی دشمن ہو وہاں حکومت خود اختیاری کے خواب بے تعبیر ثابت ہونے کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ملک کی تباہی و بربادی کے آثار جہاں خود پیدا کئے جاتے ہوں وہاں نظام حکومت

کی اصلاح کی توقع عبث اور فضول ہے۔ حق تو یہ ہے۔ کہ ہندوستان اپنی تباہی و بربادی کے آثار خود پیدا کر رہا ہے۔ اور اس کا علاج مایوسی و بے بسی کی موت کے سوا کچھ نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جاپانی مسلمانوں کے عزائم

جاپانی مسلمانوں کی تعداد۔ ان کے علمی و فنی مشاغل ان کی اقتصادی او رمعاشری کیفیت صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکی۔ اوراس کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ مشرق سے انہیں غیر معمولی بُعد ہے۔ اوراس بُعد کو دور کرنے کے لئے آج تک انہوں نے کوئی سعی نہیں کی۔ مقام مسرت ہے۔ کہ اب وہ اپنی گمنامی کے نتائج سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ اور وہ دنیا کے دیگر مسلمانوں سے اپنے تعلقات وابستہ کرنے کے لئے میدان عمل میں قدم رکھنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔

دسمبر گذشتہ میں وہاں کے مسلمانوں نے اپنے ایک اجتماع عظیم میں ایک انجمن کا افتتاح کیا۔ اوراس کے مقاصد ۱۔ جاپانی مسلمانوں کی مردم شماری۔ ۲۔ ان کی سیاسی۔ مذہبی۔ اقتصادی اور فنی خصوصیات۔ ۳۔ ایک مسلم جاپانی اخبار کا اجراد ۴۔ عربی اور انگریزی سے اسلامی لٹریچر کو جاپانی زبان میں منتقل کرنا۔ ۵۔ ممالک عربیہ سے عموماً اور مصر ترکی ہندوستان اور افغانستان سے خصوصاً رابطہ اتحاد قائم کرنا اور اخباری ذرائع سے تبادلہ خیالات۔ ۶۔ جاپان میں ایک جامع مسجد کی تعمیر و تاسیس۔ ۷۔ ایک عربی کالج کا اجراد ۸۔ اسلامی احکام و مسائل کے متعلق کتب و رسائل کی تصنیف و تالیف ۹۔ عالم اسلامی کی سیاحت کے لئے ایک مسلم جاپانی نمائندہ کا تقرر۔ تاکہ وہ جاپانی مسلمانوں کا پیغام تمام دنیا کے مسلمانوں کو پہنچائے اور مسلمانان عالم کے حالات سے آگاہی و واقفیت حاصل کرے۔ ۱۰۔ مسلمانوں کے مخصوص سیاسی حقوق کا تحفظ۔ کی تکمیل کا عہد کیا۔

اقدام قابل ہر ستائش اور لائق ہر تعریف ہے۔ مقاصد نیک اور جامع ہیں۔ انجمن کا نام "انجمن وحدت اسلامیہ" تجویز کیا گیا ہے۔ اور ایک لاکھ ین (جاپانی سکہ) کی مقدار میں ایک مذہبی فنڈ قائم کرنے کی بھی قرار داد منظور کی گئی ہے خدا کرے۔ کہ عام مسلمانوں کی طرح جاپانی مسلمانوں کا بھی یہ ہنگامی جوش نہ ہو۔ اور ان کے جذبات چند روز کے تگ و دو کے بعد سرد نہ پڑ جائیں۔ دعا ہے۔ کہ خدائے قادر و توانا ان کے عزائم میں استقلال دے اور انہیں تکمیل مقاصد میں کامیابی عطا کرے۔ آمین!

خبط برہنگی و بے پردگی

جرمنی۔ برلن اور تمام یورپ میں سودائے برہنگی کا مرض لاعلاج ہو رہا ہے۔ یہ خبط اسقدر ترقی پذیر ہے۔ کہ برہنہ کلبوں کے ممبروں کی تعداد زائد از ایک لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ اس میں عورتیں مرد بلا تمیز سن و سال شامل ہیں۔ اور قدرتی لباس میں ملبوس رہنا بہترین انسانی

فرض سمجھتے ہیں۔ اس متعدی مرض کے اثرات مختلف ممالک میں پھیل رہے ہیں۔ اور لوگ جوق در جوق شامل و شریک ہو کر ضروریات زندگی سے بے پروا ہو رہے ہیں۔ اور ان کی ہستیاں خلق خدا کے لئے غیر مفید اور بے سود ثابت ہو رہی ہیں۔ اور قوم و ملک کے کسی کام کے نہیں رہے اس متعدی بیماری کے اثرات مختلف ممالک میں پھیل رہے ہیں۔ دنیا کے بے فکروں میں یہ حیا سوز تحریک حلول کر رہی ہے۔ چنانچہ ہندوستان کی مستورات بے پردگی پر فدا ہو رہے ہیں۔ اور پردہ کے خلاف جہاد جاری ہے۔ نوجوان پردہ کی مخالفت میں ہیں۔ اور پردہ کے خلاف انجمنیں اور سوسائٹیاں قائم کی جارہی ہیں بہت ممکن ہے۔ کہ یہ تحریک ترقی کرتے کرتے "برہنگی" کی صورت اختیار کر جائے۔ اور ہندوستان سے بھی شرم و حیا کا جنازہ اٹھ جائے۔ اور پردہ کے اندر رہنا تو درکنار پردہ دار مکان بھی شائد نظر نہ آئیں ۔ لہذا بالفرض محال ان دشمنان پردہ کو بے پردگی کا شوق چرّایا ہے تو انہیں چاہیئے۔ کہ ذوق بے پردگی اسطرح پورا کریں۔ کہ حکم خدا اور رسول بھی ترک نہ ہو۔ اور دنیا دوزخ بھی نہ رہے۔ کیونکہ اس تحریک میں کئی ایک نقائص بھی موجود ہیں۔ جن کا چارہ کار مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔

اوّل ۔ یہ کہ عورتوں کی ضد بڑھے گی۔ اور وہ مردوں سے نہ صرف متنفر ہونگی۔ بلکہ ان کی دشمن ہو جائینگی۔

دوم ۔ لطف زندگی جو عورت کی محبت اور یگانگت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ منافرت سے دنیا میں جہنم کا مزا دکھلا دیگا۔

سوم ۔ عورت کی اطاعت فرمانبرداری۔ خانہ داری کی تکالیف کی برداشت درد دکھ کی شرکت وغیرہ وغیرہ ان سب سے ایک زمانہ میں مرد محروم ہو جائیگا۔ اب وہ زمانہ گیا کہ یا تو ایسی شریف ہوتی تھیں۔ کہ وہ ان باتوں کو اپنی خوبی اور اپنا ہنر تصوّر کرتی تھیں یا ڈنڈے کے زور سے ان کو سیدھا رکھا جاتا تھا۔ اور وہ دبی رہتی تھیں۔

تعلیم عام ۔ دنیا کا رنگ ۔ زمانہ کی رفتار ۔ آزادی کی لہر اور اس پر ضد کا اضافہ ۔ ان باتوں سے چاہے مرد کتنا ہی چاہے اب جیسے کہ انسان کی آزادی کو بادشاہ نہیں روک سکتا ۔ جیسے کہ برطانیہ سے ہم آزادی چھین لینے کے دعویدار بنتے ہیں اسی طرح یہ عورتیں ہم سے اپنی آزادی چھین کر رہینگی۔ جس کے نتائج یہاں بھی بالکل وہی ہوں گے ۔ جو آج یورپ میں نمایاں ہیں۔ کہ عورت اور مرد میں وہ اصلی محبت اور یگانگت عنقا ہے۔ جو ابھی مشرق کے ممالک اور بالخصوص ہندوؤں میں پائے جاتے ہیں۔

مہاتما گاندھی جی ہوں یا بدھو اپاسی ہو۔ رائے رکھنے کا سب کو حق ہے۔ مگر اس کے اظہار کا طریقہ میری رائے ناقص میں اب وہ ہی مناسب ہے۔ جس سے نفرت اور ضد پیدا نہ ہو۔ اور اس آزادی کی لہر کو آغاز ہی سے اس رُخ پھیلایا جائے۔ کہ اس میں غوطہ کھا کر عورتیں قعر مذلت میں نہ ڈوب جائیں۔ بلکہ شریف بہو بیٹیوں کی طرح پر بغیر پردہ کے بھی زندگی بسر کر سکیں۔ کتابوں میں اسکولوں میں۔ تماشہ گاہوں میں۔ غرضیکہ دنیا کے ہر اس شعبہ میں جس کا تعلق طبقہ اناث سے ہو۔ ایسے قصص۔ ایسے پند و نصائح اور ایسے واقعات کا تذکرہ اور اظہار کیا جائے۔ کہ عورت کی تربیت بچپن

سے اس اصول پر ہو۔ کہ پردہ تو نہ ہو۔ مگر بے پردگی کے شرمناک نتائج جو اکثر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ وہ نہ ہونے پائیں مثلاً اس گئے گذرے زمانہ میں جبکہ بے شرمی کا یورپ میں دور دورہ ہے۔ یہ ایک رسم پرانی ظاہرداری کے ساتھ جاری ہے۔ کہ کنواری لڑکی بغیر ایک بزرگ کو ساتھ لئے باہر نہیں جاتی۔ ہندوستان میں آزادی کا منشاء یہ تصور کرلیا گیا ہے کہ کنواری لڑکی کسی دُور کے یا قریب لڑکے یا لڑکوں کے ساتھ خلا ملا بڑھا سکتی ہے۔ یا بازار کو گاڑی میں جا سکتی ہے یا تنہا اسکولوں کو گاڑی میں جا سکتی ہے۔ ہندوستان کے مردوں میں تو اتنی تعلیم ہے۔ کہ اس سے اچھا اثر حاصل کرسکیں۔ صدیوں سے تعلیم ہورہی ہے۔ مگر جرائم عیوب۔ بدکرداری وغیرہ کو اب تک ہندوستان میں مردوں سے دُور نہیں کیا جا سکا ہے۔

تو یہ کیونکر ممکن ہے۔ کہ جس طبقہ انسانی کو صدیوں سے تعلیم سے محروم رکھا گیا ہے۔ عیوب و نقائص سے مبرا و معرا سمجھ لیا جائے۔

پچھلے دنوں کیمبرج کے ایک دوکاندار کی رنگین مزاج بیوی نے اس شوق تنوع سے سرشار ہوکر جو آج کل بہت سی مغربی عورتوں کی طبیعت ثانیہ بن رہا ہے۔ ایک ڈاکٹر صاحب سے رسم و راہ پیدا کرلی۔ اور ان کے ساتھ سیر سپاٹے۔ تفریح و تفنن اور ربط و اختلاط کی منزلیں طے کرنی شروع کردیں۔ شوہر صاحب کو یہ معاملہ طبعاً برا معلوم ہوا۔ چنانچہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے خلاف دعویٰ کردیا۔ کہ یہ شخص میری بیوی کو ورغلا بہکا کرلے گیا ہے۔ لہذا دادرسی فرمائی جائے۔

انگلستان کے مشہور جج مسٹر جسٹس میکارڈی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ جج صاحب نے سب متعلقین کے بیانات سننے کے بعد جو فیصلہ صادر فرمایا۔ اس سے سارے انگلستان میں جسٹس موصوف کی جدت حیائی کی دھوم مچ گئی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بیوی شوہر کی غلام نہیں ہے۔ وہ بھی شوہر کی طرح آزاد ہے۔ اور اسے حق حاصل ہے۔ کہ جس مرد کے ساتھ چاہے دوستانہ تعلقات پیدا کرے۔ اس کے ساتھ تھیٹروں اور سینماؤں میں جائے۔ سیر و شکار میں مصروف رہے۔ غرض جو چاہے شوہر کو اس کی نقل و حرکت پر کوئی اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں۔

یہ ہے آزادی اور بے پردگی کا نتیجہ! کیا آپ بھی اسی بات کے متمنی ہیں۔ کہ آپ کی بہو بیٹیاں اور بیویاں بھی اسی آزادی سے ہمکنار ہوں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

کانگرسی سرگرمیوں کے اثرات

ہندوستان کی درآمد برآمد ۶۵-۱۹۶۴ء میں ۲۷ کروڑ ۶۰ لاکھ تھی۔ جو بتدریج ترقی کرتے کرتے ۲۹-۱۹۲۸ء میں چھیاسی چار کروڑ ۳۰ لاکھ تک پہونچ گئی۔ اور ہندوستان خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ لیکن کانگرس اور ہمچو قسم تحریکوں میں اس کی قسمت کا پہلو بدلتے بدلتے اسقدر تنزل ہوا۔ کہ ترقی کے تمام راستے مسدود ہوگئے۔ اور زراعتی۔ تجارتی اور اقتصادی حالت اس قدر گر گئی۔ کہ آزادی کے متمنی اور حکومت خود اختیاری کے طالب نان شبینہ تک سے محروم ہوگئے۔

سنہ ۱۹۴۶ء میں قیمت برآمد چار ارب ۲۴ لاکھ تھی۔ جو سنہ ۱۹۴۷ء میں دو ارب بیس کروڑ ۹۲ لاکھ رہ گئی۔ اسی طرح قیمت درآمد جو سنہ ۱۹۴۶ء میں تین ارب ۴۲ کروڑ ۱۵ لاکھ تھی۔ وہ سنہ ۴۷ء میں ایک ارب ۵۸ کروڑ ۳۰ لاکھ رہ گئی۔ اس کمی کا اثر دیگر ضروریات زندگی پر بھی ہوا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بے کاری و بے روزگاری اور فاقہ مستی عالمگیر ہے۔ اور لوگ مختلف النوع پریشانیوں میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

کانگریس نے ملک کو آزادی و سوراج کے سبز باغ دکھا دکھا کر برباد کر دیا۔ خلقِ خدا مفلسی و تنگدستی سے ہمکنار ہے۔ لیکن وہ اس کے چارہ کار سے عاجز ہے۔ ہزاروں قیمتی جانیں تلف ہوئیں۔ اور سینکڑوں کار آمد ہستیاں بیکار و نکمی رہ گئیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

اب اگرچہ کانگریس کی سرگرمیوں اور تیزیوں پر برف جم گئی ہے۔ اور وہ ملک کو تباہی کی منزل پر لا کر خود ٹھنڈی ہوا چاہتی ہے۔ لیکن ہنوز کچھ شرارے باقی ہیں۔ اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ بعض بکسوں میں دہکتے ہوئے کوئلے اور تیزاب ڈال کر خطوط جلانے شروع کر دیئے ہیں کہتے ہیں۔ کہ یہ کمینہ حرکت محکمہ ڈاک کے بائیکاٹ کے سلسلہ میں کی جاتی ہے۔ کوئی ان حمدمن باختہ لوگوں سے پوچھے۔ کہ اس میں حکومت کا کیا گیا۔ اور محکمہ ڈاک کا کیا بگڑا۔ نقصان ہے تو تمہارا اور تمہارے ملک کا۔ اگر کانگریسی انہی سرگرمیوں میں آزادی کا راز مضمر سمجھتے ہیں۔ اور ان کی کوششوں کے یہی بیل و نہار ہیں۔ تو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ ملک کی حالت مستقبل قریب میں اور بھی نازک ہو جائیگی۔ خدا ان دوست نما دشمنوں کو ان عواقب و نتائج پر غور کرنے کی توفیق دے۔ فقد بر!

خسروِ دکن کی رواداری

اعلیٰحضرت حضور نظام کی حکومت کے خلاف ہندو اخبارات اور ہندو لیڈروں کا رویہ نہایت ہی افسوسناک ہے۔ اور یہ لوگ آئے دن اس قسم کی شرارتیں کرتے رہتے ہیں۔ جن کی غرض ہندوستان کی سب بڑی وطنی حکومت کو بدنام کرنا مقصود ہوتا ہے پیچھلے ہی دنوں جب اعلیٰحضرت دہلی تشریف لائے۔ تو اسمبلی کے ہندو ممبروں نے ان کے اعزاز میں دعوت دینے اور اس میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ لیکن حضور نظام جس طرح اپنی وسیع مملکت میں ہر مذہب و ملت کے لوگوں پر خسروانہ نوازشات کی بارش برساتے رہتے ہیں۔ اسی طرح انگریزی علاقہ میں بھی ان کا جود و کرم سب کو مستفیض کرتا ہے۔ اس کی تازہ مثال وہ عطیات ہیں۔ جو دہلی سے لکھنؤ تشریف لیجانے پر اعلیٰحضرت نے لکھنؤ کے مختلف ہندو مسلم عیسائی اداروں کو دیئے۔ اور جن کی تفصیل حال میں شائع ہوئی ہے۔

تفصیل سے ظاہر ہے۔ کہ ۱۵۰۰ دیانند کالج کو۔ ۵۰۰ سری رام یتیم خانہ کو۔ ۲۵۰ ویدک کنیا پاٹھ شالہ کو۔ ۲۵۰ آدی ہندو سبھا کو ۵۰۰ بلرام پور ہسپتال کو۔ ۱۰۰۰ امول چندر ستوگی ہسپتال کو۔ ۷۵۰ مہیلا ودیا کالج کو اور ۲۵۰ سیوا سمتی لوائز اسکاؤٹ ایسوسی ایشن کو دیئے گئے۔

یہ ہر مذہب و ملت کے انسانوں کو حضور نظام کے ایک نظر سے دیکھنے کی نہایت شاندار مثال ہے۔

ارشاداتِ شروانی

نواب صدر یار جنگ مولانا محمد حبیب الرحمن صاحب شروانی بالقابہ کا وہ فصیح و بلیغ خطبہ جو آپ نے گذشتہ نوں جالندھر کے مقام پر اشاعت اسلام "اور تعلیم نسواں" کے موضوع پر دیا ناظرین "النساء" کے استفادہ کیلئے درج ذیل ہے۔

اشاعت اسلام

عالم انسانی میں ہدایت اور راہنمائی کے دو طریقے رہے ہیں۔

نبوت اور حکمت انسان کی آفرنیش کے آغاز سے لے کر آج تک یہ دونو طریقے کارفرما ہیں۔ اور قیامت تک رہیں گے۔ یہ خاکدان سفلی نبوت اور حکمت کے نور سے ہمیشہ منور رہا ہے۔ کوئی زمانہ اس دنیا پر ایسا نہیں گذرا۔ کہ کرۂ زمین پر علم و حکمت کی روشنی نہ رہی ہو۔ جب کسی قوم نے اس خدمت میں کوتاہی کی۔ دوسری قوم اُٹھی۔ اور مشعل علم ہاتھ میں لے لی۔ اپنی اپنی باری سے ہر ملک اور نسل انسانی نے یہ خدمت سرانجام دی ہے۔ مصر۔ یونان ۔ روم۔ ہندوستان ۔ ایران۔ عراق و شام اور عرب سب ہی اپنے اپنے وقت میں اس نور کے حامل رہے ہیں ۔ آج شمع حکمت یورپ اور امریکہ کی جانفشانیوں سے نور افشاں ہے۔

نبوت اور حکمت کی تعلیم میں علوی اور سفلی آثار صاف عیاں ہیں۔ اور یہی آثار ان کے مراتب میں فرق نمایاں کرتے ہیں ۔ یہ بھی سمجھ لو۔ کہ غلطی جب ہی ہوئی۔ کہ سفلی نے علوی کا مرتبہ لینا چاہا۔

اسلام نے ہم کو تعلیم دی ہے۔ کہ انبیا علیہم السلام ہر قوم اور آبادی میں بھیجے گئے۔ کوئی قوم اور کوئی حصہ آبادی ایسا نہیں جس میں نبوت کا نور نہ پہنچا ہو۔ قرآن مجید پر غور کرنے سے صاف ہویدا ہوتا ہے۔ کہ انبیاء کا انتخاب پروردگار عالم نے بلا واسطہ فرمایا۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ

(ترجمہ:۔ اللہ ہی اسکو بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے) اس انتخاب کے لئے اصطلاح ربانی اجتبا ہے۔ جس کے معنی چن لینے کے ہیں۔ جو بزرگ ہستیاں اس منصب بلند کے لئے منتخب ہوئیں۔ ان کی تعلیم و تربیت اور پرورش بلا واسطہ غیرے خود خالق علام نے فرمائی۔ حضرت موسٰے سے کوہ طور کی پہلی تجلی میں ارشاد ہوا۔ وَاصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِیْ (میں نے تم کو خاص اپنے لئے بنایا ہے۔) وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ (اور تاکہ تم میری آنکھ کے سامنے پرورش کئے جاؤ)

دوسری جگہ حضرت ابراہیمؑ کی نسبت ارشاد ہے۔ وَاجْتَبَاہُ وَھَدَاہُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (اس کو انتخاب کیا اور سیدھے راستے پر چلایا)

حضرت یوسفؑ کے حال میں ہے۔ فرمایا ہے۔ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا (جب نوجوان ہوئے۔ تو ہم نے اُن کو دانائی اور علم دیا)

حضرت موسٰے کے رفیق کے لئے ارشاد ہے (وَعَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو ایک علم سکھایا)

حضرت سرور عالم کی نسبت ارشاد ہے۔ اَ وَوَجَدَکَ

فضا (لا تَصْدِی رحم کو بچھتا پایا تو سیدھا وستہ سمجھایا)

انبیاء علیہم السلام کی زندگی پر غائر نظر ڈالیئے۔ تو اُن حضرات
کے واقعات زندگی صاف بتاتے ہیں۔ کہ اُن کی مقدس زندگیاں
اُن اثرات کے رد جو عموماً انسانی زندگی پر موثر ہوتے ہیں) بالکل
متضاد اور برعکس واقع ہوئی تھیں۔ حضرت ابراہیم توحید کا غلغلہ
اس گھر میں بلند کرتے ہیں۔ جو یہی نہیں کہ بت پرست تھا۔ بلکہ بت
تراش تھا۔ باپ اُن کی زبان سے بتوں کی مذمت سُنکر
نہ صرف متحیر ہوتا ہے۔ بلکہ غصے سے بیتاب ہو کر سنگسار کر
دینے کی دھمکی دیتا ہے۔ حضرت موسےٰ فرعونیت کے طوفان
میں اس کو ڈبونے کے لئے اٹھتے ہیں۔ اور غرق کر دیتے ہیں۔
حضرت سرور عالم اُس خاندان میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو بتوں
کا پجاری تھا۔ چنانچہ زبان مبارک سے توحید کا وعظ سُنکر
حسرت سے کہتے ہیں۔ اجعل الالھۃ الٰھاً واحداً (کیا
سارے خداؤں کا ایک خدا بنا دیا)

سوچو کہ یہ تعلیم کہاں سے پائی۔ اور اس میں یہ قوت ربانی
کہاں سے آئی۔ کہ دنیا کی کوئی سطوت کوئی طاقت اس کو نہ
دبا سکی۔ بلکہ اُس کے سامنے خود دب گئی۔ فنا ہو گئی۔ اگر صحیح
طریقے سے سوچو گے۔ تو جواب اس ارشاد میں پاؤ گے (لاغلبن انا ورسلی) (میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے
یہیں سے ہے۔ کہ اس وقت کے سامنے نمرود، فرعون
ابوجہل سب ہی سرکشوں نے ہتھیار ڈالے ہیں۔ تاریخ نہیں
بتا سکتی۔ کہ کبھی کسی رسول کی تعلیم نے شدید تر مخالف قوت
کے مقابلے میں شکست پائی ہو۔

نظر کو بلند تر کرو۔ نبوت کے منصب کی بلندی اور انسانی
دسترس سے ماوراء ہونے کی روشن دلیل یہ بھی ہے۔ کہ
کہ خود حضرات انبیاء کو بھی قبل نبوت اپنی نسبت اس کا اندازہ
نہ ہوتا تھا۔ کہ اس مرتبہ عالی پر فائز فرمائے جائیں گے۔ حضرت
موسےٰ طور پر آگ لینے یا رہبر کی تلاش میں گئے تھے۔ وہاں
کلام ربانی سے مشرف ہوئے۔ تو فرعون کو ہدایت کرنے کا پیام
سنکر حیرت میں رہ گئے۔ آنحضرت کو قرآن مجید میں ایک جگہ
ان الفاظ سے مخاطب فرمایا ہے۔ وما کنت تدری ما الکتاب
ولا الایمان (اور تم نہیں جانتے تھے۔ کتاب کیا ہے اور
ایمان کیا)

اس بیان سے واضح ہوا ہوگا۔ کہ نبوت کا ملکہ اور مرتبہ انسانی
تعلیم و تربیت کا ذرا بھی منت کش نہ تھا۔ بلکہ راست حکیم علیم
کی تعلیم کا نتیجہ تھا۔

وحی کا القاء حکم ربانی خدا کے سب سے بڑے فرشتے جبریل
نے انبیاء علیہم السلام کے قلب پر کیا۔ حکماء کا علم انسانی دماغوں
کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔ اسی بنیاد پر تعلیم سے انبیاء و حکما
کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ انبیاء نے اُن اعلےٰ مسائل کی (جو
حکما کی دسترس سے باہر تھے۔ مثلاً الوہیت عالم بالا۔ قیامت
وغیرہ کی تعلیم دی۔ اس کو دلوں میں اور روحوں میں اتنا راسخ
کیا۔ کہ بادی النظر سے مشاہدہ ہونے لگیں۔

ایک غزوہ کے موقع پر جب ایک صحابی کی تلاش میں دوسرے
صحابی کو آپ نے بھیجا۔ تو بدقت تمام تلاش کر کے اُن کے پاس
پہنچے۔ اور حال دریافت کیا۔ وہ اس وقت سکرات کی بھی اخیر
حالت میں تھے۔ تاہم جواب میں کہا۔ کہ بعد سلام یہ عرض کرنا۔ کہ میں
اُس عالم کی جو خبریں آپ نے مجھ کو دی تھیں۔ اُن کو آنکھوں
سے دیکھ رہا ہوں۔

اسی قوت تاثیر کا نتیجہ تھا۔ کہ جس قدر بلند اخلاق خیر خواہ اخلاقی

افراد انسانی تعلیم انبیاء سے دنیا میں پیدا ہوئے یہ تعلیم کیا۔ اُن کے
پیدا کرنے سے ناصر دعاجز رہی

حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگی کا ایک اور پہلو
قابل غور ہے۔ عموماً انہیں زندگی کی سخت اور مصیبت ناک
منزلیں طے کرنا پڑیں۔ نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد جس
قدر زیادہ اولوالعزم تھے۔ اسی قدر زیادہ مصیبتوں اور تکلیفوں
کا نشانہ بنے۔

دنیا کے سامنے انبیاء علیہم السلام کے طبقے میں سے جس
قدسی ذات کے حالات سب سے زیادہ اور مکمل شکل میں نمایاں
ہیں۔ وہ خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے
نبوت سے پہلے یتیمی اور دوسری یتیمی (یعنی پدری و
مادری) دو نوسالوں سے گزری۔ افلاس وغیرہ وہ منزلیں
ہیں۔ جن میں پل کر آپ غار حرا تک پیام ربانی سننے کے واسطے
پہنچے تھے۔ خلعت رسالت سے مشرف ہونے کے بعد کونسی
مصیبت اور صعوبت تھی۔ جو آپ کے حصے میں نہ آئی۔ فلاصہ
روحانی آلام اور جسمانی تکالیف کا پورا باب سیرت مبارک میں
ہے۔ جس قدر مصائب اور آلام ترقی کرتے گئے۔ نور نبوت درخشاں
ہوتا گیا۔

اسلام کی سب سے زیادہ سعید و گرامی مرتبہ ہستیاں ان
ہی مصائب کے زمرے میں انوار نبوت سے فیض یاب ہوئیں۔
خلفائے راشدین اور دوسرے عالی مرتبہ صحابہ کرام عین مصیبت
کے زمانے میں اسلام سے مشرف ہوئے۔ یہ عالم دیکھو کہ حضرت
عمر قتل کے ارادے سے شمشیر بکف مقابل ہیں حضور اقدس
ان کا دامن پکڑ کر اسلام کی تلقین فرماتے ہیں۔ تلوار پست
اور کلمۂ حق بلند ہوتا ہے۔ جاہلیت کا جبار۔ فاروق بن کر حق و
باطل کی کسوٹی بن جاتا ہے۔

بیان بالا کا خلاصہ۔ نبوت خدا کی دین ہے۔ نبی کے واسطے
زندگی کی پاکیزگی میں اعلیٰ واشرف ہونا لازم ہے۔ مصائب
اس بلند منصب کے لوازم ہیں۔ اسی کے ساتھ عزم وہ کہ تمام
مصائب اس کے سامنے سرنگوں ہو جائیں۔ جو آواز اس قلب سے
نکلے گی۔ دلوں کے پار ہو جائے گی۔ اور اس نور سے بھر دے
گی۔ جو اپنے ساتھ لاتی ہے۔ اور ایک آواز پر کیا ہے۔ رفتار
گفتار غرض ہر شیوۂ حیات زندگی آفرین اور دلربا ہوگا۔

تکلم، خموشی، تبسم، نگاہ
می تواں بردبہر شیوہ دل آسان زمن

صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت کا سکوت، رفتار گفتار
سب ہی ہدایت آفرین تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی شہادت ہے۔ کہ
جس وقت حضور مدینہ میں تشریف لائے۔ اس کے در و دیوار
روشن ہو گئے۔ آپ کے دفن کرنے کے بعد ہنوز مٹی ہاتھوں سے
نہ چھوٹی تھی۔ کہ وہ نور غائب ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے
چہرہ مبارک دیکھتے ہی کہا۔ کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔ یہ کہا اور
مشرف با سلام ہوئے۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ اس عہد میں اسلام کی اشاعت اُن
ہی طریقوں سے ہوگی۔ جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے قائم کردہ
ہیں۔ یا کوئی اور طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ آپ نے اوپر سنا۔ کہ اخلاق
کی پاکیزگی نبوت کا جزو اعظم تھی۔ اخلاق کی پاکیزگی سے قلب
میں فیوض ربانی کے حاصل ہونے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے
یہی وہ تزکیہ ہے۔ جو تعلیم نبوت کا ایک باب تھا۔ یُزَکِّیهِمْ وَ
یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (رسول ان کو پاک کرتے
اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں)

اور یہی تزکیہ ہے۔ جس کے حاصل کرنے کے لیئے صوفیائے کرام نے کیا کیا ریاضتیں نہ فرمائیں۔ کیا کیا سختیاں نہ جھیلیں۔ اس پاکیزگی اخلاق سے وہ صفت قلب میں پیدا ہوگی۔ جو ایمان کا عطر ہے۔ یعنی اخلاص۔ اخلاص کیا ہے؟ ہمارے تمام ارادوں خواہشوں اور افعال و اعمال کا مرجع ایک ذات اور صرف ایک ذات ہو۔ جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (کہہ دے اے رسول کہ تحقیق میری نماز اور میرا حج اور میرا زندہ رہنا اور مرنا اللہ رب العلمین کے واسطے ہے)

پاکیزہ با اخلاص قلب جو عزم اللہ تعالےٰ کے بھروسے پر اس کے کام کے لیئے فرمائے گا۔ اس کے سامنے پہاڑ موم اور سمندر پانی ہو جائیں گے۔

اجمیر جب دار شرک تھا۔ اس کی پہاڑیاں بت پرستی کے غلغلوں سے گونج رہی تھیں۔ ایک خدا کا پاک بندہ وہاں آیا اور بیٹھ گیا۔ نہ زبان ان کی جانتا تھا۔ نہ کچھ ساز و سامان لے کر آیا تھا۔ نہ انجمن اور دفتر اس کے پاس تھا۔ اس کی تفصیل کہ اس نے کیا کیا دفتر چاہتی ہے۔ اور دفتر کا خلاصہ دو کلموں میں ہے۔ آج وہ شرک کا مرجع اجمیر۔ اجمیر شریف ہے۔ اور اہل توحید کا ملجا و ماویٰ۔ رجب کے پہلے ہفتہ میں ذرا ادب سے حاضر ہو جاؤ۔ دیکھو گے۔ اور پاؤ گے کہ اب بھی حضرت خواجہ کے قلب کی گرمی نور افزا ہے ؎

طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید
ہمچناں در عمل معدن و کان ست کہ بود

اس قدر بیان کے سننے کے بعد حال کی اشاعت اسلام اور اس کے طریقوں پر ایک نظر ڈالیئے۔ عموماً (اِلّا ماشاءاللہ) جو طویل اور طویل اعلان اشاعت اسلام کے متعلق ملک و ملت کے سامنے شایع کیئے جاتے ہیں۔ اُن میں عیسائی مشنری اور آریہ پنڈتوں کے کارنامے اہل ایمان کو سنائے جاتے ہیں۔ اور اُن کی مثالیں سنا کر غیرت دلائی جاتی ہے۔ عام طور پر مدعیان اشاعت خود ان ہی امراض اخلاقی میں مبتلا ہیں۔ جن کے دور کرنے کے دعوے دار ہیں۔ بعض صورتوں میں ان سے بھی زیادہ علیل ہیں۔ جب مجلس میں زیادہ گرمی پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو قلت اور کثرت تعداد کا ہوش رُبا افسانہ چھیڑا جاتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ حالات موجودہ میں نہ پاکیزگی اخلاق ہے نہ اخلاص، حاصل یہ ہے۔ کہ وہ عزم جو تزکیۂ باطن اور اخلاص کا نتیجہ تھا۔ مفقود ہے۔ جب مخالفین کی کوششوں نے مضطر کیا۔ ایک ہیجان پیدا ہوا۔ جس کے دیکھنے والوں کو خیال ہونا ہے ؎ زمیں جنبش شد و آسمان گشت ہست
کا مبالغہ واقعہ بن کر آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ کچھ عرصہ نہ ہوا تھا۔ کہ معلوم ہوا تھا۔ ایک آندھی کا جھونکا تھا۔ ادھر آیا۔ اُدھر چلا گیا۔

اس انجمن کے کارکنوں کی نسبت حاشا سوءظن نہیں بلکہ کہ بدگمانی گناہ ہے۔ البتہ ان کی خدمت میں اس قدر مخلصانہ عرض ہے۔ کہ اشاعت اسلام میں جس مذہب کی خدمت مدِ نظر ہے۔ مرکوز خاطر ہے۔ وہ اسلام ہے۔ دنیا کا آخرین مذہب حق۔ آخرت تک قائم رہنے والا وہ، ان ہی طریقوں سے ترقی پذیر ہوگا۔ جو ہمیشہ مذہب حق کے شیوع کے واسطے رائج رہے ہیں۔ اور جن کی میں نے بیان بالا میں تھوڑی سی تفصیل عرض کی ہے۔ سب سے اول حاملان اشاعت کو خود اپنے نفس کو تلقین اسلام کرنی ہے اور اس کو مسلم بنانا ہے۔ جس روز یہ مرتبہ حاصل ہو گیا۔ یقین

فرمایئے۔ وہ ایک عالم مسلمان ہو جائے گا۔ توحید کے علم بردار حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا۔ اسلم (فرماں بردار بن جاؤ) عرض کی اسلمت للہ رب العلمین (میں سارے جہانوں کے پروردگار اللہ کا حکم بردار ہوا) سینۂ ابراہیمی سے نکلا ہوا نور توحید آج بھی سچے مسلمانوں کے سینوں میں ہے۔ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم فرمایا گیا۔ الاقوب غا لاقوب اپنے نفس کو مسلمان کر لینے کے بعد خود مسلمانوں کو مسلم بنانا ہے۔ جس وقت یہ ہو گیا۔ قلت و کثرت تعداد کے ہتھیار گر جائیں گے۔ اور یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ اسلام نے تو قلت تعداد میں قوت پکڑی تھی۔ جب تعداد تھوڑی تھی۔ دس سو پر اور سو ہزار پر غالب تھے۔ جب تعداد بڑھی۔ ایک اور دو کی نسبت رہ گئی۔ صاف ارشاد ہے۔ الآن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا (اب خدا نے بوجھ کو تمہارے سر سے ہلکا کیا۔ اور جان لیا کہ تم میں ضعف ہے) قوت جب تھی کہ بدر میں تین سو تیرہ لشکر اسلام کے جواں مرد تھے۔ ضعف جب آیا۔ کہ میدان تبوک میں تیس ہزار مردان کار رکاب سعادت میں تھے۔ بدر میں تھوڑے تھے۔ غالب آئے اور ایسے غالب کہ کفر کی کمر توڑ دی۔ حنین میں بارہ ہزار تھے۔ کثرت کے غرے نے خود ان ہی قدم اکھاڑ دیئے۔

میرے بزرگو! قوت۔ ایمان کی قوت میں ہے ضعیف الایمانوں کی کثرت میں نہیں ہے۔ آج جیسے مسلمان کرۂ ارض پر ہیں۔ دس برس پہلے نہ تھے۔ صدیوں پہلے کا کیا ذکر ہے۔ اسی سال کی مردم شماری کے نتائج ہنوز پورے بھی شائع نہ ہوئے تھے۔ کہ یہ مژدہ مسلمانوں نے سن لیا۔ کہ نوے لاکھ مسلمان ہندوستان میں بڑھ گئے۔ اس تعداد کو منٹوں پر تقسیم کرو۔ تو صاف نظر آئے گا۔ کہ ہر منٹ میں تعداد بڑھتی ہے۔ اس مژدہ کے ساتھ یہ خبر بھی کانوں میں آ گئی۔ کہ تعداد بڑھی۔ تو کمزوری بھی بڑھی۔ معتبر خبر تھی۔ کہ ایک میونسپلٹی میں تعداد کے اضافہ کی وجہ سے ایک سے زیادہ منتخب کنندہ مسلمانوں کے وارڈ بن گئے۔ ؎

ہر چہ گیرد علتی علت شود

وارڈ بڑھے تو نزاعات بڑھے۔ جتنے نزاعات بڑھے۔ قوت گھٹی ضعف بڑھا۔ خدا سچا اس کا محبوب سچا۔ جھگڑا بزدلی پیدا کرتا ہے۔ بزدلی کی جلو میں کمزوری آ لی ہے۔ خلاصہ کلام اغیار کی باری اپنے نفس اور حق جوار ادا کرنے کے بعد ہے۔ یہ نہ ہو۔ کہ دوران بے خبر کو خبردار بنانے کی کوشش ہو۔ نزدیکان بے بصر کی خبر نہ لی جائے۔ ظاہر ہے۔ کہ جو بصارت سے محروم ہے۔ دوسروں کو راستہ کیا بتائے گا۔ اور اگر چشم بد دور جرات کر ہی بیٹھا۔ تو اس کے پیروں کا اللہ بیلی ہے کسی کنوئیں کی تہ میں نظر آئیں گے۔

نوٹ کرلیں

جن برادران گرامی کا سالانہ خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ وہ مہربانی کر کے اپنا اپنا زرچندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال کر کے مشکور کریں۔ اور وی۔ پی کے بڑھے ہوئے خرچ سے بچیں۔ اور بچائیں۔ اگر کسی بھائی کو کسی وجہ سے آئندہ اس کا جاری رکھنا منظور نہ ہو۔ تو وہ بواپسی ڈاک دفتر کو مطلع کر کے مشکور کریں۔

منیجر

تأثرات

رہے محروم تاثیر اپنا شوق بے اثر کب تک
الٰہی دردِ مایوسی میں اپنی ہو بسر کب تک

مٹا جاتا ہوں میں، لیکن ابھی تک بدگمانی ہے
رہے گا تم کو میرا امتحاں مدِّ نظر کب تک

تمہارے گیسوئے عنبر فشاں کا فیض ہے یہ بھی
کہ سو جاتا ہے قسمت سے کوئی شاداں، مگر کب تک

خزاں کا ایک ہی جھونکا تجھے آسودہ کر دے گا
کریگا سیرِ گل آخر دلِ رنگیں نظر کب تک

دلِ ناداں سکوں کیسا، ارے ہمت دکھا اپنی
رہے گا تو رہینِ منتِ بیدادگر کب تک

ہمیں بھی دیکھنا ہے رنگ اپنے ذوقِ جلوہ کا
حجابِ فتنہ ساماں خود نہ ہوگا پردہ در کب تک

ظفرؔ معلوم ہے مجھ کو حقیقت قدردانوں کی
تو پھر آرائشِ بازارِ اجناسِ ہنر کب تک

ظفر ہاشمی

تاریخ عرب قدیم کا ایک ورق

شام وعراق میں بکثرت ایسے شہر موجود ہیں۔ جو قبل اسلام کی قدیم عربی سلطنتوں کی یادگار ہیں۔ صیدا، صور۔ عکا، حیفا، یافہ، غزہ، عسقلان۔ بابل، جبیل، اسواد، بیروت، حمص، دمشق یہ سب ایسے مقامات ہیں جن میں مختلف عربی سلطنتیں اور حکومتیں قائم تھیں۔ اور جن کے مٹے ہوئے آثار اب بھی اُن کی عظمت وجلالت کا افسانہ سُنا رہے ہیں۔ یہ سلسلہ شام سے دجلہ وفرات تک مسلسل تھا۔ ان دونو مقدس دریاؤں کے سواحل پر بابل واشور کی مشہور سلطنتیں عہد قدیم کے تمدن کا پھریرا اُڑا رہی تھیں۔ اور اس سرے سے اس سرے تک سامی (سامیٹک) عنصر اور سامی زبان کا ان تمام مقامات میں سکہ رائج تھا۔ بحر متوسط کے شمالی وجنوبی سواحل پر جن اقوام نے نو آبادیاں اور مقدس بستیاں آباد کیں۔ اور جن بزرگوں نے یورپ اور افریقہ کو اس زمانہ میں تجارت وصنعت و مذہب وعلم سے روشناس کیا۔ وہ انہیں سواحل صیدا و صور کے باشندے تھے۔ اور وہی پاک سامی خون اُن کی رگوں میں موجزن تھا۔ جس نے بعد میں اولوالعزم پیغمبروں سے زمانہ کا تعارف کرایا۔ آج وسط افریقہ و آسٹریلیا و جزائر پاسیفک میں جو تجارتی و تمدنی ذخیرہ یورپ سے آتا ہے۔ اور انگلستان کی روشنی جس طرح آج ہندوستان پر پڑ رہی ہے۔ اسی طرح ان دنوں یورپ کی تاریکی مٹانے میں سامی ممالک آفتاب کی کرنوں اور ریڈیم کی شعاعوں کا کام دے رہے تھے۔ عراق سے لے کر شام تک یہی ایک نسل آباد تھی۔ اور وہی سامی زبان جس کے ایک خاص لہجہ (عربی) کا جاننا آج کل ہندوستان میں تاریک خیالی کا معیار سمجھا جاتا ہے۔ اس پردیسی قوم کی زبان تھی۔

یہ قوم کہاں سے آئی؟ اور اس کا اصلی مولد و منشا کہاں تھا؟

اس سوال کا جواب دینا ہمارا خاص فرض تھا۔ اس لئے کہ زمانہ ہمکو اس قوم کی یادگار سمجھ رہا ہے لیکن ؎

از من اکنون طمع فضل و ہنر ہیچ مدار ؛ کاں ترقی کہ تو دیدی ہمہ برباد آمد

جس طرح یہ قوم مذہب، تمدن۔ علم، صنعت، سیر و سیاحت اور نو آبادیوں کے بسانے میں مشہور تھی۔ آج اسی طرح ہم زمانے کے اخیر سے الگ تھلگ رہنے میں شہرۂ آفاق ہیں۔ لہٰذا اس داستان کو اگر ہم یورپ کی زبان سے سنیں۔ تو ناظرین ہم کو معاف فرمائینگے مسیحی تاریخ کے ڈھائی ہزار سال قبل تک کے حالات کچھ نہ کچھ ہم کو معلوم ہیں۔ یادگاروں اور کتابوں سے دریافت ہو رہا ہے کہ اس وقت دنیا کا جس قدر حصہ مشہور تھا۔ اُس قوم کے آثار تمام پھیلے ہوئے تھے۔ یورپ و افریقہ و ایشیائے کوچک میں جس قدر تجارت تھی۔ اسی قوم کے ہاتھ میں تھی۔ صنعت و زراعت پر اُسی کا قبضہ تھا نئے شہر آباد کرنے کی طاقت اُسی کے زبردست ہاتھوں میں تھی۔ یہ سب مسلمات ہیں۔ اور عالم تحقیق کو علانیہ اعتراف ہے۔ کہ دنیا میں اُن دونوں جس قدر تمدن و علم و ادب تھا۔ سب پر اسی قوم کی حکومت تھی۔ بابل کے کھنڈروں۔ اشور کے ویرانوں۔ مصر و فلسطین کے شہروں اور یمن کی خاک میں یہ سب خزانے دفن

ہیں۔ اور موسیو مورگن کو عراق عرب وغیرہ میں جو ٹوٹے پھوٹے کتابے ملے ہیں۔ ان سے اُس قیاس کی پوری تائید ہوتی ہے۔ اور بے شبہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ ان تمام مقامات میں ایک ہی قوم کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ جن کی زبان سامی تھی۔

علم الآثار سے یہ بھی دریافت ہوتا ہے۔ کہ اس قوم کے پہلے ان ممالک میں چند ترقی یافتہ قومیں آباد تھیں۔ جن میں قوم اکاوی وسومرہ کا نام خصوصیت کے ساتھ اہل فن کی زبان پر آتا ہے۔ یہ قومیں سامی نہ تھیں۔ ان کے اخلاق و عادات و زبان سب چیزیں سامیوں سے جدا تھیں۔ اب تک جو آثار برآمد ہوئے ہیں۔ اُن کی بنا پر یہ رائے قائم کی گئی ہے۔ کہ کسی نامعلوم زمانہ میں سامیوں کے فاتحانہ حملوں نے ان قوموں کو تباہ کر ڈالا۔ ان کی بستیاں چھین لیں۔ اور آخر اس مغلوب عنصر کا تجزیہ کر کے ہمیشہ کے لیے متفرق و پریشان کر دیا۔ اگر کچھ بچے بھی تو جیسا کہ امریکہ کے اصلی باشندے (ریڈ انڈین) یورپین فاتحوں کے ساتھ مخلوط ہو کر اپنی اصلیت کھو بیٹھے ہیں وہ بھی اپنی قومیت کو حملہ آوروں کی دست درازی سے محفوظ نہ رکھ سکے۔

یہ حملہ آور قوم جس کے تمدنی آثار آج تک باقی ہیں۔ کون تھی اور کہاں سے آئی؟ یہ ممکن نہیں کہ فرات و دجلہ کے مشرق و شمال سے یا خلیج فارس کے مشرقی یا شمالی حصہ سے اس نے حملہ کیا ہو۔ اس لئے کہ ان مقامات میں نہ کبھی یہ قوم آباد ہوئی اور نہ یہاں کہیں اس قوم کے آثار کا نام و نشان ملتا ہے۔ یہاں اُن دنوں قدیم ماوی و ایرین و کرد و تورانی وغیرہ آباد تھے۔ لہذا سامیوں کا اصلی وطن ان ممالک کو بتانا بالکل خلاف قیاس ہے۔ ایشیائے کوچک و سواحل بحر اسود یا اُس کے قرب و جوار کی نسبت بھی یہ رائے نہیں قائم کی جا سکتی۔ اس لئے کہ ان ممالک میں علم الآثار نے جن اقوام کے آثار دریافت کئے ہیں۔ ان کے اوضاع و اطوار و زبان سے سامیوں کو کوئی نسبت نہ تھی۔ اور نہ اُن کے آداب و شائستگی میں سامیت کا کوئی شائبہ تھا ہو نہ ہو یہ قوم جنوبی ممالک یعنی عرب سے آئی ہو۔

تحقیق کو جس قدر وسعت ہوئی یہی ثابت ہوا۔ کہ قدیم اشوریون اور بابلیوں کا اصلی وطن عرب تھا۔ عرب سے نکل کر جب دو آبہ دجلہ و فرات میں آئے ہیں۔ تو ایک ہاتھ میں تلوار تھی۔ اور دوسرے میں تمدن۔ تلوار کی قوت سے ملک فتح کیا۔ اور تمدن کی طاقت سے شائستگی پھیلائی۔ اُن کا اثر اس قدر وسیع اور دیرپا تھا۔ کہ سلطنت برباد ہونے پر بھی اُن ممالک میں اُن کی زبان میں تحریر و تقریر تہذیب کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔

پیشدادیوں[1] کے جو آثار نکلے ہیں۔ اور اینٹوں اور پتھروں پر جو شاہی احکام یا مذہبی دعائیں منقوش ہیں۔ سب اُسی زبان (سامی) میں ہیں۔ جو عربی لہجہ کی اصلی بنیاد ہے۔ ایشیائے کوچک میں جہاں یونانی عنصر غالب تھا۔ وہاں بھی خط سماوی میں اسی زبان کے کتابے ملتے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حکومت مٹنے پر بھی بہت دنوں تک یہی زبان شائستہ طبقہ کی زبان تھی۔ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ سلطنت غرناطہ کے زوال پر بھی سالہا سال ملک میں عربی کا رواج رہا۔ ہندوستان میں بھی سلطنت مغلیہ کے انقلاب پر مدتہائے دراز تک انگریزی عدالتوں اور دفتروں میں فارسی زبان کی حکومت تھی۔ اور باوجود کثرت موانع

---

[1] پیشدادیوں سے ہماری مراد ایران کے وہ سلاطین ہیں۔ جو ساسانیوں کے قبل گذرے ہیں۔

اور انگریزی کے قبضہ مخالفانہ کے اب بھی فارسی کا نام باقی ہے۔

ساحل بحر متوسط پر میدان سماوہ سے حجاز تک شمالی و جنوبی و مغربی ملحقات میں جس قدر آبادی تھی۔ سب کی زبان خالص سامی تھی۔ جنوب میں عمالقہ آباد تھے۔ جو براہ راست عرب سے آکر آباد ہوئے تھے۔ مورخین عرب علانیہ لکھتے ہیں۔ کہ عمالقہ خاص عرب سے براہ حجاز شام میں آئے تھے۔ عبرانی۔ ادومی۔ موابی۔ عمونی۔ دوآبۂ دجلہ و فرات سے نکل کر شام میں آباد ہوئے تھے۔ دمشق میں آرامی آباد تھے۔ جنہوں نے عبرانیوں سے بھی پہلے ارض بابل سے نکلکر یہاں بود و باش اختیار کی تھی۔ محکمہ تحقیق کا فیصلہ ہے۔ کہ یہ ساری قومیں ابتدا عرب سے نکلکر دوآبۂ دجلہ و فرات میں آباد ہوئیں۔ اور جب عراق کی وسعت بھی ان پر تنگ ثابت ہوئی۔ تو شام کی طرف رخ کیا۔ اس امر کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ کہ عرب سے ہجرت کا سلسلہ برابر جاری تھا عربی قبائل وسط و شمال عرب سے بغرض تجارت آتے تھے۔ وہ زرخیز زمین کی شادابی دیکھ کر اکثر یہیں رہ جاتے تھے۔ یہ سلسلہ عہد اسلام سے قبل تک جاری رہا مسیحیت کی ابتدائی صدیوں میں بنی غسان یمن سے شام میں آئے اور اضلاع حوران میں آباد ہوئے۔ ان کی آبادی شام سے فرات تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہودیوں کی تاریخیں بتا رہی ہیں۔ کہ قبائل سلیح و ضجعم و تنوخ فلسطین میں عرب سے آئے تھے۔ اور بحر مردار کے مشرقی و جنوبی سواحل پر آباد ہوئے تھے۔ حضرت عزرا و حضرت نحمیا کے عہد میں اورشلیم (بیت المقدس) پر شاہان طوبیا و سنبلط جب حملہ آور ہوئے ہیں۔ تو سردار عرب جشم ان کی مدد پر تھا۔ فتوحات بخت نصر (بنوخذ نصر) کے دوران میں بھی یہودیوں اور اہل عرب میں تعلقات کا پتہ چلتا ہے حضرت ارمیاء نے جو پیشین گوئی کی تھی۔ اس میں اہل عرب کے تمام اوصاف مذکور ہیں۔ حضرت ایلیا کے زمانے میں عربوں نے یہودیوں پر زور و شور سے فوجکشی کی تھی۔ اور سارا خزانہ لوٹ لیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں شعرائے بنی اسرائیل نے نظمیں لکھی تھیں۔ ان میں بنی قیدار (قوم عرب) کے خیموں کی تشبیہیں اور اونٹوں کے بکثرت استعارات موجود ہیں۔

غزل

از مولانا مہر محمد خانصاحب شہاب مالیر کوٹلوی

ایک ہی جلوے میں سب کو مست و حیراں کر دیا — مجھ کو نالاں کر دیا، دشمن کو خنداں کر دیا

کس کی طاقت تھی کہ دیکھے جلوۂ رخ بے نقاب — ہاں مگر اک شوخ نے ہم پر یہ احسان کر دیا!

حسرتیں سر پیٹتی کی پیٹتی ہی رہ گئیں — دامن صد آرزو نے چاک داماں کر دیا

میرے اس چھوٹے سے دل کی وسعتیں تو دیکھئے — ایک عالم ہے کہ جس کو اس میں پنہاں کر دیا

اس کے اک جلوے کی تابش کیا قیامت تھی شہاب

اک اشارے میں مجھے سوئے عمراں کر دیا

احترام رسالت

(از جناب ضیاء احمد صاحب ایم۔ اے بدایونی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

رسولؐ پاک نے اک روز فرمایا یہ شفقت سے
سبب کیا ہے جو ثابتؓ غیر حاضر ہیں جماعت سے

علالت تو نہ ہو عذر ان کے مسجد تک نہ آنے کا
کوئی پوچھ آئے کیا باعث ہے گھر میں بیٹھ جانے کا

گئے اک شخص تو دیکھا ہیں گھر میں سرنگوں بیٹھے
صف ماتم میں جیسے کوئی با حال زبوں بیٹھے

بنائی ہے وفورِ غم سے صورت سوگواروں کی
جو دیکھے کہہ اٹھے یہ شکل ہے فرقت کے ماروں کی

جو کی آکر پیامِ فخرِ عیسیٰؑ نے مسیحائی
ہوا یہ حال گویا پیکرِ بے جاں میں جان آئی

پکارے حضرت ثابتؓ کہ اس پرسش پہ جاں صدقے
رسولؐ ہاشمی پر میں تصدق خان و ماں صدقے

یہ کہئے ذرہ پر خورشیدِ تاباں نے نوازش کی
یہ کہئے مورِ عاجز پر سلیماں نے نوازش کی

زمیں کے حال پر عرشِ بریں نے لطف فرمایا
فقیرِ بے نوا پر شاہِ دیں نے لطف فرمایا

دلِ شیدا مرا پروانہ ہے شمعِ نبوت کا
گدا اور آستانہ چھوڑ تا شاہِ رسالت کا

جدا سرکار کے قدموں سے ہوں ممکن یہ کیونکر تھا
مری عزلت گزینی میں مگر اک راز مضمر تھا

ہوا ہے حکم صادر پیشگاہِ ربِّ اکبر سے
"کریں مومن نہ اونچی اپنی آوازیں پیمبر سے"

مبادا منہدم ایماں کی بنیاد ہو جائے
گنہ لازم ہو۔ نیکی یک قلم برباد ہو جائے

بلند آواز ہے طبعاً مری ڈر ہے تو اس کا ہے
نہ ٹھیروں مستحقِ آتشِ دوزخ یہ کھٹکا ہے

نہ اب فرقت گوارا ہے نہ پابوسی میسر ہے
غرض دونوں طرح مشکل میں اپنی جانِ مضطر ہے

سنی جب ان کی یہ روداد سرکارِ دو عالم نے
صحابہؓ سے کیا ارشاد سرکارِ دو عالم نے

کہو ان سے کہ دھوئیں اپنے دل سے گرد کلفت کی
زبانِ وحی دیتی ہے بشارت ان کو جنت کی

یہ وہ مومن ہیں پھیلا خلق میں دینِ قویم ان سے
خدا نے خود کیا ہے وعدۂ رزقِ کریم ان سے

زمانہ اب بھی مستغنی نہیں ان کے کمالوں سے
ادب کا درس سیکھے کوئی ان اللہ والوں سے

تلک الایام نداولہا بین الناس

عبرتناک تاریخی شواہد

(از جناب چودہری محمد طفیل صاحب نیرؔ)

(۱)

یحییٰ برکی خلیفہ ہارون الرشید کا وزیراعظم ایک دفعہ کشتی میں بیٹھا دریائے دجلہ کی سیر کا لطف اٹھا رہا تھا۔ اس نے پانی کو ہاتھ سے چھوا۔ تو اس کی انگشتری کا بیش قیمت نگینہ دریا میں گر پڑا۔ یحییٰ کو بہت افسوس ہوا۔ لیکن چند ہی روز بعد جب وہ اپنے دیوان خاص میں بیٹھا ہوا تھا۔ تو اس کے ایک باورچی نے وہی نگینہ لاکر اپنے مالک کے حوالے کیا۔ اور عرض کی کہ میں نے اسے ایک مچھلی کے پیٹ سے نکالا ہے۔ یہ ان ایام کا ذکر ہے۔ جبکہ یحییٰ کا نیر اقبال خوش نصیبی کے فلک الافلاک پر درخشندہ تھا؛

جب یحییٰ کی قسمت نے پلٹا کھایا تو خلیفہ ہارون الرشید اس سے سخت ناراض ہوا۔ یہاں تک کہ اسے جیلخانہ میں بھجوا دیا۔ یحییٰ گوشت کا بہت دلدادہ تھا۔ مگر جیل میں گوشت کہاں نصیب ہو سکتا۔ ایک دن داروغہ جیل کی منت سماجت کرنے کے بعد کسی پرانے اور دیرینہ دوست کی معرفت (جو خلیفہ کے خوف سے چوری چوری یحییٰ سے ملنے آتا تھا) اس نے تھوڑا سا گوشت منگوایا۔ اور خود پکانے لگا۔ جب سالن پک کر تیار ہو گیا۔ اور چولھے سے اتارنے لگا۔ تو ہنڈیا ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور زمین پر گر کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ یحییٰ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ شوربا ضائع ہو چکا تھا۔ خاک آلودہ بوٹیاں اٹھا کر صاف کیں۔ اور خدا کا شکر کر کے کھائیں؛

(۲)

جب نورجہاں پیدا ہوئی۔ تو اس کے والدین اسے وبال جان سمجھ کر جنگل میں چھوڑ گئے۔ کسی قافلے کا وہاں سے گذر ہوا۔ سالار قافلہ نے رحم کھا کر اس نوزائیدہ لڑکی کو اٹھا لیا۔ اور پرورش کا انتظام حسن اتفاق سے اسی کے والدین کے سپرد ہو گیا۔ ہوتے ہوتے یہ لڑکی اپنے والدین کی معیت میں اکبر کے دربار تک پہنچی؛

شیر افگن خان کے ساتھ شادی ہو جانے کے بعد نورجہان پر طرح طرح کی مصیبتیں نازل ہوئیں۔ یہاں تک کہ خاوند کی موت کا صدمہ بھی اٹھانا پڑا۔ چھ سال تک اسی غم میں رہی۔ اور جہانگیر سے اس عرصے میں کلام تک نہ کیا۔

جہانگیر سے شادی کرنے کے بعد ملکۂ ہندوستان بنی۔ اور جہانگیر برائے بادشاہ رہ گیا۔ جس کا اسے خود بھی اقرار تھا۔ چنانچہ کہتا ہے۔ ہم نے شراب کے پیالے اور کباب کے عوض ہندوستان کی سلطنت نورجہان کے ہاتھ فروخت کر دی ہے۔

مرگ جہانگیر نے پھر مصیبتوں کا پہاڑ سر پر گرا دیا۔ معمولی پنشن جو اسے ملتی تھی۔ بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور راہ خدا میں صرف کر دیا کرتی تھی۔ اور خود نہایت سادہ زندگی بسر کرتی تھی؛

اپنی موت کے بعد جہانگیر کے نزدیک ہی شاہدرہ میں دفن ہوئی۔ لیکن جو مقام اس کی آخری استراحت گاہ ہے۔ اس کی شان کے شایان نہیں اگر ممتاز محل کی طرح نور جہاں بھی اپنے خاوند کی زندگی میں مرتی۔ تو آج "روضہ تاج محل" ہندوستان کی یادگاروں میں دوسرے درجے پر ہوتا۔ اور جس عمارت کو اولیت کا فخر حاصل ہوتا۔ اس کا نام "مقبرہ نور" ہوتا۔

(۳)

یورپ کا فاتح اعظم نپولین بوناپارٹ طالب علمی کے زمانہ میں اس قدر غریب اور نادار تھا۔ کہ ایک وقت کھانا کھاتا تھا۔ کسی سوسائٹی میں نہیں جاتا تھا۔ کسی سوسائٹی میں نہیں جاتا تھا۔ اور نہ ہی کسی سے زیادہ بولنا چالنا تھا۔ تاہم اس نے عمر بھر میں ایک دفعہ اور وہ بھی ایام طالبعلمی میں ایک دوست سے صرف پانچ فرانک قرض لئے:

فوج میں بطور لفٹنٹ بھرتی ہوا۔ تنخواہ اس قدر قلیل تھی۔ کہ اس کا اپنا خرچ نہیں چلتا تھا۔ ادھر گھر سے والدہ کی طرف سے خرچ کے لئے خطوں کا ایک نامتناہی سلسلہ شروع تھا۔ اس قدر تنگ ہوا۔ کہ دریائے رائن میں ڈوب کر مرنے کے لئے مصمم ارادہ کر لیا۔ دریا کے کنارے پر آنکھیں بند کئے اور ایڑیاں اٹھائے چھلانگ لگانے ہی کو تھا۔ کہ پیچھے سے اس کے ایک دوست نے آکر پکڑ لیا:

تیسرے وقت میں وہ فرانس کا شہنشاہ تھا۔ دور دور تک اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ جرمنی۔ اٹلی اور مصر وغیرہ تمام اس کے زیر نگیں تھے۔ بڑی بڑی سلطنتیں اس کے نام سے کانپ اٹھتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ خطرۂ یورپ کے نام سے مشہور ہوا:

قسمت نے ایک اور پانسہ پلٹا۔ اور وہی نپولین جو کل فرانس کا شہنشاہ تھا۔ آج جزیرہ البا میں نظربند تھا۔ یہاں اس کی پنشن جو پہلے اس کے لئے منظور ہوئی تھی۔ وہ بھی بند ہو گئی:

جب البا سے فرار ہوا۔ تو کئی میل کی خلیج تیر کر فرانس میں پہنچا۔ لوگوں نے پھر اُسے شہنشاہ تسلیم کیا۔ اس نے پورے سو دن دوبارہ حکومت کی۔ یہ ایام اس کی زندگی میں سو ایام کے نام سے مشہور ہے:

نپولین کی لائف کا آخری حصہ نہایت افسوسناک باب ہے۔ جب سینٹ ہیلنا میں قید کر کے بھیجا گیا۔ تو اس وقت اس کی حالت بہت ہی خراب تھی۔ جسم بیحد پھول گیا تھا۔ قید تنہائی میں سوائے ملکہ جوزیفائن کی تصویر کے کوئی دوسری چیز غمخوار نہ تھی۔ آخر چھ سال کے بعد اسی قید میں جاں بحق تسلیم ہو گیا:

از حضرت جگر مراد آبادی

جنون عشق میں احساس اتنا تیز ہو جاتا ۔۔۔ جو چھو جاتی ہوا، دل درد سے لبریز ہو جاتا

یہ ساری لذتیں ہیں میرے شوق ناکمل تک ۔۔۔ قیامت تھی یہ پیمانہ اگر لبریز ہو جاتا

نہ تھا دل کو احساس گنہ نے مستقل ورنہ

یہی ظلمت کدہ اک دن تجلی خیز ہو جاتا

"حق بحقدار رسید"

فریادی خاتون

بدایوں والے پھولے نہیں سماتے۔ سارا شہر جھاڑ بوہار کر آئینہ بند کر دیا گیا۔ بازار آراستہ ہوئے۔ دکانیں دلہن بنا دی گئیں۔

شہر سے نکل کر باہر چلئیے۔ تو خیموں کا مینا بازار بھرا ہے۔ فوجوں کا سمندر منڈلا رہا ہے۔

فوجی خیموں کو طے کر کے آگے بڑھیں۔ تو بڑے بڑے شامیانے ملتے ہیں۔ ان سے نکل کر ایک بڑا چوک آتا ہے۔ ناصری چبوترے کے پاس فوجی افسر زرق برق وردیاں پہنے کھڑے ہیں۔ اس چوک کے بیچوں بیچ نہایت شاندار سفری بارگاہ استادہ ہے۔ اس میں سلطان غیاث الدین کا دربار عام ہو رہا ہے۔ امیر امرا نذریں گذران رہے ہیں۔ مخلوق کو خلعت، انعام اکرام، منصب، جاگیر وغیرہ سے سرفراز کیا جا رہا ہے۔ فریادیوں کی داد دی جا رہی ہے۔ یکایک سلطان کی نظر عرض بیگی پر جا پڑی۔ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا۔

سلطان۔ کیوں؟

عرض بیگی۔ ترقی ہو اقبال و دولت میں ایک بیوہ فریادی آئی ہے۔

سلطان۔ ابھی ابھی باریاب کرو۔

عرض بیگی بارگاہ کے باہر گیا۔ چوبدار اس کے حلقہ میں ایک برقعہ پوش بی بی کو لایا۔ وہ تھرتھراتی لڑکھڑاتی تخت کی طرف بڑھی ابھی تخت تک نہ پہنچی تھی۔ کہ لڑکھڑا کر منہ کے بل گر پڑی۔ سلطان کے منہ سے اف کی آواز نکل گئی۔ شاہی طبیب کی طرف دیکھا۔ طبیب اس بی بی کے پاس پہنچے۔ ان کے اشارے پر ایک خواجہ سرا تخت کے پیچھے بارگاہ کا پردہ اٹھا کر غائب ہو گیا۔ اور بہت جلد چار باندیاں لے کر حاضر ہوا۔ جنہوں نے اس بی بی کو نہایت احتیاط سے اٹھایا اور بارگاہ کے دوسرے حصہ میں لے گئیں۔

سلطان منتظر تھا۔ خواجہ سرا زمرد آیا۔ سلطان نے برقعہ پوش کی حالت دریافت کی۔

زمرد۔ اقبال شاہی سے اب اس کو افاقہ ہے۔

سلطان۔ اچھا اگر ممکن ہو۔ تو حاضر دربار کرو۔

زمرد۔ اچھا حضور!

بارگاہ کے دوسرے حصہ کی طرف کا پردہ اٹھا۔ دو باندیاں برقعہ پوش بی بی کے بازو تھامے ہوئے آہستہ آہستہ فریادی کو لائیں۔

سلطان۔ (نرم لہجہ میں) بی بی تجھ پر کیا گذری؟ اس شہنشاہ نے جو دو جہاں کا مالک اور خالق ہے۔ مجھ ناچیز بندہ کو رعایا کی فریاد سننے اور انصاف کرنے پر مقرر کیا ہے۔ میں نہیں چاہتا۔ کہ میرے ہوتے رعایا کو تکلیف پہنچے۔ کمزوروں کی حمایت مجھ پر فرض ہے۔ اس دن کو مجھے خدا نہ رکھے۔ کہ زور آور ضعیف بندوں کو ستائیں۔ اور میں ضعیفوں کی حمایت سے عاجز رہوں۔

سلطان کی محبت آمیز نرم تقریر سے برقعہ پوش بی بی کے دکھے دل کو ڈھارس بندھی۔ تسلی ہوئی۔ رک رک کر فریاد کرنے لگی۔

جہاں پناہ سلامت! اس دکھیا کا خاوند ملک صاحب کے یہاں فراش تھا۔

سلطان - کون ملک؟

بیوہ - جناب ملک تعیق صاحب رئیس بدایوں!

سلطان - اچھا پھر کیا ہوا؟

بیوہ - جہاں پناہ! مرنے والے کو جناب ملک صاحب نے دروں سے اس قدر مارا - اس قدر مارا - کہ جان لے لی - اب مصیبت کا سہارا کوئی غلام زادہ بھی نہیں - کہ دل ٹھیرے - زندگی کس طرح بسر ہو - ہائے لٹ گئی!

اف غضب ہو! - سلطان کا دل بلیوں اچھلنے لگا - آنکھوں سے آنسوؤں کی ایک لڑی ٹوٹ پڑی - ملک تعیق اس وقت دربار میں حاضر تھا - جرم کا ثبوت ملنے پر جلادوں کے افسر کو اشارہ کیا - اور حکم دیا - اس بے رحم کو باہر لے جا کر اس دکھیاری کے سامنے جب تک یہ منع نہ کرے - درّے لگاؤ -

---

جلادوں کے افسر نے بھرے دربار میں ملک تعیق کے گریبان پر ہاتھ ڈالا - وہ سلطان سے معافی کی درخواست کرنے کو تھا - کہ سلطان نے گرج کر کہا!

لے جاؤ اس کو! بس! جو بیکسوں کو ستائے - اس کا کوئی عذر نہیں سنا جا سکتا - جسمانی ڈیل ڈول کے طاقتور جلاد نے دیا ایک دھکا - کہ ملک تعیق کتنا پھر کھا تا ہوا ٹھوکریں کھاتا دور جا پڑا - اٹھنے سے پہلے دوسرے جلادوں نے اس کے بازو پکڑے - اور دھکیلتے ہوئے بارگاہ سے باہر لے گئے!

تمام مخلوق تماشہ دیکھ رہی تھی - ہاتھ پاؤں باندھ کر ملک کو اشاٹ لٹا دیا گیا - فراش کی بیوی کے سامنے اس کی دروں سے استرکاری کی جانے لگی!

ملک کے بلبلانے تلملانے پر کٹر جلادوں نے کان نہ دھرے عذاب قبر پہنچانے والے اندھے بہرے فرشتوں کی طرح دھنائی جاری رکھی!

نہ فراش کی بیوی نے منع کیا - نہ جلادوں نے ہاتھ روکا - پٹتے پٹتے ملک صاحب اپنے فراش سے جا ملے - یعنی ان کا دم نکل گیا!

فراش کی بیوی نے دیکھا کہ اب تو ملک صاحب سانس تک نہیں لیتے - شاید مری مٹی پر زور لگایا جا رہا ہے کہنے لگی بس رہنے دیجئے - ہو لیا جو ہونا تھا -

دیکھا تو واقعی ملک صاحب پٹتے پٹتے فنا ہو گئے - اوندھے منہ زمین پر بے طرح مرے پڑے ہیں - جلادوں کا افسر تھکنے پھلانا پھنکارے بھرتا - دربار میں پہنچا!

سلطان - کیوں! کیا ہوا؟

جلادوں کا افسر - مار کی تکلیف سے ملک صاحب کی روح نکل گئی!

سلطان - بہت اچھا ہوا - انصاف یہی ہے - کہ جان کے بدلے جان لی جائے - اچھا اب اس کی لاش لوگوں کی عبرت کیلئے شہر کے دروازہ پر لٹکا دو - یہ ہے انصاف اسلامی! اور یہ تھی رعایا پروری!

(حمایت اسلام)

فارسی علم وادب کی مختصر تاریخ

اہل مغرب جو آج کل اپنے ادب و انشا کے سوا کسی کی زبان کی کچھ ہستی نہیں جانتے۔ وہ بھی مقر ہیں۔ کہ موجودہ فارسی زبان تمام مشرقی زبانوں میں نہایت وسیع۔ شیریں اور لوچدار ہے۔

موجودہ فارسی زبان کی نسبت محققین یورپ کا خیال ہے۔ کہ گیارھویں صدی یعنی پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں قدیم فارسی سے نکلی۔ جو ایران کے جنوبی و مغربی صوبجات میں علی العموم بولی جاتی تھی۔ اور بجز اسکے اس علاقے میں کسی اور زبان کا نشان نہ تھا۔ لیکن تحقیق کی نگاہ سے دیکھیئے۔ تو اس سے پیشتر یہ زبان پیدا ہو چکی تھی۔

عربی شعرا کے کلام اور عربی تاریخوں میں جا بجا فارسی کے الفاظ اور جملے ملتے ہیں۔ جن سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہی فارسی جو اب مروج ہے۔ دوسری صدی کے شروع ہونے سے پیشتر ممالک عجم میں بولی جاتی تھی۔ چنانچہ واثق باللہ کے عہد میں جس نے ۲۳۲ھ ہجری میں وفات پائی۔ حریفان صحبت عیش مغنی کو "خنیاگر" کہنے لگے تھے۔

مامون کے زمانے کا امام موسیقی اسحاق موصلی اپنے ایک شعر میں لکھتا ہے اذا قال لی "یامرحے خور دکرہا"۔ بعض نامور بہادروں کا لقب مشہور ہو گیا تھا۔ "بیزار مرد" لونڈیوں کا نام "بستان" رکھا جاتا تھا۔ گلدستہ کو "دستبویہ" کہنے لگے تھے اور شعرا اپنے کلام میں کہتے "نسرانک الخسروانی"۔

رشید اور مامون کے زمانے میں ایک مشہور شاعر تھا۔ ابن مناذر اس نے اس وقت کے ایک ذی اثر سردا

محمد بن عبدالوہاب کی ہجو میں یہ شعر کہا۔

وقال الشیخ سرجویہ ۔۔۔ ودار المرء من تحت

یعنی شیخ سرجویہ کا قول ہے۔ کہ مرد کا مرض نیچے سے شروع ہوتا ہے۔ ابن سرجویہ اس زمانے کا ایک عجمی النسل طبیب تھا۔ اور مستند مانا جاتا تھا۔ اس نے یہ شعر سنے تو گھبرایا۔ اور ڈرا۔ کہ محمد بن عبدالوہاب مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ فوراً اس کی محفل میں آیا۔ اور تمام حاضرین کے سامنے باآواز بلند کہنے لگا۔

"برکست من نہ گفتم آن پسر مناذر گفت"

سنتے ہی لوگوں کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑ گئے۔ اور ابن عبدالوہاب نے شرما کے اور برہم ہو کے اس سے کہا۔ خدا تیرا برا کرے۔ مگر سرجویہ یہ سمجھا۔ کہ انہوں نے میری معذرت منظور نہیں کی۔ لہٰذا پھر قسمیں کھا کر اسی جملے کا بار بار اعادہ کرنے لگا۔

بہر تقدیر پہلی اور دوسری صدی ہجری میں جو فارسی بولی جاتی تھی۔ ہماری موجودہ فارسی سے کچھ زیادہ مخالف نہ تھی۔ یہ اور بات ہے۔ کہ اس زبان میں تالیف و تصنیف کا سلسلہ بعد کو جاری ہوا۔

قدیم فارسی کی حالت یہ ہے۔ کہ ایران کی قدیم زبانوں میں سے پہلی ژند کے کچھ آثار آج تک باقی رہ گئے ہیں۔ یہ ایک زمانے میں مشرقی ایران میں بولی جاتی تھی۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اسی کو پرانی باختری زبان خیال کرنا چاہیئے۔ مگر اس کو باختری زبان کہنا شاید صحیح

[1] آغانی جلد ۵ صفحہ ۴۸ [2] آغانی جلد ۵ صفحہ ۸۰ [3] آغانی جلد ۱۸ صفحہ ۲۹
[4] آغانی جلد ۸ صفحہ ۱۲ [5] آغانی جلد ۱۸ صفحہ ۱۹

نہ ہوگا۔ کیونکہ باختر وہ ملک ہے۔ جو آریہ لوگوں کا پہلا مسکن تھا۔ وہیں سے ان کے مختلف گروہ اطراف عالم میں پھیلے۔ ایک گروہ نے ہندوستان میں آکر خاکِ ہند کو آریہ ورت بنایا۔ دوسرے گروہ نے فارس میں پہنچکر اُسے آریانہ کے نام سے یاد کیا۔ جو لفظ بعد کے زمانے میں ایران بن گیا۔ یہیں سے اس قوم کے اور گروہ یونان و روم میں پہنچے۔ اور ان کی اولاد حکمت یونان و عظمت روم کی بانی ہوئی۔ مگر کسی کو نہیں معلوم کہ باختر کے قیام کے زمانے میں اُن کی زبان کیا تھی۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ ایران میں جب وہ پہنچے ہیں۔ تو ژند بولتے تھے۔ اور ہندوستان میں داخل ہونے کے وقت سنسکرت بولتے تھے۔ یہ دونو زبانیں اگرچہ باہم بہت ہی قریب ہیں۔ اور ان کی وضع قطع سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بہت قریب کا رشتہ رکھتی ہیں۔ مگر ایک نہیں ہیں۔ اور دونوں میں سے کسی کی نسبت بھی قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ باختر میں بولی جاتی تھیں۔

ژند زبان کی دو بولیاں تھیں۔ اور دونو کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے تقریباً آٹھ سو برس پیشتر فنا ہو گئیں۔ مگر اس قدیم فارسی کے چند نمونے آج تک کوہ بیستون پر اور چند اور مقامات میں پتھر پر منقوش موجود ہیں۔ جو خطِ پیکانی میں لکھے ہوئے ہیں۔ یہ خط شمالی ایران و عراق میں اگلے دنوں کثرت سے مروّج تھا جس کے صدہا نمونے زمین سے کھود کھود کر نکالے گئے ہیں۔ اس میں آڑے اور سیدھے مختلف التعداد تیروں کے ذریعے سے تحریر کا کام لیا جاتا تھا۔ اور اس تحریر کو موجودہ مستشرقین نے پڑھ لیا اور صدہا تاریخی واقعات کا انکشاف ہو گیا۔ زبان ژند کے مٹنے کے بعد ایران میں پہلوی زبان کا رواج ہوا۔ جو حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے دو سو برس پہلے سے لیکر دو سو برس بعد تک ایران کی مروّجہ زبان تھی۔ اس کے پیدا ہونے کا باعث یہ ہوا۔ کہ باختر کے آئے ہوئے آریہ لوگوں کی زبان ژند پر سامی الاصل فاتحوں کا اور اُن کی زبان کا جو بابل و نینوا میں بولی جاتی تھی۔ اثر پڑنا شروع ہوا۔ چنانچہ "پہلوی" زبان میں سامی زبان کے الفاظ بکثرت داخل ہو گئے۔ اور اس میں بہ نسبت ژند کے استقاقاتِ افعال جو دوسرے فعلوں کی ترکیب سے ہوتے ہیں۔ اور نیز منع صرف کی ترکیبیں کم ہیں۔

پہلوی۔ دولتِ ساسانی کی درباری زبان تھی۔ خسروانِ عجم نے اُسے اور اُس کے لٹریچر کو ایک اچھی حد تک ترقی دی وہ پرانا پیکانی خط مردہ ہو کر زمین کے اندر دفن ہو گیا۔ اور نیا پہلوی خط ایجاد ہوا۔ جس کے حروف کی شکلیں دیکھنے میں ہندی کا بھتی یا گجراتی سے ملتی جلتی تھیں۔ مگر عربی و عبرانی کا غالب اثر یہ تھا۔ کہ داہنی طرف سے بائیں جانب لکھا جاتا تھا۔ پارسیوں کی ایک کتاب جس کا نام "ویراف نامہ" ہے۔ مع انگریزی ترجمہ کے لنڈن میں بخطِ پہلوی چھپی ہے۔ اور اکثر پارسیوں کے پاس موجود ہے۔ میں نے بھی اُس کو اپنے ایک پارسی دوست سے لیکر دیکھا تھا۔ اس کتاب کی نسبت دعوے کیا جاتا ہے۔ کہ ساسانِ اوّل۔ اردشیر بابکان کے زمانے کی تصنیف ہے۔ اگرچہ ابھی تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا

مرورِ زمانہ سے جب دولت ساسانی کا زوال شروع ہوا۔ تو پہلوی زبان میں غیر زبانوں کے ہزارہا نئے الفاظ داخل ہو گئے جنہوں نے پہلوی کو غارت کر ڈالا۔ دولت عجم کے اختلاط کی وجہ سے پہلوی میں زیادہ تر کلدانی الفاظ دمادم داخل ہو گئے۔

یہ دیکھ کر علمائے عجم نے اس جانب توجہ کی کہ اپنی زبان کو ان خارجی و بیرونی الفاظ سے پاک کرکے خالص ژند کے مطابق بنالیں۔ اور جب اس احتیاط کے ساتھ ایک نئی شان کی زبان اختیار کی گئی۔ اور اس میں بہت سی کتابیں مذہب زرتشتی کے عقائد پر لکھی گئیں۔ تو اس جدید زبان کو جو آخر بہ اوّل نبشتے واسد کی شان رکھتی تھی۔ استقلال حاصل ہوگیا۔ اور یہ زبان "پاژند" کے نام سے مشہور ہوئی۔ غرض اس کوشش سے ایک نئی زبان پیدا ہو گئی۔ مگر یہ نہ ہوا۔ کہ پرانی ژند زبان زندہ ہو جائے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ساسانیوں کے عہد میں زبان پاژند ایران کی علمی و دینی زبان تھی۔ اور اس دور میں قدیم زبان ژند کی یادگار یا قائم مقام تصور کی جاتی تھی۔

زبان فارسی کی یہ حالت ہو رہی تھی کہ پہلی صدی ہجری کے آغاز میں ایران پر عربوں کا تسلط ہوگیا۔ عرب ظہور اسلام سے پیشتر ایران سے مغلوب ہو رہے تھے۔ دولت عجم کی شوکت و حشمت اور ایرانیوں کی تہذیب و شائستگی کا سکہ مانے ہوئے تھے۔ اور ان پر فارسی عظمت کا رعب پڑا ہوا تھا۔ اب انہوں نے اس ملک پر حکومت قائم کرکے اپنی سطوت تو بٹھالی۔ مگر اس کی علمی عظمت کے آگے سر جھکائے رہے۔ پاژند کی دینی کتابیں اور پہلوی زبان کا لٹریچر بہت کچھ سکندر اعظم کی دست برد سے فنا ہو چکا تھا۔ جو باقی تھا۔ اب خود بخود بے مٹائے مٹنے لگا۔ اس لئے کہ ایرانی بہ کثرت دین اسلام کو اختیار کرنے لگے تھے۔

لیکن عربی کی بے ابضاعتی اور فارسی کی علمی دولتمندی کا یہ اثر تھا۔ کہ عہد عرب کی پہلی صدیوں میں ہمیں تاریخوں کے اندر جستہ جستہ جو فارسی کے جملے مل جاتے ہیں۔ ان میں عربی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ لیکن شعرائے عرب اور دربار خلافت کی زبان میں بہ کثرت فارسی الفاظ نظر آجاتے ہیں۔ ان کا سارا عیش فارسی الفاظ سے بھرا ہوا ہے۔ گویا عرب باوجود حاکم ہونے کے رعایا کی زبان اختیار کرتے جاتے ہیں۔ بخلاف اس کے رعایا ان کی زبان کی مطلق وقعت نہیں کرتی۔

دوسری صدی ہجری کے آخر میں جب ہارون رشید کی کوشش سے یونانی و رومی اور دیگر علمی زبانوں کے علوم عربی میں ترجمہ ہوئے عربوں میں علمی ذوق و شوق بڑھا۔ اور عربی لٹریچر کا خزانہ دولت علم سے مالا مال ہوگیا۔ تو فارسی زبان کو عربی علمی شوکت کے آگے سر جھکانا پڑا۔ اور عربی الفاظ یکایک فارسی میں داخل ہونے لگے میرے خیال میں یہی وقت ہے۔ جب سے موجودہ فارسی بننا شروع ہوئی۔ جب کہ عربی کے ساتھ ساتھ ہر دینی و دنیوی فن میں یہ جدید فارسی بھی ترقی کرنے لگی۔ لیکن اب نئے جنم کے ساتھ اس نے بجائے زرتشتی مذہب کے دین اسلام اختیار کر لیا تھا۔ اس لئے اس کے تمام شعرا و ادیب اور کل مصنفین مسلمان تھے۔ اور اس کا ادب والشا مذہباً و علماً عربی ادب کا پیرو تھا۔

اس صدی کے آخر میں رشید کے دونو بیٹوں امین و مامون میں جو لڑائی ہوئی۔ وہ دراصل عرب و عجم کی اور اسی سلسلے میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ عربی و فارسی زبانوں کی لڑائی تھی۔ اس لئے کہ مامون ایک عجمیہ ماں کا بیٹا تھا۔ اور سارا ایران خصوصاً خراسان اس کا طرفدار بنا ہوا تھا۔ اور پھر جب مامون کو فتح ہوئی تو کہنا چاہیے کہ عجمیت عربیت پر فتحیاب ہوئی۔

مامون کے فتح کے ساتھ ہی خراسان کے شہر طوس میں زبردست دربار قائم ہوا۔ اس کا عنصر اعظم عجمیت تھی۔ مامون ہی کے زمانے میں خراسان پر طاہر کی حکومت شروع ہوئی۔ جو مدت دراز تک اسی کی نسل میں رہی۔ اور خاندان طاہریہ بسمرقند میں ادب و

شاعری کا سب سے بڑا مربی تھا۔ اسی خاندان کے عہد سے عربی مذاق شاعری۔ فارسی کے مبالغے اور اس کے استعارات و تشبیہات اختیار کرنے لگا۔ اور وہ عربی شاعری عروج پانے لگی۔ جو شعرائے مولدین کی شاعری کہلائی۔ چنانچہ سب سے بڑے مولد شاعر متنبی کی اس دربار نے بڑی قدر کی۔

عبداللہ بن طاہر کا زمانہ عربی و فارسی دونوں ادبوں کی ترقی کا زمانہ ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اس عہد کے کسی شاعر کا کلام محفوظ نہیں ہے۔ کہ پیش کیا جا سکے۔

طاہریہ خاندان کی بدولت ترکستان میں جو علاقہ اُن دنوں ولایت خراسان کے تابع اور ما ہی کا جزو سمجھا جاتا تھا۔ آل سامان کی حکومت شروع ہوئی۔ اس دربار نے فارسی ادب و شاعری کی طرف خاص توجہ کی۔ نصر سامانی اس خاندان کا سب سے بڑا علم دوست۔ اور فارسی کا مربی شہریار تھا۔

اسی دربار میں رودکی سب سے پہلے فارسی میں غزلسرائی شروع کی۔ یونانی شاعری کے بانی ہومر اور رودکی میں عجیب قسم کی مشابہت نظر آتی ہے۔ ہومر بھی گویا تھا۔ اور رودکی بھی۔ ہومر بھی اندھا تھا۔ اور رودکی بھی۔ ہومر بھی اپنا کلام گا گا کے سنایا کرتا تھا۔ اور رودکی بھی۔ فرق اتنا تھا۔ کہ ہومر مفلس و قلاش تھا۔ اور رودکی نصر سامان کی قدر دانی کی گرمی سے بڑا دولت مند اور صاحب شوکت حشمت تھا۔ ہومر صرف شاعر اور مغنی تھا۔ رودکی شاعر اور مغنی ہونے کے علاوہ نثار اور ادیب بھی تھا۔ چنانچہ اس نے بیدپائے برہمن اور داشلیم کے قصے کا ترجمہ عربی سے فارسی میں کیا۔ مگر افسوس کہ وہ کتاب دست برد زمانہ کے زمانہ کے نذر ہو گئی۔

اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ کہ جدید فارسی کے ابتدائی شعراء کے کلام میں عربی الفاظ نہیں ہیں۔ جیسا کہ فردوسی کا شاہنامہ دیکھنے سے شبہ ہوتا ہے۔ مگر صحیح یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سے بہت پیشتر عربی الفاظ ایرانیوں کی زبان پر جاری اور نظم فارسی میں داخل ہو چلے تھے۔ چنانچہ فارسی کے پہلے شاعر رودکی کے اشعار سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اُس کا ایک قطعہ ہے ؎

نگارینا شنیدستم کہ گاہ محنت و راحت ۔ سہ پیراہن سلب بودہ است یوسف را بعمر اندر

یکے از کید شد پرخون دوم شد چاک از تہمت ۔ سوم یعقوب را از بوش روشن گشت چشم تر

رخم ماند بدان اول دلم ماند بدان ثانی ۔ نصیب من شود در وصل آن پیراہن دیگر

ان تین شعروں میں دس عربی الفاظ محنت راحت۔ سلب۔ عمر۔ کید۔ تہمت۔ اول۔ ثانی۔ نصیب۔ وصل موجود ہیں۔ فردوسی کے معاصر شعرا کے کلام میں بھی اسی طرح فارسی میں عربی الفاظ ملے ہوئے ہیں۔ جیسے آج کل کے شعرائے فارس کے کلام میں ہوا کرتے ہیں۔ حکیم عنصری بادشاہ کی مدح میں کہتا ہے ؎

بوقت قدرت رحم و بوقت زلت عفو ۔ بوقت تنگی بخشش بوقت عہد وفا

فردوسی کا ایک دوسرا معاصر منوچہر شصت کلا اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے ؎

ترکیب از طبایع و مستغنی از نوالش ۔ مدہوش گشت فہمم و در راحت خیالش

خاکست طینت تو و با آب ہم مزاج ۔ بد لواست طالع تو و با حوت ہم عنانش

ایک اور قصیدہ میں کہتا ہے

قول او برہان او ہمہ حجت است و ہمہ دلیل ۔ فعل من عز و جل من ہم نشاید ستود و ہم دلیل

فارسی کے ان قدیم نمونوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ فارسی شاعری کا آغاز اُسی فارسی سے ہوا۔ جس میں عربی الفاظ ملے ہوئے تھے۔ اور عربی فارسی شاعری کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ فردوسی نے اس تعصب کی بنیاد پر جو اُسے عربوں سے تھا۔ خاص طور پر کوشش کر کے فارسی سے عربی الفاظ نکالے جس کی وجہ سے اُس کی زبان غیر مانوس اور خلاف محاورہ ہو کر بگڑ گئی۔ اُس کی

وقعت اتنی بڑی مثنوی لکھ دینے اور ایک نہایت سلیس تاریخ عجم کے منظوم کر دینے سے کی گئی اور کی جاتی ہے۔ نہ اس لحاظ سے کہ اس کی فارسی اپنے زمانے میں یا کسی زمانے میں فصیح یا با محاورہ فارسی تھی۔

اس کے بعد لٹریچر ترکستان و خراسان اور ایران میں ترقی کرتا رہا۔ اور وہی عربی سے ملی ہوئی فارسی تمام ممالک عجم کی مادری زبان بن گئی۔ اس میں شک نہیں۔ کہ ادبی حیثیت سے اُسے سب سے زیادہ ترقی آل سامان کے بعد آل سبکتگین نے دی۔ جب کہ فارسی کا ادب اپنے انتہا کے کمال کو پہنچ گیا تھا۔

پھر اس کے بعد کسی ایرانی دربار نے ادب فارسی کی پشت پناہی نہیں کی۔ بعض بعض درباروں میں نامور شعرا پیدا ہو گئے مگر جیسی توجہ اس کی ترقی کی جانب دربار غزنوی نے کی تھی کسی سلطنت نے نہیں کی۔

محمود ہی کے زمانے سے مسلمان اپنے علم اقبال کے ساتھ فارسی زبان کو ہندوستان میں لائے۔ اور اُس کے ادب و انشا کی ترقی کے لئے ہر قسم کی کوششیں جاری ہو گئیں۔ عہد مغلیہ تیموریہ میں یہاں تک ترقی ہوئی۔ کہ مسلمان تو مسلمان ہندو بھی فارسی میں غزل خوانی کرنے لگے۔ اور ہزاروں ہندوؤں نے اپنے فارسی دیوان مرتب کر کے ادبی خزانۂ عجم میں امانت رکھوا دیئے۔

دولت مغلیہ کا رقیب ایران میں صفوی خاندان تھا۔ مگر اس نے ایران میں فارسی کی ترقی کی طرف کبھی ایسی توجہ نہیں کی۔ جیسی کہ ہندوستان میں ہو رہی تھی۔ نتیجہ یہ تھا۔ کہ ایران میں جو خوش گو شاعر پیدا ہوتا۔ ذرا سی نمود حاصل ہوتے ہی ہندوستان کا راستہ لیتا۔ ایران ہی کے لکھے ہوئے تذکرے شہادت دے رہے ہیں۔ کہ مسلسل تین چار صدیوں تک یہ حالت تھی۔ کہ جہاں کہیں اچھا شاعر پیدا ہوتا ہندوستان اُس کو دربار عجم ہی سے نہیں۔ بلکہ ملک عجم سے ہی چھین لیتا۔

ہندوستان میں یہ حالت ہو رہی تھی۔ کہ فارسی دربار سے نکل کر عام ہندو مسلمانوں کی زبانوں پر جاری ہوتی جاتی۔ فارسی ادب کا مذاق ہندوستانیوں کے دل و دماغ پر جاری ہوتا جاتا اگر اس رجحان کو دو تین صدیاں اور مل جاتیں۔ تو ہندوستانیوں کی مادری زبان فارسی ہو جاتی۔ جس کے آثار ہزاروں واقعے سے نمایاں ہیں۔ تمام گانے والے اور گانے والیوں کی زبان پر فارسی غزلیں تھیں۔ ہر سوسائٹی اُسی درجہ تک مہذب تھی، جس قدر اُس میں فارسی الفاظ کا زیادہ استعمال ہوتا۔ دیہات کے بسنے والے۔ برہمن۔ اور کھتری عربی و فارسی الفاظ کو ایک زیور تصور کر کے اپنی دیہاتی زبان تک اس سے آراستہ کرتے جاتے تھے

اور یہی رجحان اُردو زبان کے پیدا ہونے کا باعث ہوا۔ مولوی عبد الحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد کا یہ خیال صحیح ہے۔ کہ اُردو انگریزوں کی کوشش سے ایک مستقل زبان بنی۔ مسلمان حکومت کی پیدا کی ہوئی نہیں ہے۔ اس لئے کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے جو زبان بولی جاتی تھی۔ وہ کوئی مستقل زبان نہ تصور کی جاتی تھی۔ اور نہ تھی۔ بلکہ وہ فارسی کے ہندوستان کی مادری زبان بننے کے رجحان کا ایک نتیجہ تھا۔ جو روز بروز بدلتا اور فارسی اثر کو غالب کرتا جاتا تھا۔ ہندو مسلمانوں میں سے کسی کے دل میں یہ خیال نہ آیا تھا۔ کہ اس زبان کو کوئی خاص زبان تسلیم کیا جائے۔ دونوں ذوق و شوق اور جوش و خروش سے اسی دھن میں لگے ہوئے تھے۔ کہ ہماری زبان فارسی ہو جائے۔ اس رجحان کے درمیان میں سلطنت کا انقلاب ہوا۔ عنان

حکومت انگریزوں کے ہاتھ میں آئی۔ انہوں نے اپنی اس وقت کی مصلحتوں سے اسی زبان کو جو بولی جارہی تھی۔ اختیار کرکے اس میں کتابیں تصنیف کرائیں۔ اس کے نحو صرف کی کتابیں اور لغتیں مدون کروائیں۔ پھر اسی زبان کو سرکاری عدالتوں اور دفتروں کی زبان بنا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ فارسی کے ہندوستان کی مادری زبان بننے کا جو اسٹیج اس وقت تھا۔ اپنے مقام پر ٹھہر گیا۔ اور وہی زبان ہندوستان کی مستقل زبان بن گئی۔ چند روز بعد جب رنگی ہوئی تاریخی کتابیں اسکولوں میں پڑھائی گئیں۔ تو ہندو مسلمانوں میں مخالفت پیدا ہوئی۔ اس نے اردو زبان کو ایک نئی کشمکش میں ڈال دیا۔ ادھر ہندوؤں کو دھن ہوئی۔ کہ اس میں سے عربی و فارسی الفاظ کو نکال کے ان کی جگہ سنسکرت کے الفاظ داخل کریں۔ ادھر مسلمان اردو کی اس حالت کے جس پر وہ تھی محافظ بنے۔ یعنی کوشش کرنے لگے۔ کہ چاہے نئے عربی و فارسی الفاظ نہ اختیار کئے جائیں۔ مگر جو ہماری زبان میں داخل ہو چکے ہیں۔ محفوظ رکھے جائیں۔

جس طرح ہندو فی الحال کوشش کر رہے ہیں۔ کہ اپنی زبان سے فارسی و عربی الفاظ کو نکال ڈالیں۔ ایسی ہی کوشش فی الحال ایک بہت محدود حد تک یورپ کے اثر سے فارسی میں بھی کی گئی۔ چنانچہ ناصر الدین شاہ قاچار کے چچا فرہاد مرزا نے "نامہ خسروان" کے نام سے ایران کی ایک تاریخ لکھی۔ تو اس میں پابندی کی۔ کہ عربی کا کوئی لفظ نہ آنے پائے۔ مگر ایران میں چونکہ ہندوستان کی طرح مختلف مذاہب کی کشمکش نہیں۔ اس لئے فرہاد مرزا کی کوشش کا وہاں کے فارسی لٹریچر پر مطلق نہ اثر پڑا۔ بلکہ وہاں کی جو کتابیں آج کل بالکل بولی جانے والی سادی زبان میں لکھی گئیں۔ اور گفتگو کی سچی تصویریں ہیں۔ ان میں بھی عربی الفاظ بہ کثرت موجود ہیں۔ ناصر الدین شاہ کے سفرناموں اور جدید ڈراموں خان لنکران وغیرہ کو دیکھئے۔ تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ عربی الفاظ اس طرح فارسی کے جزو اہم بن گئے ہیں۔ کہ ان کے نکالنے کی کوشش کرنا۔ زبان کو بنانا نہیں بلکہ بگاڑنا ہوگا۔

مگر یہاں ہندوؤں سے یہ کہنا۔ کہ اپنی زبان میں سے مانوس و مروج فارسی عربی الفاظ کا اخراج کرنا آپ کی زبان کو غارت کئے ڈالتا ہے۔ مطلق نہ سنا جائیگا۔ بلکہ کیا عجب بدنیتی پر محمول کیا جائے۔ تاہم ہمیں اتنا ضرور کہہ دینا چاہیئے۔ کہ جن زبانوں کا قدیم رنگ اور خزانہ الفاظ محفوظ ہو۔ ان میں سے اگر بعد والے بیرونی الفاظ کو نکالا جائے تو ممکن ہے۔ اور مفید بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ مگر جن زبانوں پرانا لٹریچر محفوظ نہ ہو اور پرانی زبان فنا ہو گئی ہو۔ ان میں ایسی کوشش ہرگز سود مند نہیں ہو سکتی۔ جدید فارسی کو اب کوئی کوشش پہلوی نہیں بنا سکتی۔ اسی طرح ہندوستان میں کوئی امکانی کوشش یہ نتیجہ نہیں پیدا کر سکتی۔ کہ ہماری مادری زبان کو سنسکرت بنا دے۔ ایسی خلاف فطرت کوششیں بجائے بنانے کے کام کو بگاڑ دیا کرتی ہیں۔

خود یورپ کو دیکھو۔ انگریزی اگرچہ سیکسن زبان ہے۔ مگر اس میں سے لاطینی اور یونانی لفظوں کو نکال ڈالنا اس کی جان نکال لینا ہے۔ اسپین والوں نے انتہا سے زیادہ تعصب کے ساتھ عربوں کو اپنے ملک سے نکالا۔ ان کے ہر اثر کو مٹانا چاہا۔ مگر عربی کے ہزارہا الفاظ انکی زبان میں داخل ہیں۔ دریاؤں شہروں اور صوبوں کے نام آجتک عربی ہیں۔ اور انکے امکان سے باہر ہے۔ کہ انکو خارج کر دیں۔

دنیا کی تمام موجودہ زبانیں ایک دوسرے کے اثر سے متاثر ہیں اور اندرونی یا بیرونی اثر سے ہر زبان بدلتی رہتی ہے۔ مگر یہ امکان سے باہر ہے۔ کہ کوئی قوم اپنی مردہ زبان کو پھر زندہ کر لے۔

نمرود کا خواب

حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے دو ہزار برس قبل بابل کی سلطنت درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ دنیا کی کوئی سلطنت ایسی نہ تھی۔ جو اس سلطنت کا مقابلہ کر سکتی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بت پرستی کا بازار بھی گرم تھا۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی بجائے لوگ بت پرستی میں مبتلا تھے۔

جس زمانہ کا یہ تذکرہ ہے۔ اس زمانہ میں سلطنت بابل کا فرماں روا نمرود بن کنعان تھا جس کا غرور و تکبر حد سے بڑھا ہوا تھا یعنی کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور اپنا مجسمہ ہر عبادت خانہ میں رکھوا کر لوگوں کو اس کی پرستش کا حکم دیا۔

ایک شب نمرود نے خواب میں دیکھا۔ کہ ایک نہایت روشن ستارہ بابل کے مشرقی افق سے نمودار ہوا۔ جس کی تیز روشنی سے مہتاب شرمانے لگا۔

اس خواب سے نمرود سخت پریشان ہوا۔ اور کاہنوں کو بلا کر اس کی تعبیر پوچھی۔ سب نے بیک زبان کہا۔ کہ اس سال ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا۔ جو تیری بادشاہت کو برباد کر دیگا۔ یہ لڑکا ابھی زماں کے پیٹ میں نہیں آیا ہے۔

نمرود یہ تعبیر سنکر کانپ اٹھا۔ لیکن مشورہ کے بعد یہ حکم دیا۔ کہ ملک کے تمام مردوں اور عورتوں میں جدائی کرا دی جائے۔ کوئی شوہر اپنی بیوی کے پاس نہ جائے۔ چنانچہ فوراً اس کا بندوبست کر دیا گیا۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آذر جس کا پیشہ بت تراشی تھا۔ نمرود کے دربار کا خاص مصاحب تھا۔ نگہبانوں کی غفلت سے آذر کو اپنی بیوی متلے کے پاس جانے کا موقع مل گیا۔ اور متلے حاملہ ہوئی۔

صبح کے وقت نجومیوں نے حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ جس لڑکے کے متعلق پیشین گوئی کی گئی تھی۔ وہ شکم مادر میں آچکا۔ نمرود سنکر غیظ و غضب سے بھر گیا۔ اور حکم دیا کہ تحقیقات سے جتنی عورتیں حاملہ پائی جائیں۔ ان کی نگرانی کیجائے۔ اور لڑکا پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے۔

متلے کے پاس بھی تجربہ کار دائیاں آئیں۔ لیکن خدا کی قدرت کہ حمل کا کوئی آثار معلوم نہ ہوا۔ جب وضع حمل کا زمانہ قریب آیا تو بچے کی جان کے خوف سے متلے جنگل میں چلی گئی۔ جہاں اس کے فرزند مولود کی ولادت ہوئی۔ متلے نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو وہیں چھوڑ دیا۔ اور اپنے شوہر سے کہدیا۔ کہ لڑکا پیدا ہوتے ہی فوراً مر گیا۔ دوسرے دن جب متلے اپنے بچے کو دیکھنے گئی۔ تو دیکھا۔ کہ بچہ دونوں انگوٹھوں کو چوس رہا ہے۔ ایک انگوٹھے سے دودھ بہ رہا ہے اور دوسرے سے شہد۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دن بدن حیرت انگیز طریقہ سے بڑھتے تھے آپ ایک روز میں اسقدر بڑھتے تھے جسقدر اور بچے ہفتہ میں۔

نمرود نے انتہائی کوشش کی۔ کہ توحید کی یہ جگمگاتی ہوئی روشنی نمودار نہ ہو۔ لیکن خدا کی قدرت دیکھو۔ یہ روشنی ایسے گھر سے نمودار ہوئی۔ جہاں بتوں کا ڈھیر تھا۔ دنیا کی کوئی طاقت خدائی سکیم میں روڑے نہیں اٹکا سکتی۔ انسان لاکھ کوشش کرے۔ خدا کی مرضی کیخلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ نمرود شقی کی خدائی کچھ کام نہ آئی۔ اور آذر کے بتکدے سے اس روشنی نے نمودار ہو کر تمام شام کو منور کر دیا۔ بت پرستی۔ خود پرستی نیست و نابود ہوئی۔ توحید کی اشاعت ہوئی۔ اور حق کا کلمہ بلند ہوا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد۔

شہاب

درسِ عبرت

نہ وہ اُلفت نہ وہ عزت نہ حمیت ہی رہی
نام اسلام ہی باقی ہے مسلمانوں میں

ذکر خالق جو ہوا ہو گئے بیزار سبھی
رہتے مصروف ہیں وہ عشق کے افسانوں میں

جانتے ہی نہیں وہ چیز ہے کیا صوم و صلوٰۃ
نام کو آئے وہ دنیا میں مسلمانوں میں

درد بھائی کا ہے دل میں نہ ذرا قوم کا پاس
خاک نکلیں گے دم وقت یہ میدانوں میں

تم پہ افسوس صد افسوس ذرا دیکھو تو
ڈال کر آپ ہی منہ اپنے گریبانوں میں

وہ بھی مسلم تھے کہ اسلام کی عزت کیلئے
سر بکف ہو کے نکل آتے تھے میدانوں میں

مل کے جب نعرۂ تکبیر لگاتے تھے سبھی
کانپ جاتے تھے صنم سارے صنم خانوں میں

بچہ بچہ تھا جو اسلام کا شیدائی تھا
رہتے مشغول تھے وہ حرب کے سامانوں میں

ان میں اُلفت بھی اخوت بھی تھی یکتائی بھی
بغض و کینہ تھا نہ اللہ کے دیوانوں میں

ہو اگر آج بھی تم میں وہ حمیت پیدا
تم بھی کر سکتے ہو اک پل میں حریت پیدا

(عمر الدین)

دولت آصفیہ اور ہندو مندر

پنجاب کے فتنہ پرداز اور پنجاب کے آریہ سماجی ہمیشہ قلمرو دکن کیخلاف یہ غلط بیانی کرتے رہتے ہیں۔ کہ وہاں ہندوؤں کے مندر کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ ہندوؤں کو اپنے مراسم مذہبی ادا کرنے میں بے حد رکاوٹیں ہیں۔ اور مسلمانوں کو مساجد تعمیر کرنے کی اجازت نہایت آسانی سے مل جاتی ہے۔ اعلیٰحضرت شہریار دکن کی رعایا میں اکثریت اچھوتوں کی ہے۔ جنہوں نے بارہا اعلیٰحضرت کی خدمت اقدس میں اس بنا پر اپنی عمیق ارادت و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ کہ حضور کے ظلِّ عاطفت میں ہر قوم کے معابد اچھی حالت میں ہیں۔ اور کسی قوم کو مراسم مذہبی ادا کرنے میں کسی قسم کی دقت نہیں ہوتی۔

چنانچہ پچھلے دنوں حیدرآباد دکن کے دیشنو سناتن دھرم ہندوؤں کے تمام جلیل القدر مہنت اپنا ایک نہایت معزز وفد لے کر نواب بہادر یار جنگ رکن سیاسیات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان ہندو بزرگوں نے اعلیٰحضرت کی ذات والا اور عمال ریاست سے اپنی پوری وفاداری کا اظہار کیا۔ اور ان تمام لوگوں کے خلاف اظہار نفرت کیا۔ جو اعلیٰحضرت شہریار دکن یا آپ کی ریاست کے خلاف ناپاک پراپیگنڈا میں مصروف رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان مہنتوں نے تین مطالبات بھی کئے۔ اوّل۔ ہماری نقل و حرکت اور اجتماع عام پر کسی قسم کی پابندی نہ ہو دوم۔ مندروں کے لئے اعلیٰحضرت نے جو عطیات مقرر کر رکھے ہیں۔ ان کا شکریہ اور بعض مندروں کے لئے عطیہ کی استدعا۔ تیسرا۔ مطالبہ یہ تھا۔ کہ ریاست میں چند لاکھ ایسے ہندو بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ جو ہمارے دیوتا رام اور کرشن کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ان لوگوں کی ہرزہ سرائی سے ہمیں بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ لہذا ہمیں حق دیا جائے۔ کہ ہم ان کے خلاف قانونی کارروائی کریں۔ (ان لوگوں سے آریہ سماجی مراد ہیں)۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر نے اس اظہار عقیدت و وفاداری کے لئے وفد کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے تمام تر مطالبات کی تکمیل کے متعلق اطمینان دلایا اور وعدہ کیا۔ کہ وہ ان کے جذبات وفاداری کو اعلیٰحضرت کی خدمت اقدس میں عرض کر دیں گے۔

پنڈت راج نرائن ارمان دہلوی کو شمالی ہند کے تمام اخبارین حضرات جانتے ہیں۔ آپ سناتن دھرمیوں کے قدیم کارکن اور اردو کے پرانے اخبار نویس اور شاعر ہیں۔ مندروں کے تحفظ و احترام کے متعلق کسی آریہ سماجی کے مقابلہ میں ایک راسخ الاعتقاد سناتن دھرمی ہندو کا بیان زیادہ مستند سمجھنا چاہئے۔ پنڈت ارمان دہلوی نے حیدرآباد میں سناتن دھرم ہندوؤں کے دوسرے سالانہ جلسے پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ:۔

تجب میں حیدرآباد کی طرف روانہ ہو رہا تھا۔ تو اخباروں کی اطلاعات کی بنا پر میرا خیال تھا۔ کہ ریاست حیدرآباد میں مندروں کی حالت قابل اعتراض ہے۔ اور ہندوؤں کے مندروں کی طرف حکومت کی مطلق کوئی توجہ نہیں۔ میں نے ارادہ کیا تھا۔ کہ حیدرآباد پہنچکر حکومت سرکار عالی کی توجہ مندروں کی طرف مبذول کراؤں۔ لیکن یہاں آکر جب ہر عنوان سے تحقیقات

کی ۔ تو یہ معلوم کر کے بے حد مسرت ہوئی ۔ کہ ہندو اخبارات کا بیان سراسر گمراہ کن اور جانبداری پر مبنی تھا ۔ یہاں کے تمام مندروں اور معبدوں کو حکومت سرکار عالی کی طرف مالی امداد کافی مل رہی ہے ۔ اور مسلم معابد کی نسبت ہندوؤں کے مندر تعداد میں بہت زیادہ ہیں ؛

یہ پنڈت ارمان صاحب کے سرسری معائنہ کا نتیجہ نہیں ۔ بلکہ وہ خود کہتے ہیں ۔ کہ "میں نے ہر عنوان سے تحقیقات کی" اور مندرجہ بالا بیان اسی تحقیقات کا نتیجہ ہے ۔ اس کے علاوہ پنڈت جی نے یہ بھی فرمایا ۔ کہ "میں نے بہت سی ہندو ریاستوں کا دورہ بھی کیا ہے ہندو راجا میرے دوست بھی ہیں ۔ لیکن ان کے ہاں میں نے حیدرآباد دکن کی طرح سارے مندروں کو امداد ملتے ہوئے نہیں دیکھا"

یہ اس شخص کی رائے ہے ۔ جو ایک مشہور سناتن دھرمی لیڈر ہے ۔ اور مورتی پوجا وغیرہ کا زبردست حامی ہے ۔ اس کے متعلق یہ خیال نہیں کیا جا سکتا ۔ کہ وہ اس قدر نازک مذہبی مسئلہ میں کسی مصلحت سے ضمیر فروشی کرے گا ۔ وہ صاف کہتا ہے ۔ کہ قلمرو دکن میں ہندوؤں کے مندروں کو باقاعدہ امداد ملتی ہے ۔ ہندو سبھائیوں کا مخالفانہ پروپیگنڈا بالکل بے بنیاد ہے ۔ اور کسی ہندو ریاست میں بھی مندروں کو اس قدر امداد نہیں ملتی ۔ جس قدر اعلیحضرت کی مملکت میں مل رہی ہے ؛

کیا اس صریح شہادت کے بعد بھی ہندو سبھائیوں کو اعلیحضرت کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہوئے شرم نہ آئے گی ؛

"ندوۃ القریش"

انتظامی مجلس کے بعض اراکین کی اپنی اہم ذاتی مصروفیات اور مقامی عدم حاضری کی وجہ سے کچھ عرصہ باقاعدہ اجلاس ملتوی رہے لیکن دفتری کاروبار برابر جاری رہا ۔ کارکنان ندوہ کی توجہ زیادہ تر حقوق زراعت کے مسئلہ زیر بحث کی جانب مرکوز ہے ۔ اور بفضل اللہ تعالیٰ وہ امید کے ساحل کے قریب پہنچ گئے ہیں ۔ تفصیلی حالات بذریعہ سرکلر نمبر پانچ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب شائع کئے جائینگے قوم کا فرض ہے ۔ کہ قومی ضروریات کا احساس کرتے ہوئے قومی مرکز کی اعانت کرے ۔ وباللہ التوفیق ؛

القریش کے معاون مربی اور قوم کے بہی خواہ حافظ نسب رسولؐ محترم قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی ریٹائرڈ مستوفی القریش کی مالی اعانت میں پانچ روپے کی رقم ارسال فرماتے ہوئے برادران قریش سے اپنے قومی میگزین کی توسیع اشاعت کی اپیل کرتے ہیں ۔ قبل ازیں اس بارہ میں کئی بار احباب کو توجہ دلا چکے ہیں ۔ امید ہے کہ دردمندان قوم اپنی اہم قومی ضرورت کی جانب توجہ دیکر عنداللہ و عندالقوم مشکور ہوں گے ؛

اطلاع

خط و کتابت کرتے وقت اپنی چٹ کا نمبر خریداری ضرور درج کیا کریں ۔ ورنہ عدم تعمیل کی شکائت معاف رکھیں ؛

میری سرگذشت

(نمبر ۲)

وہاں میں بال تو آ ہی چکے تھے۔ مگر گوہر و یوسف کی مصلحت یہ تھی کہ واپسی کے لئے اظہار کی سبقت میری طرف سے ہو۔ اور میری صوابدید کا اقتضا یہ تھا۔ کہ وہ سبقت کریں۔ اسی ذہنی کشمکش میں ایک مہینہ اور بھی گذرا۔

جب سے یوسف خان کی شادی قمبرانی خاندان میں ہوئی۔ اسی وقت سے میر پسند خان گوہر خان سے ملاص ہو چکا تھا۔ اور جوں جوں گوہر و یوسف خود سری و سرکشی کے جوڑ توڑ میں مستعد العمل ہوتے جاتے تھے۔ توں توں پسند خان "چیف آف دی جھالا وان" بننے کی کوششوں میں معروف ہوتا گیا:

"اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

گوہر خان کچھ تو عادت کے لحاظ سے اور زیادہ تر ضرورت کے لحاظ سے کہ دشمن دار تھا کسی ایک مقام پر زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہرتا تھا اور مجھے چونکہ گوہر و یوسف کے ساتھ رہنا پڑتا۔ اس لئے جہاں وہ جاتے۔ میرے لئے وہاں کی سیاحت کا موقعہ نکل آتا!

اس دوران میں جن مقامات کو دیکھا۔ وہ بقرار ذیل ہیں :۔

(۱) پیر قلندر۔ (میں نے اسے پہلی مرتبہ ۲ مارچ ۱۸۹۴ء کو دیکھا تھا۔) راستہ سنگلاخ اور دشوار گذار ہے۔ اس لئے اونٹ یا گھوڑے سے اتر کر پیدل بھی چلنا پڑتا۔ میری سواری کے لئے سانڈنی تھی۔ مگر شتربان کا جہاں جی چاہتا "مغ ہش" کے الفاظ کہ دیتا۔ اور وہ جھٹ بیٹھ جاتی۔ اس وقت مجھے اس بات کی صداقت معلوم ہوتی۔ کہ مرکبے کہ عنانش بدست غیر باشد۔ سواری را نشاید؛

پیر صاحب کا مزار بالکل سادہ ہے۔ اور چاروں طرف پہاڑوں سے گھرے ہوئے ایک خوبصورت قطعہ میں واقعہ ہے جو پہاڑی موسومہ کوٹو کے نیچے ہے اور رود مولا کی ایک معاون ندی "لیڈو" سے سیراب ہوتا ہے۔ یہاں جگ کے درختوں کا ایک نخلستان ہے۔ جس کو اس پاس کے "لوری" (ڈوم مراسی) کنگھیاں بنانے کے لئے کاٹ کر لے جاتے ہیں۔ اس مقام کا نام فقیر قلندر کے نام پر ہے۔ جو بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس جگہ غائب ہوا۔ ہر ایک مسافر جو یہاں سے گذرتا ہے۔ مجاوروں کے لئے مٹھی بھر غلہ پیش کرتا ہے۔ میں نے صرف فاتحہ پڑھا۔

(۲) بلنجور[a]۔ سردار غدرانی کا صدر مقام ہے۔ اس میں متعدد چھوٹے چھوٹے باغات ہیں۔ اور کچھ زیتون کے درخت بھی۔ جن کے سایہ تلے دوپہر کو پتھروں کا سرہانہ بنا کر۔ چناں خوش بخفتم کہ سلطان ردم؛

(۳) مغلی۔ میر پسند خان کی جائے رہائش ہے۔ اور ایک میدانی قطعہ میں واقعہ۔ علاقہ جھالاوان میں میر پسند خان کے بہادرانہ کارناموں کی بہت شہرت ہے۔ اور اس کے جسم پر متعدد لڑائیوں کے بہت سے زخم ہیں۔ جو جنگی تمغہ کا کام دیتے ہیں؛

---

[a] پہلی مرتبہ ۱۳ اپریل ۱۸۹۴ء کو دیکھا؛

(۴) کوچہ گونگو[۵۱] - ایک غیر آباد جگہ ہے ۔ جہاں اتفاقیہ بارش کا تھوڑا سا پانی جمع تھا - اسی میں سے اونٹ اور گھوڑے بھی پیتے - اور وہی پانی ہمارے پینے کے لئے بھی تھا؛

(۵) گزان[۵۲] - ایک چھوٹا سا گاؤں ہے - اور اس میں ایک چھوٹا سا باغیچہ بھی؛

(۶) میر گھٹ[۵۳] - سردار زرک زئی یعنی چیف آف جھالاوان کا پشتینی صدر مقام ہے - لیکن ۱۸۹۳ء میں جب میر خداداد خان خانئ قلات سے علیحدہ ہوئے تو گوہر خان نے شورش برپا کی - جس کے انسداد کے لئے موجودہ خان قلات نے اپنی فوج علاقہ زہری میں بھیجی - گوہر خان خود تو فرار ہو گیا - لیکن اس کا شہر موسومہ "گھٹ" جلا دیا گیا - اس کے بعد اب تک گوہر خان نے ازراہِ غیرت پھر اس شہر میں قدم نہیں رکھا؛

میں نے میر گھٹ کو اس حالت میں دیکھا - کہ اس کے تمام مکانات بے سقف جلے ہوئے اور ویران حالت میں تھے - اور اس میں کوئی آبادی نہ تھی - برلب دروازۂ شہر ایک شہید شدہ مسجد بھی دیکھی - جس سے صدمہ ہوا - کہ ظالم خانۂ خدا سے بھی نہیں چوکے؛

گھٹ سے متصل تھوڑے ہی فاصلہ پر موضع مبل واقع ہے - جو سردار موسیانی کا صدر مقام ہے - چونکہ موسیانیوں اور زرک زئیوں میں قدیمی دشمنی چلی آتی ہے - اس لئے دو مسلح اسپ سواروں نے جو میرے ہمراہ تھے - مجھے احتیاط سے دامن کوہ کے ساتھ ساتھ ویران شدہ قصبہ گھٹ میں اس طرح سے پہنچایا - کہ کسی موسیانی کے فائر کی زد سے باہر رہ سکوں - حالانکہ میری ان کے ساتھ کوئی دشمنی نہ تھی -

(۷) باغوانہ یا باغبانہ - ایک خوبصورت وادی ہے - سطح سمندر سے ۴۵۰۰ فٹ بلند - اور ۲۷ درجہ ۵۶ دقیقہ شمالاً - اور ۶۶ درجہ ۴ دقیقہ شرقاً - اس کے مرکز میں ایک بڑا گہرا قطعہ ہے - جسے "کھار" کہا جاتا ہے - اور اس میں بارش کا پانی کئی مہینے جمع رہتا ہے - اس کے مشہور گاؤں محمد خان - کمال خان - میرزا شہر اور باجوئی ہیں - باغبانہ نیابت خضدار سے متعلق ہے - اور ایک دلفریب قطعہ میں واقعہ - اس کی اہمیت اس لئے ہے - کہ قلات سے آنیوالے راستہ پر واقعہ ہے - اس میں ایک عجیب غار ہے - جس میں بہت سے پرانے پتھر ہیں - گاؤں کے تمام مکانات دو منزلہ ہیں - چونکہ سانپ یہاں بکثرت ہوتے ہیں - اس لئے موسم گرما میں لوگ سانپوں سے بچنے کے لئے بالائی منزلوں پر ہی رہتے ہیں؛

۱۲۲۵ء میں جب خضدار شمس الدین التمش کے قبضہ میں آیا - تو اس کے بعد ظالم و سفاک چنگیز تاتاری کا حملہ ہوا - جو اس ملک کے لئے خون اور آگ کے درمیان ایک امتحان تھا - چنگیز کی اس مہم کی یادگار میں "چنگیز خان چٹان" اب تک موجود ہے - جو نیچارہ اور پندران کے درمیان واقعہ ہے؛

جھالاوان کے بدویوں میں عربوں کی معاشرتی خصوصیات کی جھلک اب تک پائی جاتی ہے - چنانچہ ان مقامات میں جہاں سردی کے موسم میں زیادہ برف باری ہوتی ہے - اور شدت کی سردی کی وجہ سے بھیڑ بکری وہاں نہیں رہ سکتے - اور گرم علاقہ میں چلے جاتے ہیں -

[۵۱] پہلی مرتبہ ۱۶ اپریل ۱۹۴۲ء کو دیکھا - ۵۲ و ۵۳ کو بالترتیب ۱۷ و ۱۸ اپریل ۱۹۴۲ء کو دیکھا؛

تو وہاں کے بدوہی موسم گرما میں دنبوں کا گوشت نمک لگا کر سایہ میں خشک کرتے اور موسم سرما کے لئے بطور ذخیرہ جمع رکھتے ہیں۔ اور پھر حسب ضرورت کام میں لاتے ہیں۔ ایسے خشک گوشت کو "قدید" کہا جاتا ہے۔ جب پکایا جائے۔ تو بہت لذیذ ہوتا ہے۔ مجھے کئی مرتبہ اس کے کھانے کا اتفاق ہوا۔

عرب میں بھی اس کا رواج تھا۔ چنانچہ ایک بار ایک بدوی حاضر ہوا۔ اور ڈرتا ہوا خدمتِ نبوی میں آگے بڑھا۔ حضورؐ نے فرمایا "تم مجھ سے ڈرتے ہو۔ میں اس ماں کا بیٹا ہوں۔ جو "قدید" کھاتی تھی۔ (سبحان اللہ!)

عربوں کا دستور تھا۔ کہ دسترخوان پر شوربا اور گوشت (بوٹی) الگ الگ کر لیتے۔ اور شوربے میں روٹی ٹکڑے ٹکڑے کر کے بھگو کر کھاتے جسے ثرید کہا جاتا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑدادا ہاشم عام حجاج کو ثرید بنا بنا کر کھلایا کرتے تھے۔ ثرید بنانے کا یہ طریقہ میں نے یہاں بھی دیکھا۔ جو "ثریدہی" کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے کئی مرتبہ کھایا۔ اور لذیذ پایا۔

فروری ۱۸۹۵ء کے وسط میں پولیٹیکل ایڈوائزر قلات کا مراسلہ محررہ ۵ فروری ۱۸۹۵ء بدیں مضمون میرے نام صادر ہوا۔

مولوی صاحب زبدۃ العلماء مولوی نظیر حسین سلامت باشند۔ بعد از سلام واضح باد۔ خط انگریزی آپ کا مورخہ ۲ جنوری ۱۸۹۵ء موصول ہو کر کوائف مندرجہ پر مطلع و آگاہ کیا۔ اینجانب نے سابق اس سے سردار صاحب عالیجاہ سردار یوسف علی خان کو واسطے شمولیت جلسہ سیوی طلب کیا ہے۔ امید کہ سردار صاحب آنیوالے ہونگے۔ چاہئیکہ ہمراہ سردار صاحب یہاں جلسہ پر آجائیں۔ اگر اچانا سردار صاحب نہ آویں اور آپ کو رخصت دیویں۔ آپ آسکتے ہیں۔ ہمارے خیال میں سردار یوسف خان ضرور ہی عقلمندی کرے گا۔ جیسا کہ وہ ہمارے ساتھ وعدہ کر گیا تھا۔ یا کہ ہم نے اس کو واسطے آنے جلسہ سیوی دعوت دی ہے۔ وہ فوراً چلا آوے گا۔

میر پسند خان عموی اس کا جو یہاں آیا ہوا ہے جس کی بابت اس نے ہم کو پہلے بھی لکھا تھا۔ اس کی بابت اس کو کچھ فکر نہیں کرنا چاہئے۔ اگر وہ ایمانداری اور راستی سے سرکار عالیہ برطانیہ اور سرکار خانصاحب سے چلے گا۔ سرکارین بھی اس کے اوپر مہربانی کریں گی۔ اس کو خراب نہیں کریں گی۔ لیکن اگر وہ بلانے پر نہیں آوے گا۔ یا وعدہ وفائی نہیں کرے گا۔ اس کے اوپر ہر شخص شک کرے گا۔

چونکہ آپ سردار یوسف خان کے اتالیق اور خیر خواہ دوست ہو۔ اینجانب نے بھی سردار یوسف خان کو سردار مقرر کرنے میں بہت مدد دی تھی۔ اس واسطے براہ دوستی آپ کو اطلاع دیتا ہوں۔ کہ آپ یوسف خان کو خوب نشیب و فراز زمانہ سے مطلع کرو۔ اگر وہ نہ مانے۔ تو اس کی خوشی۔ اور سب طرح خیریت ہے۔ ہماری طرف سے ہر طرح خاطر جمع رکھو جیسا کہ ہم نے پہلے تحریر کیا ہے۔ اگر وہ سرکارین کا خیر خواہ رہے گا۔ ہم بھی اس کا خیر خواہ دوست رہے گا۔ فقط

(قاضی) نظیر حسین فاروقی

ریٹائرڈ مستوفی

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

النّجات

پہلا باب

ایمان

گزشتہ سے پیوستہ

ہاں یہ ایک علیحدہ بات ہے۔ کہ غیر مسلمان شخص مسلمان ہوتے ہی اور سچے اسلام پر پورا اعتقاد قائم کرتے ہی مر جائے۔ تو اس کیلئے دائمی نجات حاصل ہو جانے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے سابقہ عقیدہ اور رواج معاشرت کو ذاتی نقائص پر مطلع ہو جانے کے سبب ترک کرتا ہوا اسلام کی بے نقائص اور مکمل خوبیوں کا مقر ہو چکا تھا۔ اور یہ امید ہو سکتی تھی۔ کہ اگر وہ زندہ رہتا۔ تو غالباً اسلام کا پابند رہتا ؎

الا اگر بظاہر اعتقاد علے الاسلام کے بعد وہ نو مسلم فوراً نہ مر جاتا۔ بلکہ تھوڑی سی بھی اس کی زندگی نے اور ایفا کی ہوتی۔ تو پھر بدون پرستش اعمال نجات ابدی معلوم۔ قولہ تعالے۔ مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ؕ یعنے جس وقت کسی شخص نے اعتقاد غیر اسلام سے توبہ کرتے ہوئے اسلام اختیار کر لیا اور بفضلہ مہلت اور پسندیدہ کی بجا آوری بھی کرتا رہا۔ تو اس کے پچھلے رسابقہ سب گناہ نیکیوں سے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ جرائم کو چھوڑ کر نیکیوں کا خوگر ہو جاتا ہے۔ اس سے اس کے سارے پہلے گناہ زائل ہو جاتے ہیں۔ اور خدائے ذوالجلال والاکرام مہربانی سے ان برائیوں کا مواخذہ معاف فرما دیتا ہے۔ رکوع سورہ فرقان

ہمیشہ ایمان علی اللہ مع جملہ امور متعلقہ ہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور نبوت میں واجب التعمیل اور ناقابل تغیر رہا ہے۔ مگر اعمال بخلاف ایمان حسب ضرورت وقت تغیر و تبدل پذیر ہوتے رہے ہیں ؎

مثلاً شراب کا پینا شریعت اسلام نے حرام کر دیا ہے۔ مگر اسلام سے ماقبل شریعتوں میں اس کی حرمت نہیں پائی جاتی۔ وغیرہ وغیرہ۔

جیسا کہ میں اوپر ابل عرب کی ایک ضرب المثل ثبت عرشاً ثم النقش بیان کر آیا ہوں۔ ویسا ہی حصول عقیدہ اسلام کے لئے پہلے بالیقین دل کو غیر اللہ سے صاف کرنا چاہئے۔ پھر اعمال خود بخود منقش ہونے کی قابلیت اور صلاحیت صحیح طور پر حاصل کر لیں گے۔ حتے کہ بپابندی شریعت غرا جب وہ بتدریج خوگر ہوتے ہوئے پورے پورے منقش ہو جائینگے۔ تو ان کے صلے میں نجات اخروی حاصل ہو کر ہمیشہ کا آرام کلی عطا ہو جائے گا ٥

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

لہٰذا خدا اور فرشتوں، کتب سماویہ، رسل، قیامت، قدر خیر و شر من اللہ۔ بعث بعد الموت پر عبداء را ایمان و ایقان قائم رکھنے کے لئے اور عقیدہ پاک و صاف کرکے پکا مسلمان بننے کے لئے اسلام نے صرف ایک ہی کلمہ طیبہ ایسا عمدہ اور نہایت ہی مفید معجون مرکب تجویز کر دیا ہے کہ جس کے اقرار و تصدیق ہی سے ہر قسم کا شک و شبہ اور شرک دور ہو جاتا ہے۔ وہ کلمہ طیبہ یہ ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اس کلمہ طیبہ کے جو معنی اسلام نے تعلیم کئے ہیں۔ اس میں دو فرقے مختلف البیان ہو گئے ہیں۔ ایک فرقہ تو علمائے وحدۃ شہود کا ہے دوسرا فرقہ علمائے وحدۃ وجود کا:

اول الذکر کہتے ہیں۔ کہ ماسوائے خدائے واحد اور کوئی معبود مستحق العبادۃ ہی نہیں ہے۔ اور محمد اس کا سچا رسول ہے:

معبود مستحق العبادۃ سے مراد ایسا معبود ہے۔ کہ جو عبادت اور پرستش کئے جانے کے لائق ہے۔ سوا اس کے اور کسی کو یہ حق اور قابلیت ہی نہیں ہے:

ثانی الذکر کہتے ہیں۔ کہ سوائے خدائے واحد یکتا کے اور کوئی نہ تو از روئے وجود کے موجود ہی ہے۔ اور نہ ہی مشہود و معبود مستحق العبادۃ۔ محمد اس کا نہایت ہی برگزیدہ اور سچا رسول وحدت نما ہے:

واحد و یکتا ماننے میں تو دونوں فریق یکساں ہیں۔ مگر ہستی حق کی نسبت دونوں مختلف الاعتقاد ہیں۔ اگر ان کے اعتقادات کے متعلق زیادہ سیر کرنی ہو۔ تو ہر دو فریق کی مستند اور مسلمہ علمائے متبحر کی تصانیف دیکھ لینی چاہئیں۔ جو کہ بڑی بڑی مبسوط کتابیں بکثرت موجود ہیں۔ مگر قبل از مطالعہ کتب مذکورہ دیکھنے والے کو ہر دو فرقہ کے بزرگان کاملین کے فیض صحبت سے ضرور بہرہ اندوز با قاعدہ ہو لینا چاہئے تاکہ ان کی اصطلاحات سے واقف ہو کر ان کے مفہوم مافی الضمیر کے ضبط کرنے کی قابلیت اس میں مہیا ہو جائے۔ ورنہ ؎

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا ست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

احتمال نقصان ایمان ہے۔ کیونکہ نادیدہ ممالک و امصار کی سیر میں بجز رہبری کسی مربی کے تنہا مسافر کو چکر لگانے میں کچھ مزہ اور کیفیت حاصل نہیں ہوگی۔ اور اگر کوئی ایسا مربی اور رہبر مل جائے۔ کہ جو اس دیار و امصار کے در و دیوار سے پورا پورا واقف اور آگاہ ہو۔ تو پھر شرط یہ ہے۔ کہ اس مربی کے خلاف مرضی ایک قدم بھی نہ اٹھایا جائے ؎

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

پس ایسے مربی کی دستگیری و یاری سے مسافر نووارد کو ایک تو بڑا فائدہ یہ ہوگا۔ کہ قابل دید مقامات کی سیر جلد جلد اور صحیح صحیح ہو جائیگی۔ اور ساتھ ساتھ ہی تشویش دور ہو کر دل کو سکون و راحت حاصل ہوتی جائیگی۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا۔ کہ اگر بیچارہ مسافر

کہیں وہاں کی قانونی مخالفت کے سبب کہ جس سے وہ ابھی ابھی واقف نہیں ہے کسی الجھن میں پڑکر گرفتار ہوگیا۔ تو واقف کار ہی کی واقفیت عامہ اور مہربانی سے فوراً مخلصی پاکر اور منزل مقصود تک پہنچکر ہمیشہ کے لئے محفوظ و مصئون ہوجائیگا؛

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہر دستے نباید داد دست

اور اگر زیادہ کتب بینی سے طبیعت اکتا جائے۔ تو پھر معجون مرکب (کلمہ طیبہ) ہی کا استعمال بصدق دل اور با معانی از بس مفید ہے کیونکہ ایمان کا رکن اول خدا کی ہستی پر اور رکن ثانی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین کامل رکھنا ہی ہے۔ مگر دونوں ارکانِ ایمان پر بنظرِ وحدانیت یکساں ایمان رکھنا چاہیئے۔ یعنے جیسے خداوند پاک اپنی ہستی میں بےمثل و یکتا ہے۔ ویسے ہی صاحب لولاک اپنی رسالت میں بے نظیر و بے ہمتا ہے۔ اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سراپا رحمت ہی کے طفیل ہم پر بحیثیت اسلامی علاوہ دیگر امور کے توحید الہی کی حقیقت منکشف ہوئی۔ پس ایسے مشفق محسن کے احسانات بےغایات کی فراموشی سراسر کفرانِ نعمت ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جہاں پر آنحضرت کا نام مبارک کسی کے زبان سے ہمارے سامنے نکلا۔ تو معاً ہمارے زبان سے صلی اللہ علیہ وسلم بیساختہ نکل پڑا۔ اور آنکھیں ادب سے نیچے جھک گئیں؛

انہیں دونوں ارکانِ ایمان کے اندر باقی سارے اجزائے ایمان مفصل مضمراً موجود ہیں۔ اسی واسطے میں نے اوپر کلمۂ طیبہ کو معجون مرکب کے نام سے نامزد کیا ہے۔ کہ جس کے اندر ساری خوبیاں اور برکات کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ "آنکہ ہمہ دارند تو تنہا داری" بس خوش بخواں۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

(باقی)

Editor —

Mohammad Ali Raunaq.

Annual Subscription Rs. [illegible] Single Copy Annas 4.

جلد ۸ | بابت ماہ جولائی و اگست سنہ ۳۲ء | نمبر ۷ و ۸

دُعا

بدرگاہ حضرت باری عز اسمہٗ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم

(از حکیم نیرؔ واسطی لاہور)

اے جہاں بخش و جہانگیر و جہاندار خدا ! جلوۂ کون و مکان روشنیٔ ارض و سما

ہے زمانے میں عجب شانِ رحیمی تیری تو نرالا ہے نرالی ہے کریمی تیری

نارِ نمرود کو گلدستہ بنایا تو نے ! کشتیٔ نوح کو طوفاں سے بچایا تو نے

تو نے مکہّ کے ضعیفوں کو توانائی دی تو نے صحرائیوں کو مسندِ دارائی دی

شان پھر اپنی کریمی کی دکھادے یارب مرتبہ ملّتِ بیضا کا بڑھا دے یارب

ناتوانوں کو زمانہ میں توانا کر دے

ذرّۂ خاک کو ہم دوشِ ثریّا کر دے

مہرِ تابانِ رحمت

(از جناب مولانا سیّد حسن مرتضیٰ صاحب شفق رضوی عماد پوری)

بادشاہوں پہ بھی ہیبت نے بٹھایا وہ عمل ، کنگرے گر گئے ہلنے لگا کسریٰ کا محل
منہ کے بل گر کے زمیں پر یہ لگا کہنے ہبل آج خود ساختہ معبودوں کے نکلے کس بل

سرکشی جہل کی خود بینی کی نخوت نہ رہی
آبرو لات کی عزّیٰ کی بھی عزت نہ رہی

ڈھیر دیکھے جو صنم خانوں کے ٹوٹے پھوٹے شل کفّار شیاطیں نے بھی سینے کوٹے
سلسلے کفر کے زنّار کے رشتے ٹوٹے شرک باطل ہوا تثلیث کے چھکّے چھوٹے

رہ گیا ایک خدا ایک خدائی اس کی
پھر گئی ساری خدائی میں دہائی اس کی

شان محبوبی و رعنائی کا مظہر بن کر عہدۂ عزت لولاک کا افسر بن کر
رونق تخت و علم زینتِ منبر بن کر صاحب تاج و نگین مالک کشور بن کر

سب سے اول جو تھا آخر وہ شہنشاہ آیا
فخر کل ختم رسل با حشم و جاہ آیا

گر پڑے اقدموں پہ اقبال پئے استقبال عرش و کرسی نے کہا بڑھ کے زہے اوجِ کمال
صولت و شوکت و عِزّ و جاہ و جلال۔ سب پکارے کہ ترے حسن پہ قربان جمال

دوستوں کو صفت شان جمالی دکھلا
دشمنوں پہ اثر اسم جلالی دکھلا

ایک عالم پہ ہے تیرا اثر رحمتِ عام اک تری ذات سے ہے ساری خدائی کو قیام
مرحبا صلِّ علیٰ کتنا ہے پیارا تیرا نام کوئی پڑھتا ہے درود اور کوئی کہتا ہے سلام

السلام اے بہ تو صد تحفۂ تسلیم مدام
السّلام اے بہ تو شایانِ تحیّات و سلام

دُنیا کا مُصلحِ اعظم

پیغمبر اسلام کے فضائل و محاسن

(مسٹر کے ایم منترا۔ ایم اے۔ ایم آر۔ ایس پروفیسر کے قلم سے)

سارے عرب کی تاریخ میں کوئی ستارہ اتنا بلند اتنا پُر شوکت مگر نہائیت سادہ سوائے پیغمبر اسلام کے نظر نہیں آتا۔ آپکی پیدائش ایسے وقت میں ہوئی۔ جب اہل عرب کی مذہبی زندگی ذلیل ترین صورت اختیار کر چکی تھی۔ انکی سیاسی حالت بگڑ چکی تھی، اور انکی اکثریت عیاشی میں مبتلا ہو چکی تھی۔ توحید سے بالکل بے بہرہ ہو چکے اور ستارہ پرستی سنگ پرستی اور دیگر مناظر قدرت کی پرستش انسانی زندگی کا جزو لاینفک بن چکی تھی۔

چھ سال کی عمر میں عرب کا وہ روشن ستارہ والدین کی آغوش شفقت سے محروم ہو چکا تھا۔ اپنے چچا کے گھر میں پرورش پا کر یہ ہونہار بچہ نہائیت متین اور سمجھدار ہو گیا۔ وہ ہر وقت سوچتا رہتا تھا۔ اور امید ہر بار اس کے خیالات کو ایک نئی روح بخشتی تھی۔ وہ قدرت کی لاینحل پیچیدگیوں کو نظر تعمق سے دیکھتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ نوجوان فلسفی قدرت کی آبیاریوں اور حسن آموزیوں سے تربیت پا کر عقل و دانش سے بالغ نظر بنگیا۔ ہرچند وہ دنیوی تعلیم سے محروم تھا۔ تاہم قدرت کے ہر ذرّے سے کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور اخذ کرتا تھا۔ قدرت کا ادنیٰ ترین منظر بھی اس کیلئے اپنے پہلو میں ایک عجیب سبق تھا۔ یہ نوجوان مضطرب ہو کر اکثر کہا کرتا تھا کہ: کیا یہ آسمان کعبہ کے ان بے حس و حرکت بتوں نے بنایا ہے۔ آخر آسمان کی وسیع فضا کا خالق کون ہے؟ کیا یہ پتھر ہیں؟ نہیں! کیا چاند جیسی خوبصورت چیز انہیں کی پیدا کردہ ہے؟ ہرگز نہیں؟

۲۵ سال کی عمر تک آپ کی دیانتداری حق پسندی اور جفاکشی دور و نزدیک مشہور ہو گئی۔ اور حضرت خدیجہ رض نے اپنی تجارت کے تمام کاروبار آپ کے سپرد کر دیئے۔ آپ ایک کاروان کے ساتھ شام پہنچے۔ اور جب تجارت سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ واپس لوٹے تو اس متمول بیوہ نے اپنی ہمشیرہ کو اس درخواست کے ساتھ آپکی خدمت اقدس میں بھیجا۔ کہ خدیجہ آپسے شادی کرنا چاہتی ہے۔ آپ نے اس درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کی شادی حضرت خدیجہ رض سے ہو گئی حضرت خدیجہ رض کی عمر آپ سے پندرہ برس زیادہ تھی۔ لیکن یہ انکی ہمت ہی تھی۔ جو ابتدائی ایام نبوت میں آپ کی پشت پناہی کرتی رہی اور یہی وہ ایام نیک تھے۔ جن کی یاد تا عمر آپکے دلمیں تازہ رہی اب وہ وقت آیا۔ کہ آپ دنیوی علائق سے یکسوئی اختیار کر کے ہمہ تن جستجوئے حق میں مستغرق رہنے لگے۔ آپ کے مذہبی عقائد ایک خاص مرکز کی طرف عود کر رہے تھے۔ اور آپکا اکثر و بیشتر حصہ وقت تنہائی میں مذہبی مسائل پر غور کرنے میں صرف ہوتا تھا۔

چند سال بعد عرب کا یہ نامور فرزند اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھامے غار حرا کو منور کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ سورج پوری چمک اور

حرارت کے ساتھ چمک رہا ہے۔ آسمان کا ہر ایک پرندہ جائے امن تلاش کر رہا ہے۔ ہر جاندار چیز اپنے اپنے مقام پر مقیم ہے رات ہو گئی ہے۔ آہستہ آہستہ سورج غروب ہونے لگا۔ مگر اسوقت بھی دنیا کا مصلح اعظم غار حرا میں بیٹھا کسی گہری سوچ میں مستغرق نظر آتا ہے۔ ملیلۃ القدر ہے یکایک اس نوجوان کے کان میں ایک مہیب سی آواز سنائی دیتی ہے۔ تمام پہاڑ گونج اٹھتے ہیں۔ دنیا ہلجاتی ہے۔ درخت جھک جاتے ہیں۔ آواز پھر بلند ہوتی ہے اور حکم ہوتا ہے کہ "پڑھ" جس کے جواب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں کیا پڑھونگا۔ آواز کہتی ہے کہہ اقرأ باسم ربك الذي خلق. خلق الانسان ما لم يعلم۔

کانوں میں یہ آواز گونج رہی ہے۔ کہ آپ خداوند تعالیٰ کے سچے نبی اور اس کے پیغمبر ہیں۔ اسطرح آپ کو پہلی مرتبہ الہام ہوا۔ جس وقت آپ کے ہوش برقرار ہوئے تو گھر کا رخ کیا۔ ایک خاص بے چینی کی حالت آپ کو احاطہ کئے ہوئے تھی۔ آپ بالکل خاموش تھے آپ کی زبان بالکل بے حس تھی۔ دل خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ کہ پھر آپ کو اس آواز نے چونکایا۔ کہ یا ایها المدثر! قم فانذر آپکا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور پسینے کے قطرے آپکے بدن پر بہنے لگے

حضرت خدیجہؓ نے یہ منظر دیکھکر آپ سے سوال کیا۔ کہ کیا آپ نے کوئی نئی چیز دیکھی ہے؟ دنیا کا یہ مصلح اعظم رو پڑا۔ اور تمام واقعات سنا دیئے۔ خدیجہؓ نہایت غور وخوض سے آپ کی باتیں سنتی رہیں اور بالآخر بولیں۔ اے میرے شوہر خوش ہو جیئے۔ خداوند تعالیٰ نے آپکو اپنا نبی انتخاب کیا ہے۔

اب پیغمبر اسلام کیلئے ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ جو تکالیف ومصائب سے پُر تھی۔ مکّہ کی سرزمین نے کئی سال تک اس مشہور ضرب المثل کا ثبوت دیا۔ کہ پیغمبر کی قدر اپنے وطن میں نہیں ہوتی"۔ آپکے بہت سے احباب نے آپ کو کاہن جادو گر شاعر اور سفیہ کے القاب سے ملقب کیا۔ لیکن دنیا کی کوئی طاقت نہ آپکے ارادہ کو بدل سکتی تھی۔ اور نہ بدل سکی جب آپ کے چچا ابو طالب نے آپ سے اس امر کی التجا کی۔ کہ آپ اہل مکہ میں تبلیغ کا کام چھوڑ دیں۔ تاکہ ان تمام نزاعات کا قلع قمع ہو جائے۔ جو اس سے پیدا ہو رہے ہیں۔ تو آپ نے صاف کہدیا۔ کہ اگر وہ سورج میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند میرے بائیں ہاتھ میں بھی دیدیں۔ تو بھی میں اپنے مشن سے باز نہیں آؤنگا۔

آپکے پیروکاروں کی جماعت آہستہ آہستہ ترقی کرتی گئی۔ مومنین میں خدیجہؓ اور علی کرم اللہ وجہہٗ کا نمبر سب سے اول ہے انکے بعد ابو بکر صدیق رضؓ آپ پر ایمان لائے لیکن آپ پر ایمان لانے والوں میں حضرت عمر رضؓ یعنی عالم اسلام کے "سینٹ پیٹر" خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

فاروق اعظمؓ کے ایمان لانے کی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ وہ پیغمبر اسلام کی کامیابی سے جھلا کر اور ننگی تلوار ہاتھ میں لیکر آپ کے قتل کیلئے روانہ ہوتے ہیں۔ ایک شخص پوچھتا ہے کہ اے عمرؓ کہاں جا رہے ہو؟ جواب دیتے ہیں "پیغمبر اسلام کو قتل کرنے کیلئے" اس نے کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ اس بات سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ اور وہیں سے گھر کا رخ کرتے ہیں۔ وہ اپنے بہنوئی اور بہن کو قرآن شریف پڑھتے ہوئے سنتے ہیں۔ اور غصہ سے بیتاب ہو کر اپنے بہنوئی پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ آپ کی بہن خاوند کو چھڑانے کیلئے آڑے آتی ہے۔ مگر وہ بھی عمرؓ کے ہاتھ سے مجروح ہوتی ہے جس پر وہ کہتی ہے. کہ

ہاں ! ہم حلقۂ اسلام کانوں میں ملال چکے ہیں۔ ہم خدا تعالےٰ اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاچکے ہیں تم سے جو کچھ ہو سکے کر گذرو۔ عمرؓ کا دل اپنی بہن کا بہتا ہوا خون دیکھکر پسیجتا ہے۔ اور وہ ان سے التجا کرتے ہیں۔ کہ جو چیز وہ پڑھ رہے تھے انہیں دکہائیں چنانچہ وہ سورہ طٰہٰ کی آیات حضرت عمرؓ کے سپرد کرتے ہیں جنہیں پڑھکر وہ فرماتے ہیں "کیسا اعلیٰ وارفع کلام ہے" ان آیات سے متاثر ہو کر وہ پیغمبر اسلام کی طرف جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں "اے میرے آقا ! اے میرے مولا ! مجھے اپنی آغوش شفقت میں لے لیجئے۔

چار سال کے عرصہ میں پیغمبر اسلام کے پرستاروں کی تعداد صرف چالیس تک پہنچتی ہے۔ اور ان میں بھی زیادہ تر وہی افراد ہیں جو ادنیٰ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں حضرت عمرؓ نے مسلمان ہوتے ہی عرض کیا۔ کہ "میرے آقا ! پرستارانِ باطل تو کھلم کھلا عبادت کریں۔ اور ہم چھپ کر خدائے قدوس کی عبودیت کا اقرار کریں۔ آئیے ہم بھی کعبہ میں چلکر عبادت کریں" چنانچہ یہی کیا گیا۔

قرب جوار کے لوگ حج کیلئے آتے تھے اور اپنے ساتھ اس مبلغ اعظم کی کہانی جس نے مکہ کی زندگی میں ایک زبردست اضطراب پیدا کر رکھا تھا اپنے وطن مالوف میں لے جاتے تھے۔ یثرب کے حاجی اس صادق انسان کا پیغام اپنے ساتھ لیگئے۔ انہوں نے آپ کی قوت روحانی کی داستان اپنے شہر میں عام کی۔ اسی سال چند آدمی آپکے حلقہ غلامی میں داخل ہوئے۔

دوسرے سال وہ پھر آئے۔ اور انہوں نے آپ کو مدینہ منورہ آنیکی دعوت دی۔ اسی دوران میں اہل مکہ کا جوش انتقام و تشدد نہایت خوفناک صورت اختیار کر چکا تھا۔ وہ پیغمبر اسلام پر آوازے کستے تھے۔ اور آپ کے رستوں میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرتے تھے۔

آپنے اہل یثرب کے پیغام کو قبول کر لیا۔ اور اس رات جب اہل مکہ نے آپ کو بستر پر قتل کرنے کی سازش کی تھی۔ آپنے اپنے جاں نثار رفیق ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرمادی۔ اب یثرب مدینۃ النبیؐ کے نام سے مشہور ہونا شروع ہوا۔ اسلام کا سن ہجری بھی اسی واقعہ سے شروع ہوتا ہے۔ اہل مکہ کی آتش اشتعال اور بھی بھڑک اٹھی۔ اور انہوں نے مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچانی شروع کیں۔

آپنے ایک مدت تک تو مدافعت کے اصول پر عمل کیا لیکن آخر کار وہ وقت آگیا۔ کہ آپ دس ہزار مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ مکہ پر حملہ آور ہوئے۔ شہر نے ہتھیار ڈالدیئے۔ اور پیغمبر اسلام پرستارانِ توحید کو لیکر نہایت سکون کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ دنیا کی تاریخ میں اس قسم کی کوئی مثال نہیں ملیگی۔ عیسائی مورخین نے پیغمبر اسلام صلعم کو بدنام کرنے کیلئے اس موقعہ پر ایک نہایت ذلیل اتہام تراشا ہے کہ آپنے اہل مکہ کا قتل عام کرایا۔

اس موقعہ پر میں ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ ایک مشہور اور بے تعصب مصنف کے اصل الفاظ میں اس واقعہ کا تذکرہ پیش کردوں یہ موقع تھا۔ کہ پیغمبر اسلام اپنے انتقامی جذبات کو خونریزی کی صورت میں ظاہر کر سکتے تھے۔ لیکن یہ کیا ہے کہ مکہ کی گلیوں میں بالکل سکون ہے۔ خونریزی کا نام نہیں۔ وہ پرستارانِ توحید کا گروہ کہاں ہے جن پر ایک مدت تک تشدد ہوتا رہا ! واقعات نہایت سخت چیز ہیں۔ اور یہ بھی درست ہے۔ کہ پیغمبر اسلام کی یہ فتح عظیم ترین واقعہ ہے۔ مگر یہی موقعہ ہے۔ جب آپ نے اپنے اوپر اور اپنے نفس کے اوپر کامل فتح پائی۔ آپ نے قریش کے قصور معاف کر دیئے۔ آپ نے اہل مکہ کیلئے امن عام کا اعلان کر دیا۔

اس فتح عظیم کے اندر عرب کا یہ مصلح اعظم انصار کے شہر میں واپس چلا گیا۔ اس کے بعد آپ فقط ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں حج

کیلئے تشریف لائے۔ اور حج کو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس موقعہ پر تمام مہاجرین اور انصار اکٹھے ہوئے۔ اور آپ نے ایک نہائیت بلیغ خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی عورتوں پر مہربانی کرو۔ اپنے غلاموں کو اسیطرح پر رکھو۔ جس طریقہ پر تم خود رہتے ہو۔ اور انہیں اپنے جیسی خوراک دو۔ اگر وہ تمہیں تکلیف دیں تو انہیں آزاد کرو۔ کیونکہ اگر تم انہیں غصہ میں آکر برا بھلا کہو گے۔ تو یہ گناہ عظیم ہوگا۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی بندگی کرو۔ اسکا مثیل نہ کوئی ہے نہ ہوگا۔ آج تمہارا دین پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا ہے۔ عابد، پرہیزگار، خدا ترس اور نیک بنجاؤ۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ "خداوندا میں نے اپنا فرض پورا کر دیا" جس پر تمام مخلوق نے یکزبان ہو کر گواہی دی۔ کہ "ہاں حضور نے اپنا فرض پورا کر دیا"

۸۔ جون ۶۳۲ء کو پیر کے روز عرب کا یہ روشن ترین ستارہ جہان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ وفات سے پیشتر بیماری کی حالت میں بھی آپ مسجد نبوی میں تشریف لیجایا کرتے تھے۔ ایکدن آپ نے نہائیت بلند آواز سے فرمایا۔ کہ "کیا تم میں کوئی ایسا بشر ہے جس کے ساتھ میں نے کبھی ناانصافی کی ہو۔ اگر کوئی ہے۔ تو میری پشت اس ناانصافی کی سزا بھگتنے کیلئے تیار ہے۔ کیا میں نے کبھی کسی کی دلآزاری کی ہے اگر کی ہے۔ تو اسے میرے عیوب بے تکرارو در رو بیان کر دینے چاہئیں۔ کیا میں نے کبھی کسی کا مال غصب کیا ہے؟ میرا اپنا مال و اسباب اس کے معاوضہ کیلئے حاضر ہے۔ ایک آدمی نے کہا۔ کہ "ہاں میرے تین درم آپ کے ذمہ باقی ہیں۔ آپ نے اسی وقت اس کی رقم ادا کی۔ اور اسکا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ " اے میرے دوست اس دنیا میں شرمندہ ہونا آخرت کی ندامت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے ایک خوشی رکھی ہے۔ خواہ وہ اسے دنیا میں لیلے۔ خواہ آخرت میں حاصل کرلے۔ میں اس عارضی خوشی پر عقبیٰ کی ابدی خوشی کو ہزار درجہ ترجیح دیتا ہوں۔ آپ کی آواز کا سوز اور آنکھوں کی روشنی صاف ظاہر کرتی تھی۔ کہ اب آپکا انجام قریب آچکا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی حاضرین کے آنسو بے اختیار آنکھوں سے بہنے شروع ہو گئے۔ حضورؐ نے انہیں چیخنے چلانے سے منع کیا۔ اور ارشاد فرمایا۔ کہ "تم دیانتدار نیک اور احسان کرنے والے بنجاؤ"

کچھ عرصہ بعد جب آپ کا آخری وقت بالکل آگیا تو آپ دونوں ہاتھ جوڑ کر نہائیت فروتنی سے بیٹھ گئے۔ دنیا آپ کی آنکھوں میں گھومنے لگی۔ اور بے اختیار آپکا سر ایکطرف کو جھک گیا۔ آپ نے فرمایا۔ الرفیق الاعلیٰ۔ یہ آخری الفاظ تھے۔ جو آپکے دہن مبارک سے نکلے تھے۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی روح اقدس قفس عنصری سے نکلکر عالم علوی کی طرف پرواز کر گئی۔

آہ! اسطرح خدائے قدیر کا وہ خادم اکبر جس کی تمام عمر بنی نوع انسان کی بہتری اور بہبودی میں بسر ہوئی اس دنیا سے رخصت ہو کر عالم بالا ہو گیا۔ اس موقعہ پر ایک ایشیائی مؤرخ کی قلمکاریوں کے نمونے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ابو الفدا کا بیان ہے۔ کہ رسول خدا تدبر اور تعقل میں بنی نوع انسان سے بہت اعلیٰ وارفع تھے۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بندگی اور یاد میں مستغرق رہتے اور فضول باتوں کو نہائیت برا سمجھتے تھے وہ فطرتاً خوش مزاج اور با اخلاق تھے۔ آپ کے اخلاق نہائیت سنجیدہ اور آپکی طبیعت نہائیت نرم تھی۔ دوست اور دشمن ضعیف و قوی آپکی نظروں میں برابر تھے۔ آپ نے کبھی کسی شخص کو اسواسطے برا نہیں سمجھا۔ کہ وہ غریب ہے اور نہ کبھی آپ بادشاہوں کی شان و شوکت اور کروفر سے مرعوب ہوتے تھے۔ (پروفٹ آف اسلام)

رحمۃ للعلمین

جنگ احد کے روز صحابہ کی ایک غلطی کی وجہ سے تھوڑی دیر تک میدان جنگ کفار کے ہاتھ آگیا۔ بغیر سید ہر دو عالم کے میدان میں کفار کے مقابل کوئی آدمی نہ رہا۔ ایک حضور ہی تنہا کفار کے مقابل آہنی دیوار کی طرح کھڑے رہے۔ جب تمام فوج واپس آئی اور دیکھا۔ کہ حضور کے دانت مبارک شہید ہو گئے۔ اور سر مبارک میں بھی گہرے زخم تھے۔ رحمۃ اللعلمین نے کسی کو اُف تک نہیں فرمایا۔ بلکہ نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا۔ کہ تم لوگ بعد نکل گئے تھے

شیبہ بن عثمان کا قول ہے۔ کہ مکہ فتح ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں یہ پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ کہ تمام عرب و عجم محمد کی تابع ہو جائے۔ لیکن میں کبھی اتباع نہ کرونگا۔ جب حنین کی جنگ ہوئی۔ تو میرا یہی خیال تھا۔ کہ کہیں ایسا موقعہ ہو کہ رسول کریم اکیلے ملیں تو آپ پر وار کردوں۔ جب فوج اسلام میدان جنگ کو چھوڑ کر پیچھے ہٹی۔ تو فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا ایک سفید خچر پر سوار بیٹھے نظر آئے۔ اور میں نے حضور کے پیچھے سے تلوار میان سے نکال کر حضور پر وار کرنا چاہا۔ کہ آپ نے میری طرف دیکھا۔ تو معاً مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور حضور نے فرمایا۔ کہ شیبہ ادھر میرے قریب آجاؤ۔ جب میں قریب پہنچا تو حضور رحمۃ للعلمین نے فرمایا۔ اے میرے خدا شیبہ کو شیطان سے محفوظ کردے۔ شیبہ کہتے ہیں۔ کہ یہ سنتے ہی میں نے کفار کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

اسی جنگ میں جب اسلامی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ تو ابوسفیان نے کہا کہ یہ لوگ اب سمندر کے درے نہیں ٹھیریں گے۔ گویا یہ طعن تھا جب مال غنیمت تقسیم ہوا۔ تو رحمۃ للعلمین نے سفیان اور اس کے ساتھ والوں کو جو بہت سے تھے۔ ایک صد اونٹ فی کس اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

عبداللہ بن سعید مکی نے ہجرت کی اور اسلام لایا۔ کاتب الوحی کا درجہ اور منصب پایا۔ مرتد ہو کر مکہ میں آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت برا کہتا۔ اور مسلمان غرباء جو مکے میں تھے۔ ان کو سخت دکھ اور ایذا دیتا رہا۔ فتح مکے کے دن حضرت رحمۃ للعلمین کے حضور میں پیش کردیا۔ کہ معاف کردیا جائے۔ حضور نے معاف کردیا۔

کعب بن زبیر ایک شاعر تھا۔ اسلام اور اہل اسلام کیخلاف خصوصاً اس نے بڑے بڑے کام کئے تھے۔ فتح مکہ کے دن کوئی جگہ بھاگ جانے کی نہ پاکر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت قتادہ رضؓ نے اسکو دیکھتے ہی تلوار ہاتھ میں لے لی۔ اور کہا۔ کہ یا رسول اللہ دشمن خدا کو نہ چھوڑونگا۔ رحمۃ للعلمین نے فرمایا وہ کلمہ پڑھتے ہوئے آیا ہے جیسے تم میرے محبوب ہیں۔ وہ بھی مجھے پیارا ہے۔

مغیرہ قوم ثقیف سے تہا۔ یہ لوگ اہل مصر پر غارتگری کرکے واپس آرہے تھے۔ کہ راستہ میں ایک جگہ سوئے اور مغیرہ نے اپنے سوئے ہوئے ساتھیوں کا مال لوٹ کر سیدھا مدینہ کا رخ کیا۔ اور حضور کی خدمت میں آکر سلام لایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مال تیرا ہم قبول نہیں کرسکتے۔ اور اسلام قبول ہے۔

پیام خورشید

یہ لگا لوسے دمادم زندگی کی ہے دلیل (اقبال)

ڈوبتا جاتا تھا اور کہتا تھا مجھ سے آفتاب | گردشِ پیہم میں مضمر ہے مرا رازِ حیات
تو جمودِ غفلت افزا پر عبث مسرور ہے | زلیست ساکن ہو تو پھر بے سوز ہے سازِ حیات
اسطرف ساکن ہوا دل اسطرف موت آگئی | قلب کی حرکت ہی کا ہے نام آوازِ حیات

سعی پیہم میں نہاں ہیں بے خبر رازِ حیات
جسم کو جنبش دے اور پھر دیکھ اعجازِ حیات

(ڈاکٹر سید محمد یٰسین ہاشمی وکیل)

تصحیح

الفرقان بابت ماہ مئی و جون کے صفحہ ۳۸ کی سطر ۱۶ میں جہاں یہ لکھا ہے۔ کہ "باغبانہ نیابتِ خضدار سے متعلق ہے" اس سے آگے عبارتِ ذیل جو سہو کتابت سے رہ گئی ہے۔ ایزاد کرلی جائے۔ جو "خضدار سے قریباً ۸ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں انار کے نخلستان بھی ہیں۔ (۸) پندران۔ ایک چھوٹا سا خوبصورت گاؤں ہے۔

قاضی

گہوارۂ امن

حیدرآباد دکن

چشم دید حالات

ذیل کا مضمون مسٹر دیوداس جاڈ ایڈیٹر "پراچین بھارت" دہلی نے قلم و حیدرآباد کے سیر و سیاحت کے بعد سپردِ قلم کیا ہے۔ آپ نے اپنے چشم دید حالات کی بنا پر سوامی چدانند کے اس دروغ بے فروغ کی دھجیاں بکھیری ہیں۔ جن میں انہوں نے تعصب مذہبی کی بنا پر ہندوستان کی سب سے بڑی اور اسلامی ریاست کو بدنام کرنے کی سعی کی تھی۔ یہ مضمون حقائق کا مظہر ہے۔ اور ثابت کرتا ہے۔ کہ حیدرآباد میں رواداری وانصاف اور حق پژوہی کا دَور دَورہ ہے۔ اور مذہب و ملت کا کوئی سوال نہیں۔

ہم لوگ ۱۶ اپریل کو حیدرآباد میں داخل ہوئے اور شہر میں جاکر ٹھہرے۔ شادی صاحب کے دولت خانہ گلی مکھن ہرن مغلپورہ میں بطور مہمان اقامت پذیر ہوگئے۔ شادی صاحب نے ہمارے لئے خاص انتظام کیا ہوا تھا۔ ہمیں حیدرآباد میں جاکر یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ یہاں ایک لیگ اچھوتوں کے سدھار و اصلاح کے نام پر چند روز سے قائم ہے۔ یہ دراصل اچھوتوں کو مسلمان بنانے کیلئے قائم کی گئی ہے۔ یہ سنکر اور بھی حیرت ہوئی اور خیال آیا۔ کہ اس کے متعلق بھی تحقیقات کی جائے کیا اس میں کچھ صداقت ہے کہ بعض اشخاص کا بیان ہے کہ ڈپریسڈ ایجوکیشن لیگ اچھوتوں کو مسلمان بناتی ہے۔

ہم ۱۸ اپریل ۱۹۳۲ء تک یہاں کے اچھوت بھائیوں سے ملاقات کرتے رہے اور اس ریاست کی ہندو اور دیگر رعایا کے بارے میں سوامی چدانند جی نے جو بیان دیا ہے اسکی رُو سے اصلی حالات معلوم کرنے کی جستجو میں لگ گئے۔ سوامی چدانند کا بیان ہے۔ تو سچ۔ لیکن غالباً چھپنے میں غلطی ہوگئی ہے جس کی اصلاح کرنا سوامی جی کسی وجہ سے بھول گئے ہیں۔ واقعی ریاست حیدرآباد میں جو اچھوتوں کو تکلیفات ہیں۔ وہ اعلیٰ اقوام کی جانب سے دی جارہی ہیں جس کا مفصل حال کسی مناسب جگہ پر قلمبند کیا جائیگا۔

ہم حیدرآباد کا وہ حال درج کرتے ہیں۔ جو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ہم نے وہاں یہ بھی دیکھا۔ کہ جہاں کہیں بھی مندر اور مسجد کے سامنے باجا بجانے کی ممانعت کی گئی ہے وہ کسی ایک قوم کے لئے نہیں بلکہ چاہے ہندو ہو یا مسلمان جہاں باجا بجانا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ وہاں کسی قوم کا آدمی باجا نہیں بجا سکتا۔

ہم نے وہاں یہ بات بھی دیکھی۔ کہ ایک ہی مقام میں مندر اور مسجد بنی ہوئی ہیں۔ اور ان دونوں جگہ اپنی اپنی پوجا اور نماز پڑھی

جاتی ہے۔ اور نہ ہندوؤں کو ان کی اذان اور نماز پر کوئی اعتراض ہے اور نہ مسلمان ہی گھنٹہ بجانے پر ...... اگر ہردو اقوام میں سے کوئی کسی پر اعتراض کرے تو اس کیلئے گورنمنٹ نظام میں یکساں قانون ہے۔ ہردو اقوام کے اشخاص میں کبھی تصادم واقع نہیں ہو سکتا۔

ہم نے حیدرآباد میں اکثر ایسے دیویوں کے مندر دیکھے ہیں۔ جو راستہ کے عین درمیان واقع ہیں اور جن کی پوجا بھی برائے نام کی جاتی ہو گی۔ لیکن پھر بھی نظام شاہی قانون کے مطابق اسے محفوظ رکھا گیا ہے۔ ہم نے یہاں کی ہائیکورٹ کو بھی دیکھا جس میں ہندو اور مسلمان دونوں قوم کے جج ہیں۔

ہائیکورٹ میں دیول۔ اس ہائیکورٹ کی بلڈنگ عمدہ اور قابل دید ہے۔ لیکن اس کے دونو جانب کسی زمانہ کے دو شیوجی کے شوالے نکل آئے ہیں۔ جن کو گورنمنٹ نظام کی رواداری سے چھوڑ دیا گیا۔ شائد سوامی چدانند جی نے ہائیکورٹ کو دیکھا بھی نہ ہو گا۔

حیدرآباد کے بازار میں ایک چارمینارہ ہے۔ جو قدیم زمانہ کی ایک مشہور عمارت بتائی جاتی ہے جس کو نظام حیدرآباد کے سکّہ میں کندہ کیا گیا ہے اس بلڈنگ کے ایک گوشہ پر کسی کام کی غرض سے ایک پتھر گرا ہوا ہے۔ اب ہندوؤں کی عورتیں کسی لکشمی نامی دیوی کے نام پر اس کی پرستش کرتی اور سندور وغیرہ نیز پھول وغیرہ سے پوجا کرتی ہیں۔ یہ جگہ بھی نظام شاہی قانون کی رُو سے محفوظ ہے۔ اسجگہ پوسا کی ایک بڑی یادگار بنی ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ دو گوشالہ تو نظام گورنمنٹ کے خرچ سے چلتی ہیں۔ اور ان کے علاوہ ایک ایسی گوشالہ بھی ہے۔ جس کو گورنمنٹ حیدرآباد کی جانب سے امداد ملتی ہے۔ یہاں کی رپورٹ سے معلوم ہوا۔ کہ یہاں یعنی ..... حیدرآباد کی سرکار کی جانب سے ہندوؤں کے ایک مندر کو جاگیریں ملی ہوئی ہیں۔ جس سے یہاں کے پجاری بڑے مالدار ہیں۔

مندروں کی جاگیریں۔ اس ریاست میں بڑے بڑے مندر ہیں۔ جن کو لاکھوں روپیہ سال کی آمدنی والی جاگیریں ملی ہوئی ہیں۔ یوں تو یہاں ہم نے کئی مندر دیکھے ہیں۔ لیکن ایک مندر کا حال خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ نظام گورنمنٹ کے زیر تحت والے چھوٹے چھوٹے راجہ نواب اور جاگیرداری اسٹیٹ میں جن میں تقریباً ۴۰۰ ہندو اور ۳۰۰ کے قریب مسلم جاگیریں ہیں۔ مسلم جاگیرداروں میں سے اکثر مقروض ہو جانے سے ضبط یعنی کورٹ آف وارڈ کی ہوئی ہیں۔ ان کی ریاست کے علاوہ باڑہ مقام پر راجہ راجیشور جی کا مندر ہے۔ یہاں پر چمار وغیرہ اچھوت جاتی کی لڑکیوں کو نقلی پاربتی بنایا جاتا ہے۔ اور پھر ان نقلی پاربتیوں کی شادی نہیں کی جاتی۔ پاربتی بننے کے بعد ان کا شغل بھی دوسرا ہو جاتا ہے۔ اس مندر میں اچھوت جاتی کے آدمیوں کو نہیں جانے دیا جاتا۔ یہ پاربتی بنانا برہمنوں کے ارشاد پر کورانہ تقلید ہے۔ مندر میں داخل ہونے کا راستہ راجہ باگ سوار صاحب کے مزار میں سے ہو کر جاتا ہے۔ اس راستہ سے صرف اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کو جانے دیا جاتا ہے۔ یہ مزار ایک مسلمان درویش کا ہے۔ یہاں پر ایک ایسا رواج ہے۔ کہ کسی شخص کو اگر کوئی قسم کا مرض ہو۔ تو اس مریض کے سر پر راجہ باگ سوار صاحب کا جوتا مارا جاتا ہے۔ وہ جوتا حقیقت میں نہیں مارا جاتا۔ بلکہ جوتا رنے والے کو کچھ نذرانہ دیا جاتا ہے۔ تب اس کے وہ جوتا مارا جاتا ہے۔ یا یہ امر یلو رہے۔ کہ اسجگہ اچھوت جاتی کے لوگوں کو نہیں جانے دیا جاتا۔

اس ریاست میں زیادہ تر ہندو لوگ آباد ہیں۔ ہر ایک گاؤں میں پولیس پٹیل اور دیگر پٹیلی پر ہندو ہی تعینات ہیں۔ یہاں

دیہات کے جسقدر شفا خانے نظام گورنمنٹ کی جانب سے ہرکس وناکس کے لئے جاری کئے ہوئے ہیں۔ ان کے اندر اعلیٰ ذات کے ہندو اچھوت ذات کے ہندوؤں کو نہیں جانے دیا جاتا۔ نظام گورنمنٹ بہت کچھ کرنا چاہتی ہے۔ لیکن کرے کیا جب کہ یہاں پر تمام ہندوؤں کا بول بولا ہے سوامی چداننداجی نے نظام گورنمنٹ کو خواہ مخواہ موردالزام قرار دیا ہے۔ جو بے بنیاد ہے۔ لیکن ان ہندوؤں کے ذریعہ اچھوت اقوام پر جو مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ ان کا سوامی جی نے اپنے بیان میں ذکر تک نہیں کیا ہے۔ ہم نے یہاں اسوقت جو حال دیکھا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ یہ ریاست برائے نام مسلم ریاست ہے۔ مگر دراصل ہندوؤں کی طوطی بول رہی ہے۔ یہاں پر برائے نام بڑے بڑے آفیسر مسلمان ہیں۔ مگر حکومت کی باگ ڈور ہندو افسروں کے ہاتھ میں ہے ہم یہاں کے ہندو افسروں کے خلاف کچھ نہیں کہہ رہے ہیں۔ بلکہ سوامی جی کے اس بیان کا مواد ترک کر رہے ہیں۔ جو انہوں نے گورنمنٹ نظام اور افسروں کے خلاف بیان دے کر یہاں کی سرکار اور رعایا میں باہمی عناد کا زہر پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ ہم صرف سوامی جی سے بدیں وجہ مخاطب ہوتے ہیں۔ کہ انہوں نے سکندرآباد میں بیٹھ کر تمام ریاست کے حالات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ کیا سوامی جی نے محبوب نگر وغیرہ اضلاع میں جا کر معائنہ کیا۔ جہاں پر ہندو لوگ اچھوت جاتی کے لوگوں کو دیہات میں مکان بھی نہیں بنانے دیتے۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اچھوت لوگوں کا گاؤں میں گھر بنانا دھرم شاستر کے خلاف ہے۔ اس لئے اچھوت جاتی کے لوگوں نے ایک درخواست دی ہے جس میں انہوں نے عرض کی ہے۔ کہ ہم کو دوسرے لوگوں کے مانند مکان تعمیر کرانے کی اجازت دی جائے۔ گورنمنٹ نظام اس مسئلہ پر غور کر رہی ہے۔ سرکار نے اچھوتوں کو اب بھی مکان بنانے کی اجازت نہیں دی۔ تو بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہو گی۔ ہمیں پوری امید ہے۔ کہ عادل گورنمنٹ نظام ہمارے اچھوت بھائیوں کی اس مصیبت کو ضرور رفع کرنے کی مہربانی فرما دے گی۔ یہاں کے کچھ افیسر لوگ اچھوتوں کے ہمدرد ہی نہیں بلکہ دل سے ان کی اصلاح کے متمنی بھی ہیں۔ ان میں چاہے ہندو ہوں یا مسلمان۔ مگر اچھوتوں کا اگر کوئی مخالف ہے۔ تو وہ ہیں وہاں کے ہندو لوگ جو اپنے ہندوپن کے گھمنڈ میں اپنے سے سب کو نیچ اور برا سمجھتے ہیں۔ یہاں کی آریہ سماج نے کچھ سدھار کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس سدھار کی آڑ میں انہیں کانگریسی بنانا چاہا۔ اس لئے وہ کوئی اصلاح وغیرہ نہ کر سکے۔ درحقیقت وہاں کے آریہ سماجی صرف اسی قدر اچھوتوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ کہ اچھوت لوگ گاندھی ٹوپی پہنیں۔ اور در پردہ ان کے ذریعہ کانگریس کا کام ہوتا رہے ہم یہاں کے آریہ سماجیوں سے یہ التماس کریں گے۔ کہ پہلے آپ لوگ ان اچھوتوں کو علم وفنون دولت قسمت و عزت و آبرو میں اپنے برابر بنائیں۔ پھر اگر ان کی خواہش ہوگی۔ تو کانگریس وغیرہ میں حصہ لے لیں گے۔ آپ کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ خود تو اپنے کو سرکار کا وفادار ظاہر کریں۔ اور اپنا حلوہ مانڈہ اڑاتے رہیں۔ اور ان غریب اچھوتوں کو حکومت کا باغی بنا کر ان کے خلاف حکومت کو برانگیختہ کرنے میں ساعی رہیں۔ نظام گورنمنٹ ان کی اصلاح کرنا چاہتی ہے۔ ایسی صورت میں سدھار کیا ہوتا ہے۔ سرگشتہ کر کے ان کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور خود وفاداری کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ ہم گورنمنٹ نظام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنی رحمدلی ان بے خانماں برباد اچھوت رعایا کی جانب کسی کے بھرے میں آ کر دور نہ کرے۔

سلطانِ دکن کا عدل ہم نے جہاں دیگر اکثر باتیں سنی ہیں - اور دیکھی ہیں - وہاں ہم نے اس ریاست کے انصاف و عدل کی داستان بھی سنی ہے - جس کو آپ بھی سنکر محو حیرت رہجائیں گے - بیان کیا جاتا ہے - کہ ریاست حیدر آباد میں سکھوں کا ایک گوردوارہ ہے جس کو شاہ عالم کے عہد کی ایک جاگیر ملی ہوئی ہے - اس جگہ ایک مسلمان درویش انتقال کر گئے تھے - اور انہیں اسی جگہ دفن کرا دیا گیا - اس وقت تو سکھ معترض نہ ہوئے - لیکن تقریباً ۸ یا ۹ سال کے بعد سکھوں نے گورنمنٹ نظام سے یہ دعوت کی - کہ یہ زمین ہماری ہے اور اس میں ہماری خواہش کے بغیر ایک مسلمان فقیر کو دفنا دیا گیا ہے - اس کو ہماری زمین سے ہٹا دیا جائے اس کی غرض کیلئے نظام صاحب (بادشاہ) نے ایک غیر ریاستی یورپین کو برائے تحقیقات مقرر کیا - اس کمیشن نے تحقیقات کے بعد جو فیصلہ دیا - اس کی رو سے اس قبر کو وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ بنوا دیا گیا - اور وہ جگہ جس کو سکھوں نے اپنی بنائی تھی - انہیں دیدی گئی - آپ خیال کریں - کہ جب ریاست حیدر آباد میں انصاف - عدل کا یہ طریقہ ہے - تو پھر وہ کیا بات ہے کہ جس سے یہاں کے ہندو تکلیف میں ہیں - جس کی وجہ سے سوامی چدانند نے اس قسم کا پراپگنڈا شروع کیا ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس پروپیگنڈے کی تہ میں کوئی بھاری راز پوشیدہ ہو - یا یہ کہنا چاہیئے - کہ سوامی جی نے اپنی مطلب براری کیلئے ہی کیا ہو جس میں وہ فیل ہو چکے ہیں -

ریاست حیدر آباد میں ایک بات یہ بھی دیکھی - کہ یہاں جسقدر مذہبی سنگھٹن ہیں ان سب کو گورنمنٹ نظام کی جانب سے کافی امداد ملتی ہے - وہ انجمنیں چاہے مسلمانوں کی ہوں یا ہندوؤں کی - ہم نے بچشم خود یہ کیفیت دیکھی ہے - اور اس کے دیکھنے سے محسوس ہوا - کہ اگر کوئی انصاف پسند غیر جانبداری سے خیال کرے - تو اس کو خود ہی یہ احساس ہو جائیگا - کہ گورنمنٹ نظام کے خلاف اس قسم کا پروپیگنڈا کرنا سخت حماقت میں داخل ہے -

افسران سے ملاقات میں نے یہاں بعض اعلیٰ افسران سے بھی ملاقات کی اور ان کی خدمت میں یہاں کے اچھوت بھائیوں کے متعلق چند مطالبات بھی پیش کئے جن کا جواب تو ان کی جانب سے اطمینان بخش ملا - لیکن آخر کار اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی طرفداری کرتے ہوئے کہا - کہ ہماری سرکار اچھوتوں کا سدھار کرنا تو ضرور چاہتی ہے - لیکن وہ مساوات کی روادار ہے - کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو - اور نہ کسی کے لئے اصلاح ناراضگی کا باعث ہو - میرے کہنے کا مطلب یہ ہے - کہ ریاست حیدر آباد میں ہندوؤں کی اس قدر قدر و منزلت ہے - جسقدر ہندوؤں کو ہندو ریاستوں میں حاصل نہیں -

حیدر آباد کی پولس ہم نے یہاں پر ایک بھی ایسا کوئی محکمہ نہیں دیکھا - جس میں ہندوؤں کا بول بالا نہ ہو - پھر یہ شکائیت کیسے کی جا سکتی ہے - کہ ریاست حیدر آباد میں ہندوؤں کو بڑی تکلیف ہے - ہم نے جہاں تک تحقیقات کی وہاں تک یہی معلوم ہوا - کہ ہندوؤں کو کوئی تکلیف نہیں ہے - جس کے متعلق سوامی چدانند جی نے گورنمنٹ نظام کو مورد الزام ٹھہرایا ہے -

سوامی چدانند نے گورنمنٹ نظام کے خلاف جو بہتان لگایا ہے - اس پر غور و خوض کریں - کیونکہ سوامی چدانند کے مضمون سے یہاں کے ہندو مسلمانوں میں بدمزگی کا تخم بویا گیا تھا - لیکن شکر ہے کہ خیر ہوگئی - ہندو اور مسلمان اصلی حالت سے واقف ہو گئے -

ہم نے یہاں کی پولیس کا انتظام نہایت عمدہ دیکھا - یہاں کی پولیس انتظامی مقاصد میں برٹش پولیس سے کسی طرح کم نہیں ہے

بلکہ بعض امور میں وہ بڑھ چڑھ کر پائی جاتی ہے۔ جو ہر طرح سے قابل تعریف ہے۔

سلاطین آصفیہ کے مزار مقدس ہم نے یہاں کی وہ مسجد بھی دیکھی۔ جو دراصل تا بلدیہ ہے۔ اس مسجد میں یہاں کے سابق بادشاہوں کے مزار ہیں جن کو مسلمان لوگ اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہی ہیں۔ لیکن ہندو لوگ بھی ان مزاروں پر اپنے دیوتا اور ولی سمجھ کر پھول اور ناریل چڑھاتے ہیں۔ یہاں کے ہندو اور مسلمانوں میں کافی اتحاد ہے۔ مسلمان ہندو کو مہاراج کہکر مخاطب کرتے ہیں۔ اور یہاں کے ہندو زیادہ تر ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ حیدرآباد کے ہندو مسلمانوں میں بہت زیادہ میل ملاپ ہی نہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کو اپنا حقیقی بھائی سمجھتے ہیں۔ ہمیں پھر وہی سوامی چلا نند کا بیان یاد آتا ہے۔ جو خود انہوں نے پچھلے دنوں ہندوستانی اخبارات میں شائع کرایا تھا۔ جس سے یہاں کے ہندو اور مسلمانوں میں بدمزگی اور دشمنی پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ وہ اس طریقہ سے بیان کیوں شائع کرایا گیا۔ ضرور کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔ ہم باشندگان حیدرآباد کا بدیں وجہ شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہ ان لوگوں نے سوامی جی کے غلط بیان پر بالکل توجہ نہ دے کر اپنے اتحاد اور حقیقی امن کو کوئی ٹھیس نہ پہونچنے دی۔

تمہارا تقویٰ اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔ اس حق سے عہدہ برا ہو۔ اس کی رضا جوئی میں جہد بلیغ کرو۔ یقین جانو۔ کہ دنیا فانی ہے۔ اور عقبیٰ ہی کو بقا ہے۔ موت کے بعد جو زندگی آنے والی ہے۔ اس کے لئے تیاری کرو۔ دنیا کے ساتھ تمہارا تعلق ایسا ہونا چاہیئے۔ گویا وہ ایک نمود بے بود تھی۔ اور آخرت کے ساتھ تمہیں ایسا لگاؤ ہونا چاہیئے۔ کہ جو شخص بھی اس مہمان سرائے دنیا میں مقیم ہے۔ اس کی حیثیت ایک مہمان سے بڑھکر نہیں۔ جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے مستعار ہے۔ مہمان کوچ کر جانے والا ہے۔ اور عاریت اس سے واپس لی جانے والی ہے یہ بھی اچھی طرح سمجھ لو۔ کہ دنیا ایک مائدہ عارضی ہے۔ جس سے نیکوکار و بدکردار سب ہی لقمہ اندوز ہیں۔ اور آخرت ایک حقیقت موعودہ ہے۔ کہ اس پر ایک باجبروت شہنشاہ حکمران ہے۔ خدا کی رحمت ہو اس شخص پر جس نے فرمان اجل کے نفاذ اور سررشتہ عمل کے انقطاع سے پہلے جب تک کہ اسکا سررشتہ حیات دراز تھا۔ اور اس کے دوش انفاس پر پڑا تھا۔ بنگاہ امعان اپنے نفس کا احتساب کیا۔ اور اپنی مشت خاک کو ٹھکانے لگایا۔

تمنّائے اختر

(از جناب منشی عبدالحق صاحب اختر)

مہرباں کوئی نہ ہو۔ نامہرباں کوئی نہ ہو — زندگی کا لُطف یہ ہے رازداں کوئی نہ ہو
بیکسی ہو ساتھ اپنے انس و جاں کوئی نہ ہو — جا رہیں ایسی جگہ اب ہم جہاں کوئی نہ ہو
لاکھ دل میں درد ہو لب پر فغاں کوئی نہ ہو — آگ تو جلتی رہے لیکن دُھواں کوئی نہ ہو
قتل یوں کرنا کہ دامن پر نشاں کوئی نہ ہو — تا کہ اے جلّاد تجھ سے بدگماں کوئی نہ ہو
میری مانے تو طلبگارِ بُتاں کوئی نہ ہو — ان سے الفت کر کے رسوائے جہاں کوئی نہ ہو
باغ ہو، بلبل ہو، گل ہو باغباں کوئی نہ ہو — جوش پر ہو فصلِ گل۔ خوفِ خزاں کوئی نہ ہو
ایسے میں وہ مے پلائیں، ہم بھی خوش ہو کر پئیں — محتسب کوئی نہ ہو۔ پیرِ مغاں کوئی نہ ہو
خوگرِ غم کی یہی ہے یا الٰہی آرزو! — دِل میں جز رنج و الم اب میہماں کوئی نہ ہو
شکوۂ جور و جفا اے دل تجھے زیبا نہیں — عاشقوں کے منہ میں لازم ہے زباں کوئی نہ ہو
دل نہ جب دل ہی رہا پھر آرزو اسمیں کہاں — کس طرح کوئی مکیں ہو جب مکاں کوئی نہ ہو
ہے دُعا اللہ سے اب او بُتِ بیداد گر — کر کے دل میں گھر ترا بے خانماں کوئی نہ ہو
خاک ہو اُسکو بھروسہ دشمنوں پر ہمنشیں — جب کسی کو اعتبار دوستاں کوئی نہ ہو
یہ مرض وہ ہے نہیں جسکا کہیں کوئی علاج — مبتلائے غم نصیبِ دشمناں کوئی نہ ہو
کیا مزا اس عشق کا جسمیں نہو کوئی رقیب — وہ محبت کیا ہے جسمیں امتحاں کوئی نہ ہو
خانہ ویرانی میں وہ لذت مجھے حاصل ہوئی — اب دعا کرتا ہوں میرا آشیاں کوئی نہ ہو
قیس کی ہے یہ دعا وہ راستہ بھولے کہیں — ناقۂ لیلیٰ کا یارب ساربان کوئی نہ ہو
ہے خدا حافظ مری کشتی کا۔ کچھ پروا نہیں — نا خدا کوئی نہ ہو۔ یا۔ بادباں کوئی نہ ہو
مجھ کو کچھ مطلب نہیں اس سے کہ دشمن ہوں نہوں — ہاں مگر میرے تمہارے درمیاں کوئی نہ ہو
ہائے بیں اس بیوطن کی کس مپرسی کیا کہوں — جس کے مرجانے پہ اسکا نوحہ خواں کوئی نہ ہو

میری یہ خواہش کہ ان کے ہاتھ سے مٹ جاؤں میں
ان کو بھی یہ ضد کہ اختر کا نشاں کوئی نہ ہو

کچھ اپنی نسبت | آپ کا قومی آرگن "القریش" جس کی خدمات کا گذشتہ سترہ سال میں بیسیوں دفعہ آپ اعتراف کر چکے ہیں۔ جس کی حسنِ کارکردگی پر قوم کی طرف سے زرِ نقد کی تھیلی پیش کی جا چکی ہے۔ جسے آپ قومی اصلاح و ترقی کا ضامن قرار دے چکے ہیں۔ ان دنوں مالی کمزوری کی الجھنوں میں اسقدر گھرا ہوا ہے۔ کہ گذشتہ ششماہی سے تو ام اشاعتیں شائع کرنے پر مجبور ہو رہا ہے۔

لاریب حضور نظام عالی مقام خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی شاہانہ عنایات شامل حال ہیں۔ اور اس کے بقاء و احیاء کا یہی ایک سبب ہے لیکن آپ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ دو ہزار روپیہ سالانہ خرچ کے مقابلہ میں ساٹھ روپیہ سالانہ کی امداد کیونکر اور کس حد تک کفیل ہو سکتی ہے "القریش" اٹھارہ سال سے قومی خدمات انجام دے رہا ہے اور یوم اجرا ہی سے دردمندانِ قوم کی خدمت میں توسیع اشاعت کیلئے اپیل کر رہا ہے لیکن افسوس اور کمال رنج و ملال کا مقام ہے۔ کہ نام لیوایانِ قریش اٹھارہ سال کی طویل مدت میں اسکی تعداد اشاعت اٹھارہ سو تک بھی نہیں پہنچا سکے۔ حالانکہ ہم نے اس اثناء میں اسے ماہوار سے پندرہ روزہ اور پھر ہفتہ وار بھی کر دیکھا۔ اور اس امید پر کہ قریش کے خون میں جوش و ولولہ اور حرکت پیدا ہو۔ اور وہ اپنی قومی ضروریات کا احساس کرتے ہوئے جرائد و رسائل کی قدر و قیمت پہچانیں۔ دوگنے اور چوگنے خرچ کا متحمل ہونا بھی گوارا کر لیا۔ مگر اسکا نتیجہ سوائے نقصان اور افسوس کے کچھ نہ نکلا۔

کئی اشاعتوں سے ہم نے اس موضوع پر قلم نہیں اٹھایا۔ اور اب بھی اس پر خامہ فرسائی دردِ سری کا موجب سمجھتے ہیں۔ مگر ان احباب پر جو "القریش" کے تسلسل اشاعت کے خواہاں ہیں۔ اور اس کی غیر حاضری کارپردازانِ القریش کی غفلت و سہل پر محمول کرتے ہیں۔ یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ رسالہ کے باقاعدہ شائع نہ ہونے کی ذمہ واری اسقدر کارکنان پر عائد نہیں ہو سکتی۔ جسقدر کہ قوم اور ناظرین القریش پر۔ انہوں نے ہماری اپیلوں اپنی قومی ضرورتوں اور اپنی قومی آواز کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ دیگر اقوام کی سعی و جہد سے سبق لیکر میدان عمل میں بڑھنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اور ترقی پذیر رفتہ اقوام کی تقلید میں کبھی قدم نہیں بڑھائے۔

مسلم راجپوت۔ راعی۔ کشمیری۔ راول۔ گوجر۔ مومن۔ انصار اور دیگر اقوام کی بارہا مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔ ان کی تگ و دو ان کی دوڑ دھوپ۔ ان کی مساعی۔ ان کی جدّ و جہد ان کی ترقیاں اور کد و کاوش پر بارہا تبصرہ کرتے ہوئے برادران قریش کو غیرت و جرأت دلا چکے ہیں۔ لیکن یہاں وہی خرگوش کی تین ٹانگیں۔ چوتھی نہ ہوئی ہے اور نہ ہو گی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

"القریش" چاہتا ہے۔ کہ وہ ہفتہ وار ہو روزانہ ہو۔ اسکی تعداد بڑھے اسکی آواز بلند ہو۔ قوم ظلمت کدہ گمنامی سے نکلکر اوج عروج پر پہنچے۔ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو دینی و دنیوی اصلاح و ترقی کی زمام اس کے ہاتھ میں ہو۔ تنظیم اسلامی اور اشاعت مذہبی کے فرائض انجام دے۔ اور "النَّاسُ تَبَعُ القُرَیْشِ فِی الْخَیْرِ وَالشَّرِّ" کے مصداق بنے۔ لیکن یہ خواہشیں یہ تمنائیں یہ آرزوئیں پوری ہوں تو کیونکر

جبکہ قوم خود ہی قعرِ مذلت سے ابھرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے۔ اور کسی کی آواز سننے کیلئے گوش شنوا اور حالات حاضرہ دیکھنے کے لئے دیدہ بینا سے کام نہ لے۔

• "القریش" مقررہ تاریخ پر شائع ہو سکتا ہے اسکا علمی و ادبی معیار بلند و بالا کرنے کا انصرام ہو سکتا ہے۔ اسے اعلیٰ کتابت و طباعت کے ساتھ دیدہ زیب کیا جا سکتا ہے۔ اسکی صوری و معنوی حالتوں کو جِلا دی سکتی ہے۔ یہ ہفتہ وار مفید ترین اخبار بنایا جا سکتا ہے۔ ملک کے مشہور ادبا و انشا پردازوں کی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ غرض کیا نہیں ہو سکتا؟ مشکلے نیست کہ آساں نشود، توجہ سعی اکوشش، شغف اور ہمت کی ضرورت ہے۔ اُٹھئے اور دیگر اقوام کا تتبع کیجئے۔ صرف پانسو نئے خریدار (یہ مطالبہ کچھ زیادہ نہیں) مہیا کرنے کیلئے اپنے اثر و اقتدار کو کام میں لائیے۔ اور دیکھئے کہ آپ کا یہ خادم کس خوبی کے ساتھ ہفتہ وار اخبار کی شکل میں قومی خدمات کی انجام دہی کیلئے سرگرم عمل ہوتا ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو پھر صبر کے سوا چارہ نہیں۔ اور انہی حالات پر قناعت کیجئے۔ اور خدا کے فضل و کرم کا انتظار فرمائیے۔ خدا ہمیں عمل کی توفیق دے اور ہمارے عزائم کو بلند و بالا کرے۔ آمین!

بلائے آمد و لے بخیر گذشت

یکم جولائی گذشتہ کو ایک جنازہ سے واپس آتے ہوئے ایک سائیکل سوار جو طوفان آندھی کی طرح برق وش تیز آرہا تھا۔ کی ناتجربہ کاری نے مجھے اپنا نشانہ بنا لیا۔ سینہ پر شدید ضربیں آئیں۔ بیہوشی کی حالت میں کسی طرح مجھے میرے مسکن پر پہنچایا گیا۔ ڈاکٹری معائنہ سے معلوم ہوا۔ کہ دونوں جانب کی پسلیاں شدید ضرب کی وجہ سے اندر کو جھک گئی ہیں۔ اور دل کے نیچے ایک زخم ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے دماغ ماؤف ہو گیا ہے اور بیہوشی طاری ہوئی ہے۔ ۶ گھنٹہ تک برابر بیہوشی رہی بعدش خواب آور دوائی سے تسکین دلانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن شدت درد نے بے چین رکھا۔ صبح دو ڈاکٹروں نے پلاسٹر اور دیگر نسخے تجویز کئے۔ جان سخت خطرہ میں تھی۔ لیکن خدا نے فضل کیا۔ اور بیس دن کے بعد صحت ہوئی الحمدُ للہ علیٰ اِحسانِہٖ اس اثناء میں جن بھائیوں کے خطوط کے جوابات عرض نہیں کئے جا سکے۔ ان سے میں عذر خواہ ہوں۔ امید ہے کہ احباب اس معذوری کو مجبوری پر محمول کرتے ہوئے معاف فرمائیں گے۔ نیازمند۔ رونق

ندوۃ القریش

دفتر القریش شریف گنج امرتسر میں بحاضری اگزکٹو ممبران ۳۱ جولائی ۱۹۳۲ء کو اگزکٹو کمیٹی کا اجلاس ہوا سابقہ کارروائی کنفرم ہونے کے بعد، حسب ذیل ریزولیوشن پیش ہو کر باتفاق رائے منظور ہوئے۔

(۱) "ندوۃ القریش" کا یہ غیر معمولی اجلاس جلالت مآب "سلطان العلوم" خسرو دکن کی خدمت حدیث یعنی مسلم شریف کی شرح مؤلفہ مولانا البشیر احمد صاحب عثمانی کی طباعت و تکمیل کی کفالت سے زبانی ہے۔ پر اعلیحضرت بندگان عالی کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ خدائے برتر و اکبر اپنا فضل و کرم آپ کے شامل حال رکھے۔ آمین ثم آمین!

(۳) "ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس کپتان سردار سکندر حیات خاں بالقابہٗ کے قائمقام گورنر پنجاب مقرر ہونے پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہے اور اس امر پر مسرت کا اظہار کرتا ہے۔ کہ ہز ایکسیلنسی کو پنجاب میں تمام ہندوستانیوں کا اعتماد حاصل ہے۔

(۴) "ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس چیف سکرٹری صاحب گورنمنٹ پنجاب کی توجہ اس کارروائی کی جانب معطوف کراتا ہے۔ جو اضلاع امرتسر گورداسپور۔ فیروز پور حصار۔ لدھیانہ اور رہتک کے قریشیوں کے زراعتی حقوق سے متعلق ہے اور جو ندوۃ القریش کے اجلاس عام منعقدہ ۱۹ر جون ۱۹۳۱ء کے ایک ریزولیوشن کے سلسلہ میں بذریعہ چٹھی نمبری R — 3 2613 مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء منجانب جونیر سکرٹری فنانشل کمشنر پنجاب شروع کی گئی تھی۔ اور جس کے متعلق اضلاع متعلقہ کے ڈپٹی کمشنر صاحبان کی رپورٹیں طلب کی گئی تھیں۔ چونکہ کارروائی کو شروع ہوئے زائداز دو سال ہو گئے ہیں۔ اور "ندوۃ القریش" کو معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ معاملہ کس سٹیج پر پہنچا ہے لہذا یہ اجلاس بزور التماس کرتا ہے۔ کہ اس معاملہ میں محکمہ متعلقہ کو فوری توجہ لینے کی ہدایت کی جائے۔

(۵) "ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس پنجاب یونیورسٹی سینٹ کے اس غیر دانشمندانہ فیصلہ کے خلاف جو اس نے بی۔ اے کے نصاب سے تاریخ اسلام کو خارج کرنے سے متعلق کیا ہے صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ یہ اجلاس اس فیصلہ کی وجہ رقابت مذہبی قرار دیتا ہوا معاندانہ خیال کرتا ہے۔ لہذا ہز ایکسیلنسی چانسلر صاحب اور آنریبل وزیر تعلیم سے بزور درخواست کرتا ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کے خدمات و احساسات کا لحاظ کرتے ہوئے اس فیصلہ کو مسترد کر دیں۔

(۶) "ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین کی ان مساعی جمیلہ کو جو انہوں نے سینٹ کے اس فیصلہ کو مسترد کرانے اور تاریخ اسلام کو داخل نصاب کرانے کیلئے کی ہیں۔ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

(۷) "ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس مظلوم مسلم رعایائے الور سے اظہار ہمدردی کرتا ہوا حکام ریاست مذکور سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مسلمانان ریاست کی تکالیف اور ان کے گوناگوں مصائب کو بوجہ احسن دور کرنے کیلئے فوری تدابیر عمل میں لائیں۔ اور حکومت برطانیہ سے استدعا کرتا ہے۔ کہ وہ اس بارہ میں اپنی توجہات خصوصی معطوف کر کے پیش آنے والے حوادث کا کما حقہ سدباب کر دے۔

دیگر

(۱) "حافظ نسب رسول" محترم قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی اپنے ۱۷ر جون کے مراسلہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"القریش میں بلند پایہ مضامین کے متعلق مبارکباد دیتا ہوں۔ اسدفعہ فارسی علم و ادب کی مختصر تاریخ کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا ہے۔ وہ خصوصیت کے ساتھ بیحد دلچسپ اور مفید ہے۔ اور لاریب علمی اور تاریخی پہلوؤں کے لحاظ سے ضرورت بھی ایسے ہی مضامین کی ہے میں قیمت مقررہ کے علاوہ پانچ روپے سالانہ مالی امداد کیلئے الگ ارسال کرتا رہونگا۔ پہلی قسط ارسال ہو چکی ہے۔ والسلام"

(توجہ فرمائی اور حوصلہ افزائی کا مشکور ہوں۔ ایڈیٹر)

(۲) جن برادران قریش نے اپنے احباب کے نام القریش جاری کرا کر توسیع اشاعت میں حصہ لیا۔ ان کے اسمائے گرامی بشکریہ درج ذیل ہیں۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء

(۱) مسٹر شبیر خاں صاحب قریشی معرفت قاضی خورشید عالم صاحب فاروقی سٹیشن ماسٹر۔ (۲) پیر سید غلام رسول صاحب فریدی چشتی

معرفت پیر سید علی احمد صاحب فریدی۔ (۳) میاں فضل کریم بخش صاحب ہاشمی معرفت پیر علی اصغر صاحب ڈپٹی کلکٹر۔ (۴) مولوی محمد شاہ صاحب مدرس خود۔

(۴) جنوری گزشتہ میں محترم قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی کے برادر عزیز قاضی طالب مہدی صاحب سب انسپکٹر پولیس بلوچستان کی اہلیہ محترمہ پندرہ بیس دن کا نوزائیدہ بچہ چھوڑ کر راہئی ملک بقا ہوگئیں تھیں۔ افسوس اور کمال افسوس کا مقام ہے کہ گذشتہ دنوں مرحومہ کی وہ یادگار بھی بقید حیات نہ رہ سکی۔ اور پانچ ماہ بعد اپنی والدہ سے جاملی۔ اِنّا للہ وَاِنّا الیہ رَاجِعُوْن

قاضی صاحب اور آپ کے تمام خاندان کو بیحد صدمہ ہوا ہے۔ خدائے قادر و توانا صبر عطا کرے۔ آمین!

جذباتِ ہادی

(از جناب سید محمد ہادی صاحب مچھلی شہری بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی)

مرے دلِ پر محن کی دھڑکن عجیب نغمہ سنا رہی ہے
سنو کہ اس سازِ آرزو سے صدا محبت کی آ رہی ہے

جسے بھروسہ ہو زندگی پر وہ چشمِ عبرت سے آکے دیکھے
ہماری خاکِ رہِ مصیبت غرورِ ہستی مٹا رہی ہے

اگر یہ سچ ہے کہ جاں نثاری کفیل ہے عمرِ جاوداں کی
زبانِ خنجر دلِ حزیں کو خوشی کا مژدہ سنا رہی ہے

سمجھ میں آتا نہیں الٰہی! جہاں میں کیا انقلاب ہوگا
کہ چہرۂ غم سے نامرادی نقابِ حسرت ہٹا رہی ہے

عجیب مشکل کا سامنا ہے کروں گا کس طرح عرضِ مطلب
مری تمنا ہزاروں شکلیں بنا بنا کر مٹا رہی ہے

ہے بسکہ تاثیرِ یاس غالب اُمید کا بھی نہیں بھروسا
تھی جس سے شبہائے غم کی رونق وہ شمع خود جھلملا رہی ہے

یہ رنگ ہے اعتبارِ دل کا کہ ٹوٹتی ہی نہیں اُمیدیں
غضب تو دیکھو کہ شامِ وعدہ کی صبح تک ابتدا رہی ہے

خدا بچائے تری نظر سے کبھی ہے مرہم کبھی ہے پیکاں
کسی کی تسکین کا سبب ہے۔ لہو کسی کا رُلا رہی ہے

امید و حرماں کی کشمکش سے دلِ حزیں میں ہے حشر برپا
نہ پوچھ ظالم جو کم نگاہی تری تماشے دکھا رہی ہے

ہمارے نالوں کے جوش میں بھی ہے اک سکوت خوشی کی حالت
بھنور کے دامن میں کشتیِ غم قریبِ ساحل کے آ رہی ہے

نہ صبر ممکن، نہ جبر ممکن نہ دل پہ قدرت نہ تجھ پہ قابو
ہے مختصر یہ کہ جانِ محزوں عجیب آفت میں آ رہی ہے

کسے کوئی سینے میں جگہ دے کسی کو کوئی اپنے دل میں رکھے
شریکِ غم ہو کے تیری خواہش ہماری ہستی مٹا رہی ہے

وہ غنچۂ آرزو ہمارا جو کب کا مرجھا چکا تھا ہادی
نسیمِ اُمید کامرانی اُسی کو اب پھر کھلا رہی ہے

عہدِ محمود کے دو نامور

احمد حسن میمندی ——— ابو ریحان البیرونی

(۱)

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ایک دن سلطان محمود غزنوی ایک باغ میں ٹہل رہا تھا۔ اس کا وزیر اعظم احمد حسن میمندی اس کے ہمرکاب تھا۔ باغ سے گذر کر جب وہ ندی کے کنارے پر پہنچے۔ تو محمود کی نظر ایک نوجوان پر پڑی۔ وہ ان سے کچھ فاصلہ پر کھڑا تھا محمود نے میمندی سے پوچھا۔ کہ یہ کون ہے؟ میمندی نے فی الفور جواب دیا۔ کہ حضور یہ بڑھئی ہے۔ محمود نے پوچھا۔ کہ اسکا نام کیا ہے؟ میمندی نے کہا۔ "احمد"۔ محمود نے کہا کہ تمہارے جوابات سے پتہ ملتا ہے۔ کہ تم اس نوجوان کو جانتے ہو۔ میمندی نے جواباً عرض کیا کہ مجھے آج سے پیشتر اس شخص کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس پر محمود نے کہا۔ کہ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ تم اس کے نام اور پیشہ سے واقف ہو۔ میمندی نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ کہ جب حضور نے اس بندہ درگاہ کو نام سے پکارا تھا۔ تو وہ چونک پڑا تھا۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ اسکا نام احمد ہے۔ اور چونکہ وہ خشک درخت کے گرد گھوم رہا تھا۔ اور نہائت غور سے اسکی لکڑی کا معائنہ کر رہا تھا تو میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا۔ کہ یہ بڑھئی ہے۔ بادشاہ یہ سنکر مسکرایا۔ اور کہنے لگا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم قیافہ شناسی میں ید طولےٰ رکھتے ہو۔ بھلا یہ تو بتاؤ۔ کہ آج اس نے کیا کھایا ہے۔ حسن میمندی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ کہ حضور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شہد یا کسی پھل کا رس کھایا ہے۔ بادشاہ نے اس جوان کو طلب کیا۔ اور حسن میمندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "کیا تم اسے جانتے ہو" جس پر اس شخص نے کہا۔ کہ مجھے اس کے دیکھنے کا آج پہلی دفعہ اتفاق ہوا ہے۔ محمود نے پھر سوال کیا۔ کہ تمہارا نام کیا ہے۔ تم کیا کام کرتے ہو۔ اور آج تم نے کیا کھایا ہے۔ اس نے ان سوالات کے جواب میں وہی باتیں بتائیں۔ جو احمد حسن میمندی پہلے بیان کر چکا تھا محمود یہ سن کر بہت ہی حیران ہوا۔ اس نے میمندی سے پوچھا۔ کہ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا۔ کہ اس شخص نے آج شہد کھایا ہے۔ میمندی نے عرض کیا۔ کہ چونکہ یہ شخص اپنے لب چاٹ رہا تھا۔ اور شہد کی مکھیاں اس کے اردگرد چکر لگا رہی تھیں۔ اس لئے میں نے یہ سوچا۔ کہ اس نے شہد کھایا ہوگا۔ محمود یہ سن کر بہت ہی محظوظ ہوا۔ اور میمندی کو بہت سا انعام و اکرام دیا۔

(۲)

چہار مقالہ کا بیان ہے۔ کہ ایک دن یمین الدولہ محمود ایک محل کی چھت پر بیٹھا بہار کے مزے لوٹ رہا تھا۔ اس محل کے چار دروازے تھے۔ ابو ریحان البیرونی جو اس زمانہ کا سب سے مشہور منجم تھا۔ اس کے پاس بیٹھا تھا۔ محمود نے اسکو مخاطب کر کے کہا۔ کہ میں ان چار دروازوں میں سے کون سے دروازہ سے باہر جاؤنگا۔ تم حکم لگا کر کاغذ کے پرزے کو میرے تکیہ کے نیچے رکھ دو۔ ابو ریحان نے زائچہ لیا اور کچھ عرصہ غور و خوض کرنے کے بعد اپنی تحقیق کا نتیجہ کاغذ کے پرزے پر لکھا۔ اور اسے بادشاہ کے تکیے کے نیچے

رکھدیا۔ محمود نے سوال کیا۔" تم حکم لگا چکے ہو؟ البیرونی نے اثبات میں جواب دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ مشرقی دیوار کو گرا کر ایک راستہ نکالا جائے۔ ہم اسی راستے سے آج باہر جائیں گے۔ اس کے بعد محمود نے اس پرزہ کاغذ کو تکیہ سے نکالا۔ اور اس کے مضمون کو بالکل اپنے حکم کے مطابق پا کر سخت خشمناک ہوا۔ اور غلامان درگاہ کو حکم دیا۔ کہ ابوریحان کو چھت سے نیچے گرا دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ چھت کے نیچے ایک جال اور زمین پر کچھ اون محمود کے حکم سے بچھائی جا چکی تھی۔ ابوریحان اس جال میں اٹک گیا۔ مگر بوجھ کی وجہ سے جال پھٹ گیا۔ اور وہ نیچے زمین پر گر پڑا۔ لیکن اس کو کوئی صدمہ نہ پہنچا۔ یمین الدولہ نے حکم دیا۔ کہ اسے پھر پیش کرو۔ اور جب وہ اس کے حضور میں حاضر ہوا۔ تو محمود نے کہا۔ "کیوں تجھے اس حال کی خبر نہ تھی؟" ابوریحان نے جواب دیا۔ "خداوند! خبر کیوں نہ تھی۔" بادشاہ نے اس کا ثبوت مانگا۔ ابوریحان نے اپنے غلام کو آواز دی جو اس کا روزنامچہ لے کر حاضر ہوا۔ ابوریحان نے روزنامچہ کھولا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا چنانچہ اس دن کے احکام میں یہ مندرج تھا۔ کہ آج مجھے ایک نہائیت بلند مقام سے نیچے گرایا جائیگا لیکن میں صحیح و سالم نیچے آ رہونگا۔ اور مجھے کسی قسم کی چوٹ یا خراش نہ آئے گی۔ یہ بات بھی بادشاہ کی طبع کے خلاف نکلی۔ اب اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے غلاموں کو حکم دیا۔ کہ اسے غزنی کے قلعہ میں قید کر دو۔ چنانچہ علامہ موصوف چھ ماہ تک قید رہنے کے بعد بہت کچھ انعام و اکرام پا کر رہا ہوا۔

(علم الدین سالک)

واقعات وحوادث

خسرو دکن ادام اللہ سلطنتہ کے جود وکرم اور معارف نوازی کا تذکرہ تعریف وتحسین اور ستائش و نیائش کی حد سے بلند و بالا ہے۔ آپ کا ابر کرم بلالحاظ کشت امید کو سرسبز و سیراب کر رہا ہے۔ اور خلق خدا آپ کے احسانات شاہانہ اور الطافات خسروانہ کی رہین منت ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی اور دائرۃ المعارف آپ کی یادگار تاقیام قیامت قائم رکھیں گے۔ دائرۃ المعارف نے جن نایاب کتب کو اہل علم اور ملک کے سامنے پیش کیا۔ وہ صرف اسی کا صدقہ تہا۔ بالخصوص کتب حدیث کی اشاعت و انطباع۔

اس سلسلہ میں یہ معلوم کرکے کہ مسلم شریف کی شرح جسے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی لکھ رہے ہیں۔ کی طباعت و تکمیل کی کفالت فرما کر اس شرح کی تکمیل اور مصنف کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور مسلمانان عالم پر آپنا بڑا احسان فرمایا۔ کہ امت مسلمہ اس عظیم الشان احسان سے تا ابد ممنون رہے گی۔

کپتان سردار سکندر حیات خاں بالقابہٗ "واہ" ضلع اٹک کے اس نامور خاندان کے چشم و چراغ ہیں جسے جنرل نکلسن نے ۱۸۵۷ء میں گولی سے زخمی ہو کر آخری وقت میں اپنے خون سے ایک چٹھی دی۔ اور اعتراف خدمات کرتے ہوئے خراج تحسین ادا کیا تھا۔ آپ "واہ" ضلع اٹک میں ۵ جون ۱۸۹۲ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علیگڈھ اور یونیورسٹی کالج لنڈن میں تعلیم پائی۔ آغاز جنگ میں آنریری اسسٹنٹ ریکروٹنگ افیسر مقرر ہوئے۔ اور بعدش پنجابی رجمنٹ میں کمیشن دیا گیا۔ اور تمام جنگ کے دوران میں آپ نے زیادہ تر شمال مغربی سرحد پر نہایت اعلیٰ خدمات انجام دیں۔

پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں داخل ہوئے اور دو دفعہ بلا مقابلہ ممبر منتخب کئے گئے۔ ۱۹۲۶ء میں آپ پولیس کی تحقیقاتی کمیشن کے غیر سرکاری ممبر مقرر ہوئے۔ اور پرنس آف ویلز کے دورہ کے دوران میں میلا افیسر کے پرسنل اسسٹنٹ مقرر ہوئے۔ بعد میں مقامی کونسل کی طرف سے پراونشل سائمن کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اس کمیٹی نے اتفاق رائے سے آپ کو صدر منتخب کیا۔ ۱۹۱۰ء سے لیکر گورنر کی اگزیکٹو کونسل کے رکن مقرر کئے جانے تک آپ آنریری مجسٹریٹ درجہ اول رہے۔ اور گیارہ کمپنیوں کے ڈائرکٹر تھے۔ جن میں تین ریلوے کمپنیاں میسرز لوول رابرٹس پورٹلینڈ سیمنٹ کمپنی۔ واہ سٹون اینڈ لائم کمپنی (اس کے آپ مینجنگ ڈائرکٹر تھے) فرنیچر ماٹنگ سنڈیکیٹ وغیرہ شامل ہیں ۱۹۲۹ء میں آپ تین ماہ کیلئے پنجاب گورنمنٹ کے قائم مقام ریونیو ممبر مقرر ہوئے۔ اور دو سال ہوئے اس عہدہ پر مستقل ہو گئے۔ گویا اس تمام عرصہ میں آپ نے ہر طرح سے پورا پورا تجربہ حاصل کیا۔ کپتان سردار سکندر حیات خاں۔ نواب لیاقت حیات خاں چیف منسٹر پٹیالہ کے بھائی اور نواب مظفر خاں ڈائرکٹر محکمہ اطلاعات پنجاب کے جنہوں نے سرحد میں اصلاحات رائج کرانے کے سلسلہ میں نہایت اعلیٰ کام کیا ہے۔ چچا زاد بھائی ہیں۔

اب سر جافرے ڈی مونٹ مورنسی کی رخصت کے سلسلہ میں ۱۸ جولائی کو آپ پنجاب کے گورنر مقرر ہوئے ہیں۔ آپ کا یہ تقرر ملک میں

پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ اور ہر طبقہ کی طرف سے ہدیۂ مبارکباد پیش کیا جا رہا ہے۔ خدا آپ کو اپنے حفظ امن میں رکھے۔ آمین!

۲۹ جولائی کو شملہ کے مقام پر بارنس کورٹ میں آپ نے اپنے نئے عہدہ گورنری کا چارج لیتے وقت حلف وفاداری کی رسم ادا کی جس کے بعد ۱۷ توپوں کی سلامی اتاری گئی۔

نظام کالج یونین کے افتتاح کی تقریب پر ۱۸ جولائی کو سر اکبر حیدری نے فرقہ وار منافشت کے اسباب و علل کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اس کشیدگی کی سب سے بڑی وجہ تاریخ کی وہ درسی کتب ہیں جو سکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ تاریخ کو ایک تنظیمی اور ارتقائی عمل تصور کرنا چاہیئے جس میں مختلف نسلیں یا خاندان ایک دوسرے کی جگہ لینے پر مجبور ہیں کیونکہ زمانہ کیلئے تمدنی۔ اقتصادی اور سیاسی اسباب اس بات کے مقتضی ہیں۔ اور اس عمل میں سب اپنے اپنے طریقہ کے مطابق ملک کی بہ حیثیت مجموعی تمدنی ترقی میں اضافہ کرتے ہیں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں۔ کہ مؤرخ لڑائیوں اور مذہبی تعصب کے واقعات پر زور قلم صرف کرنے کی بجائے ان واقعات اور افعال پر خاص زور دیا کریں جن سے معاشری ترقی اور تعاون کی تقویت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے چند واقعات کی مثال دی۔ مثلاً سلطان ٹیپو کا ہندوؤں کے مندروں کو عطیات دینا اور برہمنوں سے اپنی کامیابی کیلئے دعا کرنے کی درخواست کرنا۔ نیز اورنگ زیب کا بنارس کے منادر کو عطیات دینا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ کہ جمعیت اقوام کالیک کمیٹی نے علم تاریخ پڑھانے کے مسئلہ کے حل کو اپنے اغراض و مقاصد کے حل میں داخل کر رکھا ہے۔ کیونکہ اسی کی بنا پر بین الاقوامی احساس پیدا کیا جا سکتا ہے۔

دوسری بات جو ہندوستان میں فرقہ وار منافشت کے لئے ذمہ دار ہے۔ اسی ملک کے اخبارات میں چند روز ہوئے مجھے ایک ورنیکلر اخبار میں یہ پڑھکر سخت حیرت ہوئی۔ کہ "ریاست حیدرآباد میں گائے کی تصاویر کی ممانعت ہے" ہر شخص کو علم ہے کہ یہ بات حقیقت سے کتنی بعید ہے۔ ایک ہندوستانی کے لئے بہترین خدمت یہ ہے۔ کہ وہ اس وسیع ملک کی مختلف اقوام کے درمیان اختلاف کی خلیج کو دور کرنے کے لئے مساعی عمل میں لائے۔ اور اس قسم کا اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ کہ ملک کے تمام باشندے ایک دوسرے کو بھائی سمجھیں اور اپنے مشترکہ وطن کی تہذیب و ترقی کے لئے متحدہ طور پر سرگرم عمل ہوں۔

بلاشبہ مؤرخین اور صحیفہ نگار حضرات کا اس تشتت و افتراق میں بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اگر یہ لوگ سر اکبر حیدری ایسے تجربہ کار بزرگ کے مشورہ پر عمل پیرا ہوں۔ تو ملک کو بیشقدر فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اے کاش خدا ہمیں تدبر و تفکر اور غور و تعمق کی توفیق عطا کرتا۔

بیسویں صدی عیسوی میں کچھ عجیب عجیب واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ اور ایسی ایسی باتیں سنی جاتی ہیں۔ جنہیں عقل تسلیم نہیں کر سکتی۔ مردوں کا عورتیں بن جانا اور عورتوں کا مرد بن جانا بالکل انوکھی اور نرالی باتیں ہیں۔ پچھلے دنوں سنا گیا تھا۔ کہ خالصہ کالج امرتسر کے ایک طالب علم کی جنسیت تبدیل ہوگئی اور وہ لڑکی بن گیا۔ اور میو ہسپتال لاہور میں زیر علاج ہے۔ مگر تحقیقات پر اس کا کوئی ثبوت نہ مل سکا۔ اب سنا گیا ہے۔ کہ بھوپال کے ایک نوجوان مسٹر فریدہ یورپ سے تکمیل علوم کے بعد واپس آئے تو کچھ دنوں بعد لیکایک ان کے

اعضاء میں خاص قسم کی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ اور خصوصیات رجولیت میں بتدریج کمی ہوتے ہوتے وہ ایک مہذب خاتون بن گئی۔ اس قسم کی تبدیلیوں کا ذکر اس سے قبل تو کبھی سننے میں نہ آیا تھا۔ اس زمانہ میں یہ واقعات رونما ہونے لگے ہیں۔ تو ڈاکٹر بھی اسے قرین قیاس قرار دینے لگے ہیں۔ العجب ثم العجب۔

تازہ خبر ہے۔ کہ دہلی میں ایک لڑکی کو جس کی عمر میونسپل ریکارڈ میں سات برس درج ہے ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ معائنہ سے معلوم ہوا ہے۔ کہ اس کو کبھی حیض نہیں آیا۔ ڈاکٹر اس کرشمۂ قدرت پر ورطۂ حیرت میں ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے غالباً یہ پہلا واقعہ ہے۔ کہ سات سالہ لڑکی کو بچہ پیدا ہوا ہو۔ اگر یہ صحیح ہے۔ اور اس خبر میں کچھ صداقت ہے۔ تو یقین کرنا چاہیئے۔ کہ دنیا یکسر تبدیل ہو جانے والی ہے۔ اور موجودہ نظام میں ایک حیرت انگیز انقلاب رونما ہو کر رہے گا۔ خدا فضل کرے۔

مسلم رعایائے الور عجب ہیجان و اضطراب میں ہے۔ صورت حالات اسقدر نازک ہو گئی ہے۔ کہ وہ لوگ سخت خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ سید غلام بھیک صاحب نیرنگ کی اپیل پر سید مظہر حسین صاحب وکیل انبالہ مسلم مظلومین الور کی امداد کیلئے وہاں گئے۔ اور وہاں کے اندوہناک حالات کے متعلق آپ نے روزنامہ "انقلاب" کو ۲۴ر جولائی کو تار دیا کہ

"مسلمان جمعہ کی نماز میں شریک ہونے کیلئے جارہے تھے۔ کہ پولیس نے ان پر لاٹھی چارج کر دیا۔ بعض مکانات کی تلاشیاں لی گئیں۔ اور اکثر مسلمانوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ پولیس نے اکثر مسلمانوں کو نماز میں شریک نہیں ہونے دیا۔ ان پر بے حد سختیاں ہو رہی ہیں۔ اور انہیں ہر طرح سے ذلیل و خوار کیا جارہا ہے۔ وہ ریاست کے علاقہ سے نکلکر سرکاری علاقہ میں آرہے ہیں۔ اور مسلمانوں سے درخواست کر رہے ہیں۔ کہ وہ ان کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں"

معلوم نہیں کونسے ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں۔ جن پر قابو نہیں پایا جاسکتا۔ اور تشدد کے اوچھے ہتھیاروں پر اتر آنے کیلئے تیاریاں کر لی جاتی ہیں۔ کشمیر میں کیا کچھ نہ ہوا۔ حاکم و محکوم میں کسقدر بدگمانیاں اور بے اعتمادیاں پیدا ہونے کے علاوہ کسقدر نقصان جان و مال ہوا۔ عواقب و نتائج دیکھتے ہوئے اب الور میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کر دیا گیا ہے۔ اور یہاں بھی نوبت بایں جا رسید کہ رعیت ہجرت پر مجبور ہو رہی ہے۔ اور اپنے آبائی وطن اور گھروں کو چھوڑ کر سرکاری علاقوں کو چلی آرہی ہے۔ کیا والئے الور ان حالات پر قابو نہیں پاسکتے۔ اور امن و امان کی کوئی صورت پیدا نہیں کی جاسکتی؟ راعی رعیت کے امن و آسائش کا اجارہ دار ہے۔ جنبہ داری اور تعصب کی آلائشوں سے راعی کی شان بلند و بالا ہے۔ اسکا فرض ہے کہ وہ ہر حالت میں انصاف و رواداری کو ہاتھ سے نہ دے۔ کیا والئے الور تدبر و تفکر سے کام لیکر مظلومین کی دادرسی کریں گے؟

تیس لاکھ سکھوں کی جماعت سات کروڑ مسلمانوں کے حقوق غصب کرنے کیلئے خون کی ندیاں بہا دینے کی دھمکی دے رہی ہے اور انصاف و رواداری کو پس پشت رکھتی ہوئی چاہتی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کو بالکل مٹا دیا جائے۔ بحالیکہ وہ خوب جانتی ہے

کہ مسلمان بھی حق و انصاف کیلئے مرنا جانتے ہیں۔ اور ان کی گیدڑ بھبکیوں کے خوف سے اپنے حقوق دل دماغ سے کبھو دینے کیلئے تیار نہیں ہو سکتے۔ بلا شبہ تیس لاکھ کی یہ جماعت پندرہ کروڑ ہندوؤں کے بل بوتے پر رقص کرتی ہوئی خوفناک دھمکیوں سے مسلمانوں کو مرعوب کرنا چاہتی ہے۔ لیکن اسے یاد رہنا چاہیئے۔ کہ وہ اس طریق سے اس میدان میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ معاملہ حقوق کا ہے اور کوئی ایک بھی اپنے حقوق سے کسی رعب و تخویف سے دستکش نہیں ہو سکتا۔ تمہیں اگر وطن سے محبت ہے۔ حقوق لینا چاہتے ہو۔ اور ہندوستان کو گہوارۂ امن بنانے کی تمنا ہے۔ تو کسی کی اکثریت اور حقوق پر ہاتھ صاف کرنے کی بجائے اپنے جائز مطالبات کی خواہش کرو۔ اور اسی پر قناعت کرو۔ اپنی حیثیت سے تجاوز اور اپنی بساط سے قدم بڑھانا ناکامی و نامرادی کی دلیل ہے۔

اس گلستاں میں نہیں حد سے گذرنا اچھا
ناز بھی کر تو باندازۂ رعنائی کر

مقامی میونسپلٹی نو آبادیات کے رہنے والوں کو انسان نہیں سمجھتی۔ ان سے ٹیکس وصول کرتی ہے۔ بلا اجازت تعمیر شدہ مکانات کو منہدم کرنے کا حکم دیتی ہے۔ اور تھڑے و چھجے گرا دینے کیلئے مصر ہوتی ہے۔ لیکن ان کی تکالیف ان کے مصائب ان کی پریشانیوں پر توجہ دینا خلاف تہذیب سمجھتی ہے۔ باشندگان نو آبادیات چیختے ہیں۔ چلاتے ہیں مگر وہ ہے کہ کانوں میں روئی ٹھونس کر بے حس و حرکت پڑی ہے۔ اب جبکہ موسم برسات نے نو آبادیات کو جھیلوں کا نقشہ بنا دیا ہے۔ کیچڑ سے راستے بند ہو گئے ہیں۔ ملیریا اور دیگر مختلف النوع عوارض نے ان بستیوں کو اپنا آماجگاہ بنا رکھا ہے۔ اور لوگ گوناگوں مشکلات میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ بازار و کوچے اور گندے پانی کے نکاس کیلئے نالیاں تعمیر کر کے ان بدنصیبوں کی مصیبتوں کو دور کرنا چاہئے تھا۔ الٹا ان سے مذاق کیا جا رہا ہے۔ اور میونسپلٹی کے صدر سردار سنتو کھ سنگھ کی موز و نئے طبع تو حد سے سوا ہو گئی ہے۔ آپ نے اپنی چٹھی نمبری E/3781 کے ذریعہ پبلک ویلفیئر سوسائٹی "شریف گنج" کے سکرٹری کو اطلاع دی۔ کہ "کل ۸ بجے صبح میں میونسپل انجینئر کی معیت میں وہاں آؤنگا۔ آپ انتظار کریں" چنانچہ صبح ساڑھے سات بجے کے قریب معززین آبادی کی ایک جماعت جو ستر اسی نفوس پر مشتمل تھی۔ لب سڑک پہنچ گئی۔ کامل ایک گھنٹہ انتظار کی زحمت برداشت کی گئی۔ لیکن جناب صدر کی ہوا تک بھی ادہر سے نہ گذری۔ آپ غلط اور جھوٹے وعدہ سے شرفاء معززین آبادی کی تکلیف و توہین کا موجب ہوئے۔ ان کے وقت کی قدر نہ کی۔ ان کے جذبات کو ٹھیس لگائی جس سے منتظرین کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ اور انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے ایک جلسہ کی شکل میں قرار دیا۔ کہ سردار سنتو کھ سنگھ صاحب کی یہ حرکت کسی طرح مستحسن قرار نہیں دی جا سکتی لہذا انہیں اطلاع دی جائے۔ کہ آپ کے رویہ پر اہالیان شریف گنج و ملحقات رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے یہ ظاہر کرنے پر مجبور ہیں۔ کہ آئندہ آپ کے کسی وعدہ کا وہ اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ تجویز ہوا کہ اس کارروائی کی اطلاع صاحب کمشنر اگزیکٹو آفیسر اور دیگر اعلیٰ افسران کو دی جائے۔

زرداروں کی پریشانیاں

ہمٹی کے نیشنل کا مشہور مالک التجار راک فیلر کہتا ہے۔ کہ "میں اپنی دولت کا تخمینہ نہیں کرسکتا۔ مجھے بتایا جاتا ہے۔ کہ اسکی تعداد پانچ کروڑ پاؤنڈ سے زائد ہے۔ لیکن میں ساری دولت سے دستبردار ہونے کیلئے طیار ہوں۔ بشرطیکہ مجھے آرام سے کھانا کھانا نصیب ہو سکے"

راک فیلر اسوقت عمر کی پچاسی منزلیں طے کرچکا ہے۔ لیکن وہ مدت سے شدید سوءِ ہضم کا شکار ہے۔ اس نے بہت سے علاج کئے۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ سوءِ ہضم کے باعث وہ کوئی اچھی غذا نہیں کھا سکتا۔ اور صرف بسکٹوں اور چھاچھ پر جیتا ہے۔

وہ علی الصبح چھاچھ پیتا ہے۔ اور دن بھر سوائے بسکٹوں اور چھاچھ کے کچھ کھا پی نہیں سکتا۔ اور اس کی بے اندازہ دولت اس کے لئے ایسی غذا کا سامان بھی نہیں کرسکتی۔ جیسی کہ اس کے ہزاروں ملازمین روزانہ کھاتے ہیں۔ بعض اوقات وہ آلو۔ گوبھی اور گائے کا گوشت کھانے کیلئے بہت مضطرب ہو جاتا ہے۔ مگر صحت کے لئے اسے اپنی ان تمام خواہشات کو قابو میں رکھنا پڑتا ہے۔ دنیا میں اسوقت جو طبیب امراض معدہ کے علاج کا سب سے بڑا ماہر ہے۔ اس نے بھی راک فیلر کے علاج کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔

دنیا کا دولتمند ترین آدمی ہنری فورڈ ہے جو فورڈ نامی موٹروں کے کارخانے کا مالک ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مدت سے اچھی غذائیں ترک کرچکا ہے۔ اور اب سادہ خوراک کھاتا ہے۔ ڈاکٹر ہر وقت اس کی نگرانی کرتے ہیں۔ تاکہ وہ کسی موقع پر خورد و نوش کے مقررہ دستور سے تجاوز نہ کرے۔

ایک اور بڑا دولت مند آدمی پیرپانٹ مارگن ہے اس کی غذا بھی بہت معمولی ہے۔ وہ دس بجے معمولی ناشتہ کرکے اپنے دفتر میں پہنچ جاتا ہے۔ دوپہر کے وقت اتنا معمولی کھانا کھاتا ہے۔ کہ عام آدمی بھی اس کھانے پر ناک بھوں چڑھائے اور شام کے ساڑھے پانچ بجے تک مسلسل کام کرتا رہتا ہے۔

اس کے باپ نے آخری عمر میں کئی سال تک ہر غذا ترک کردی تھی۔ اور ایک خاص قسم کا معمولی سا کھانا اس کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ اسی پر اس کی گذر اوقات تھی۔

اس غریب کی ساری عمر بدنی تکلیفوں میں بسر ہوئی۔ عام غذاؤں میں سے کوئی چیز بھی وہ کھا نہیں سکتا تھا۔ اسلئے کہ اس کے معدہ میں ایک خاص قسم کی تکلیف تھی۔ وہ اپنی صحت سے بھی مایوس ہوچکا تھا۔ تاہم آخر دم تک کام کرتا رہا۔

یہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ بہ افراط دولت موجود ہے۔ جس سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔ لیکن اونٹے درجے کے آرام

کی زندگی بھی بسر نہیں کی جاسکتی۔

جوزف بوگیانی ایک مشہور اطالوی کروڑپتی تھا۔ جو افلاس کی حالت میں اپنے وطن کو ترک کر کے امریکہ چلا گیا تھا۔ وہاں وہ کچھ مدت کے بعد بہت بڑا دولتمند بن گیا۔ آخرکار اس نے ایک جھیل کے کنارے ایک درخت سے پھانسی لے لی۔ خودکشی سے پیشتر ہی اس نے لکھا۔

"میں خودکشی کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ تنہائی اور تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا۔ نیویارک میں ایک معمولی مزدور تھا۔ تو مجھے حقیقی خوشی حاصل تھی۔ آج کروڑوں روپوؤں کا مالک ہوں۔ لیکن بے انتہا افسردہ خاطر ہوں۔ اور موت کو اس زندگی پر ترجیح دیتا ہوں"

کہا جاتا ہے۔ کہ بوگیانی کو ایک لڑکی سے محبت تھی۔ جس نے دوسرے شخص سے شادی کر لی۔ اور یہی واقعہ بوگیانی کی موت کا باعث بنا۔

قریش کی نمائندہ جماعت

ندوۃ القریش کے مقاصد

(۱) تبلیغ و اشاعت اسلام
(۲) انسداد رسومات قبیحہ
(۳) تعلیمی۔ معاشرتی۔ اقتصادی اور زراعتی ترقی کے وسائل پر عمل
(۴) اتحاد و یگانگت، اخوت و مروت، صلہ رحمی و ایثار، استقلال و ثبات، حسن اخلاق،
(۵) احسان۔ ہمدردی و رواداری کی خو پیدا کرنا۔
(۶) اعمال حسنہ سے روابط و ضوابط باہمی مستحکم استوار کرنا
(۷) قومی تنظیم
(۸) غیر مستطیع مستحقین کی مناسب امداد و اعانت

چندہ داخلہ عمر، چندہ ممبری سالانہ عہ پیشگی یکمشت

افسانہ

جادوگر

(از جناب ایس - ایم - ایف - آر طوفان صدیقی خانپوری)

احمد کی آنکھ رات کے وقت ایک روز جو کھلی۔ تو اس نے ایک ماہ رو حسینہ کو سرہانے پر کھڑا پایا۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

نہائت محبت امتانت اسنجیدگی اور ہمدردی سے بھری ہوئی آواز میں بولا "آپ کون ہیں۔ کہاں کی رہنے والی ہیں اور یہاں کیوں رہنے والی ہیں۔ اور یہاں کیوں تشریف لائی ہیں"؟

یہ الفاظ کہتے ہوئے احمد نے اپنی نگاہیں اس عورت کے حسین چہرے پر ڈالیں۔ اس کے قدرتی سرخ ہونٹ —— نیلی نیلی آنکھیں —— تلوار کی طرح ابرو —— موتیوں کی طرح دانت —— یہی معلوم ہوتا تھا کہ کوئی حور جنت سے اتر آئی ہے۔ اس کا چہرہ گیسوؤں میں اسطرح نظر آتا تھا جس طرح آسمان پر سیاہ بادل چھایا ہوا ہو۔ اور اس کے درمیان تھوڑی سی خالی جگہ میں نور سے بھرا ہوا چاند جلوہ افروز ہو۔ —— آہ اس کی صورت احمد کا دل لئے بغیر نہ رہی۔ وہ اس کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے اپنے سوال کے جواب کا منتظر تھا۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ عورت بولی:-

"میرا نام کلثوم ہے۔ میں یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے جھونپڑی میں اپنے بھائی کے ساتھ رہتی ہوں میں یہاں کیوں آئی ہوں۔ یہ آپ کو بتاتی ہوں"۔

اس کے چہرے سے عیاں تھا کہ اس کا دل کسی خوف اور رنج میں گھرا ہوا ہے۔ اور اس پر کوئی ناگہانی مصیبت نازل ہوئی ہے۔

وہ باچشم تر اپنے پُر درد حالات احمد کے سامنے یوں بیان کرنے لگی:-

"میں ابھی چھوٹی بچی ہی تھی۔ کہ میرے والدین نے شہر کا مکان بیچ ڈالا۔ اور اپنی زمین کو جو جنگل میں تھی۔ آباد کرنے کے لئے وہاں ایک جھونپڑی بنالی۔ اور وہیں مستقل طور پر آباد ہو گئے

میں جب بارہ برس کی ہوگئی۔ تو ایک دن یہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ" ——————

کلثوم زور زور سے رونے لگی۔ آہ اس کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ احمد کی آنکھیں بھی اس کو دیکھکر اشک آلود ہوگئیں۔ کچھ دیر بعد وہ بولی۔

اس دن میرا باپ شہر میں کسی ضروری کام کیلئے آیا ہوا تھا ——— چونکہ بارش موسلادھار برس رہی تھی ——— رستہ خطرناک تھا۔ اس لئے اسکا آنا مشکل تھا۔ مجبوراً میرا والد رات کو شہر میں ہی ٹھہرا۔ میری ماں کے سر کو کچھ درد سا تھا۔ ہم پانی پینے کے لئے ایک چشمے پر جایا کرتے تھے۔ جو ہماری جھونپڑی کے قریب ہی تھا ——— میری والدہ نے آدھی رات ہو گئی۔ کہ پانی مانگا۔

مَیں جلدی جلدی اٹھی اور پانی لینے کیلئے لوٹا لیکر بارش میں ہی اس چشمے پر گئی۔ کبھی کبھی بجلی چمکتی تھی ——— دل کانپ جاتا تھا۔ آہ وہ کسقدر ڈراؤنی رات تھی ——— اس رات کے تصوّر سے کلیجہ ہل جاتا ہے!

کلثوم خاموش ہو گئی۔ یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ اسے سکتہ ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد کہنے لگی:۔

وہاں تو وہ اسقدر ڈراؤنی رات تھی۔ کہ کلیجہ کانپ جاتا تھا!

جب مَیں پانی کا لوٹا بھر چکی ——— تو ——— میرے کانوں میں ایک دردناک چیخ کی آواز پہنچی ——— یہ میری ماں کی آخری آواز تھی ——— مَیں دوڑی دوڑی جھونپڑی میں پہنچی۔ میں اور میرا بھائی رات کو اکٹھے سوتے تھے۔ اس لئے جب میں اٹھی تھی۔ تو وہ بھی بیدار ہو گیا تھا ——— آہ میری والدہ کی روح قفسِ عنصری سے میرے پہنچنے سے پہلے ہی پرواز کر چکی تھی ——— نہائیت عجیب موت پیش آئی۔

جب میں جھونپڑی میں پہنچی۔ تو میں نے اپنے بھائی کو روتے ہوئے دیکھ کر پوچھا ——— کیا ہوا اور چیخ کیسی سنائی دی تھی۔

وہ کہنے لگا:۔

"جب تم باہر نکلی تھیں۔ اسوقت جھونپڑی کے چھت سے ایک خوفناک آواز پیدا ہوئی۔ اور اس کے ساتھ چھت سے دھواں نکلنا شروع ہو گیا۔ جو یکایک اماں جان کے نزدیک آ پہنچا ——— اور اسمیں سے ایک سیاہ فام سانپ نمودار ہوا۔ جس نے میری والدہ کو ماتھے پر ڈس لیا۔ والدہ نے ایک چیخ ماری ——— اور ——— اس کے ساتھ اس کی جان نکل گئی۔

——— پھر فوراً وہ سانپ اس دھوئیں میں غائب ہو گیا ——— دھواں اوپر اٹھنا شروع ہوا۔ اور یکایک چھت سے جا کر مل گیا۔ اور چھت سے یہ آواز پیدا ہوئی۔

"اگلے سال پھر"

آہ! ڈراونے الفاظ میرے کانوں میں ابھی تک گونج رہے ہیں۔ میرے بھائی نے کہا ——— اور اس دھوئیں اور اس سانپ کی تصویر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے ہے"۔

یہ میرے بھائی کا وہ بیان تھا۔ جو اس نے بچشم خود دیکھا تھا۔

صبح جب میرا والد بارش ختم ہونے کے بعد پہنچا۔ تو ہمیں روتے دیکھکر بڑی محبت سے بولا۔ جیسے کہ اس کی عادت تھی:۔

"بیٹی کیا ہوا۔ کیوں روتی ہو"
میں نے رات والا واقعہ سنا دیا۔
میرے والد کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔
وہ کچھ دیر بعد بیلچہ اور کدال لے کر قبر کھودنے چلا گیا۔ اور میں نے اتنی دیر میں کفن وغیرہ تیار کیا۔ قدرت سے دو بھولے ہوئے مسافر وہاں آ گئے۔

غسل کے بعد میرے والد بھائی اور ان مسافروں نے ملکر نماز جنازہ ادا کی۔ اور نعش دفن کر چکنے کے بعد میرا بھائی اور والد گھر آ گئے۔ اور ان مسافروں کو رستے پر لگا دیا ——— اس دن سے پورے ایک سال کے بعد کا واقعہ ہے کہ:۔
"میرا والد اسی چارپائی پر سو رہا تھا۔ جس پر میری والدہ سویا کرتی تھی ——— عین اسی جگہ چارپائی پڑی تھی جہاں ایک سال پہلے تھی۔ وہی آدھی رات کا وقت ہو گا۔ کہ وہی ڈراؤنی آواز چھت سے پیدا ہوئی۔ جسکو سنکر میں اور میرا بھائی بیدار ہو گئے۔
ہمارے بیدار ہونے تک وہ دھواں میرے والد کے سر تک پہنچ چکا تھا۔ عین اسی طرح کا سانپ دھوئیں سے نمودار ہوا اور میرے والد کو اسی جگہ پر کاٹا جہاں اس دن سے ایک سال پہلے میری والدہ کو کاٹا تھا۔
سانپ اسی طرح اس دھوئیں میں غائب ہو گیا۔ اور چھت کے ساتھ دھوئیں کے پہنچنے پر وہی آواز

"اگلے سال پھر"

سنائی گئی۔
ہم نے ان کی تجہیز و تکفین کی۔ اور چند دن رو دھو کر قدرت کے کئے پر صابر و شاکر ہو گئے۔ آج اس واقعہ کو پورا ایک سال ہو گیا ہے ہم یعنی میں اور میرا بھائی دونوں باہر سوئے تھے۔
میں چونکہ جانتی تھی۔ کہ آج پھر وہی واقعہ پیش آنے والا ہے۔ اس لئے نہ تو خود سوئی نہ اپنے بھائی کو سونے دیا۔
جس کے دل میں درد ہو رنج ہو یا خوف اسے کب نیند آتی ہے۔ تمام وقت اختر شماری میں گذرا۔ شہر کی گھڑی نے بارہ بجائے ——— اور میرے کان اس آواز کو سننے کے لئے زیادہ تیار ہو گئے۔
یکایک وہ خوفناک آواز ہماری جھونپڑی کے چھت سے سنائی دی جس آواز کو اس سے پہلے دو بار سن چکے تھے۔ اس آواز کا سنائی دینا ہمارے لئے موت کا پیغام تھا۔ مگر قدرت نے امداد کی اور ہم بھاگ پڑے۔ چونکہ آج چاندنی بہت اچھی تھی۔ اسلئے ہم بخیریت چلے آئے۔
جب شہر کے قریب پہنچے۔ تو بڑے راستے کو چھوڑ کر ایک پگڈنڈی کو پکڑ لیا۔ جس نے ہمیں آپ کے باغ میں پہنچا دیا۔ میرا بھائی اس سرو کے درخت کے پیچھے کھڑا ہے۔ مجھے جب آپ کی چارپائی نظر آئی۔ تو میں نے چاہا کہ آپ سے امداد مانگوں۔ مگر میں نے آپ کو جگانا

اورآرام میں خلل انداز ہونا مناسب نہ سمجھا۔ کچھ دیر میں یہاں ہی کھڑی رہی۔ اتنے میں آپ خود ہی بیدار ہو گئے۔ میرے باعث آپ کو جو تکلیف ہوئی ہے۔ اس کے لئے میں معافی مانگتی ہوں۔ اب درخواست ہے کہ ہمیں اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیجئے۔

احمد نے کہا۔ "آپ کے بھائی کا اسم مبارک کیا ہے؟"

"رحیم" کلثوم نے کہا۔

احمد۔ بھائی رحیم! میرے پاس آجاؤ۔

وہ پہنچ گیا۔ اور احمد نے دو چارپائیاں اور بستر اور نکالے انہیں بچھا کر دیئے اور سو گیا۔ وہ دونوں بھائی بہن چونکہ تھکے ہوئے تھے۔ اس لئے نیند نے ان پر جلد ہی اپنا سکہ آن بٹھایا۔

چشم کے کاشانہ میں مہمان آیا نیند کا
قافلہ منزل پہ یا ذی شان آیا نیند کا

(باقی پھر)

قوم کا پیغام فرزندانِ قریش کے نام

فرزندانِ قوم ؛ بہی خواہان القریش ذیل کے پیغام کو جو ریزولیوشن کی صورت میں پیش کیا تھا۔ بغور مطالعہ کریں اور اگر کچھ دل میں درد اور حمیّت موجود ہے تو اس پر فراخ دلی کے ساتھ عمل کیلئے تیار ہو جائیں۔ کہ فلاح و ارتقائے قومی کا راز اسی میں مضمر ہے۔

صوبہ دہلی، یوپی اور صوبہ پنجاب کے ۱۲ اضلاع کے قریشی نمائندگان کی موجودگی میں ۲۹ جون ۱۹۳۰ء کو ندوۃ القریش کے افتتاحی اجلاس میں ذیل کا رزولیوشن متفقہ طور پر منظور ہوا۔ اور "القریش" کی خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے زرِ نقد کی تھیلی پیش کی گئی۔ (ایڈیٹر)

"ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس مولانا محمد علی صاحب رونق و مدیر القریش کی ۱۶ سالہ مساعی کو عموماً اور گذشتہ اڑھائی سالہ خدمات جلیلہ کو جو انہوں نے مراسیت کے ادعائے قرشیت کی بطلان و تکذیب سے متعلقہ مواد تاریخی کی اشاعت میں بوجہ احسن انجام دی ہیں خصوصاً قدر و منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا تجویز کرتا ہے۔ کہ اظہار تشکر کے طور پر آپ کی خدمت میں قوم کی طرف سے کم از کم **ایک سو ایک** اور زیادہ سے زیادہ **پانسو** روپیہ کی تھیلی پیش کی جائے۔ و نیز یہ اجلاس برادرانِ قریش سے اپیل کرتا ہے۔ کہ وہ "القریش" ایسے مفید ترین قومی آرگن کی امداد و اعانت کے علاوہ اس کی توسیع اشاعت میں پوری سعی و کوشش سے حصہ لیں۔

حکایات

ایک ماہی گیر ایک مچھلی پکڑ کر بطور تحفہ بادشاہ کے پاس لے آیا۔ بادشاہ نے اسے چار ہزار درہم انعام دیئے۔ کچھ دیر کے بعد بادشاہ سے بیگم نے کہا۔ کہ تم نے اسراف کیا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا۔ کہ اب کیا کروں۔ بیگم نے جواب دیا۔ کہ جا کر ماہی گیر سے پوچھیئے۔ کہ یہ مچھلی نر ہے یا کہ مادہ۔ اگر وہ کہے کہ نر ہے تو تم کہنا کہ مجھے مادہ چاہیئے۔ اگر وہ کہے کہ مادہ ہے تو تم کہنا کہ مجھے نر چاہیئے۔ چنانچہ باہر آ کر بادشاہ نے ماہی گیر سے سوال کیا۔ کہ یہ مچھلی نر ہے یا کہ مادہ۔ ماہی گیر سمجھ گیا۔ فوراً جواب دیا۔ "انہا خنثیٰ لا ذکر' اُنثیٰ" بادشاہ یہ جواب سنکر ہنس پڑا۔ اور چار ہزار درہم اسے اور بخش دیئے۔

ایک دن عرفی۔ فیضی کی ملاقات کو گیا۔ فیضی کو کتوں کا بہت شوق تھا۔ اور ہر وقت چند کتے اس کے گرد و پیش بیٹھے رہتے تھے جیسے کہ ہندوستان کی رسم اعظم ہے۔

فیضی نے ایک کتے کو "بیٹا" کر کے خطاب کیا عرفی نے کہا۔ کہ "اس صاحبزادہ کا کیا نام ہے۔ فیضی نے کہا۔ کہ کتے کا کیا نام ہوگا یہ تو عرفی ہے۔ عرفی نے کہا مبارک باشد (فیضی کے باپ کا نام مبارک تھا)

حجاج بن یوسف کی عادت تھی کہ قاریوں سے قرآن کریم کے متعلق ہمیشہ مزاح کے طور پر سوال کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ حافظ صاحب سے پوچھا۔ کہ حافظ صاحب قرآن کریم کی عبارت "اَنَّکَ مِن اَصحاب النّار" سے آگے کی عبارت پڑھیئے۔ حافظ صاحب نے فوراً جواب دیا۔ تمتع بکفرک قلیلاً حجاج شرمندگی کے مارے پانی پانی ہو گیا۔

کہتے ہیں۔ کہ خواجہ آصفی اپنے اشعار میں لفظ سگ بہت لاتے تھے۔ اور شیخ کمال لفظ دلبند۔ ایک شخص نے ایکدن کہا۔ کہ میں نے خواجہ آصفی اور شیخ کمال کے دیوانوں کو یکجا جمع کرایا ہے۔ ایک ظریف موجود تھا اس نے کہا تم نے ستم کیا۔ جلد از جلد ان دیوانوں کو علیحدہ علیحدہ کر دو۔ ورنہ خواجہ آصفی کے کتے شیخ کمال کے دلبندوں پر حملہ کر دیں گے۔

ایکدفعہ ایک شخص نے کہا۔ کہ حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ دربار کے کنارے بیٹھے ہوئے اپنے ایک کپڑے کو جس پر کچھ نجاست لگی ہوئی تھی بڑی کوشش کے ساتھ دھو رہے ہیں اور اسے کئی کئی بار پاک کر رہے ہیں۔ اس شخص نے عرض کی۔ کہ آپ تو فرمایا کرتے ہیں۔ کپڑا معمولی اور تین دفعہ دھونے سے پاک ہو جایا کرتا ہے۔ اب آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ نے بجواب سائل ارشاد فرمایا۔ کہ آں فتویٰ بود ایں تقویٰ است۔

متفرقات

حیدرآباد میں میلادالنبیؐ

۱۸ جولائی کو شہر حیدرآباد کے اہم مراکز میں میلادالنبی کی تقریب نہائیت جوش عقیدت کے ساتھ منائی گئی۔ مصطفےٰ بازار میں بالخصوص بہت سرگرمی کا اظہار کیا۔ یہاں تاجروں نے ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا۔ حاجی نواب سر نظامت جنگ بہادر سابق پولیٹیکل ممبر نظام گورنمنٹ صدر تھے۔ موسم ناموافق ہونے کے باوجود لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ اعلحضرت حضور نظام بہ نفس نفیس اس جلسہ میں موجود تھے۔

وطنی مصنوعات اور حضور نظام

انڈسٹریز انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح فرماتے ہوئے جہاں پناہ نے فرمایا "میں اس انسٹیٹیوٹ کو دو وجوہات کی بناء پر خوش آمدید کہتا ہوں۔ اول یہ کہ اس سے دیہاتی صنعت و حرفت میں ترقی ہوگی مثلاً کشیدہ کاری۔ سوزن کاری، دری سازی وغیرہ اور دوسرے یہ کہ اس سے جولاہوں کے کام کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اور مشینوں کا کام کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ دولتمند اصحاب میری طرح سودیشی خریدنے لگیں۔ تو اسطرح ریاست اندرونی اور بیرونی مقابلہ میں بڑھ جائے گی۔ میں نے دیکھا ہے کہ تمام ممالک کے لوگ ملکی اشیاء کو خریدنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ خواہ وہ درآمد اشیاء سے ناقص ہوں۔ مجھے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ کہ میری ریاست کیوں اس قسم کی ہمہ گیر دنیوی خواہش میں شریک نہ ہوئی۔ اپنی پیاری رعیت کی توجہ اس طرف دلاتا ہوں۔ نیز میں تجارتی محکمہ کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ ریاست کی اس قسم کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے خاطر خواہ انتظام کریں جبکہ میں خود ایسی کوشش کرتا ہوں۔ کہ ریاست کی بنی ہوئی چیز استعمال کروں۔ نیز میں یہ کہتا ہوں۔ کہ میرے تمام محلوں میں گومکدہ سوپ استعمال کیا جارہا ہے۔ اور ہم نے اسے مفید اور اچھا پایا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میری رعیّت میرے اس فعل سے تقلید کریگی۔ وہ مجھ سے اور میرے ملک سے کافی محبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہیں میری مثال کی تقلید کرنے کیلئے زیادہ انگیخت کی ضرورت نہیں۔ مجھے شک نہیں کہ میری حکومت ملک میں بہترین اشیا پیدا کرنے کی کوشش کریگی۔ نیز باشندے ان کے استعمال سے تجارت کی حوصلہ افزائی کریں گے میں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ میں ڈائرکٹر جنرل آف انڈسٹریز کی درخواست سے اتفاق کرتا ہوا انسٹیٹیوٹ کا افتتاح کرتا ہوں۔ اور ہر طرح اسکی کامیابی کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ عالم پناہ وطنی مصنوعات سے کسقدر محبت ہے۔

عدیم النظیر کتب خانہ

حیدرآباد دکن میں قدیم شاہان بیجاپور کے زمانہ کا ایک کتب خانہ اور بعض دیگر عجائبات خاندان وزارت بیجاپور کے آخری بزرگ کے قبضہ میں ہیں۔ عرصہ ہوا کہ ایک امریکن قدردان اس خزانہ نادرہ کو دس لاکھ روپے میں لینا چاہتا تھا لیکن موجودہ مالک پچاس لاکھ روپے کا مطالبہ کرتا تھا۔ اس کتب خانہ میں حیرت انگیز علوم و فنون کا مجموعہ ہے۔ ایک کتاب بتاتی ہے کہ جس رنگ کی چاہو روئی پیدا کرلو۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر اسکا تجربہ کیا جائے۔ تو سوت کو رنگنے کی ضرورت ہی پیدا نہ ہوگی۔ یہ کتاب شیشہ سازی

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام

اَلنَّجَات

دُوسرا باب

اِعمال

(گذشتہ سے پیوستہ)

ہر ایک نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے عہد نبوّت میں جناب باری عزّ اسمہٗ کا ہمیشہ سے یہی منشا رہا ہے۔ کہ دنیا کے اندر امن قایم رہے اور لوگ باہم دنگہ و فساد و خونریزی نہ کریں۔ اور فسق و فجور سے بچکر آپس میں صالحانہ اور محبّانہ برتاؤ رکھیں۔ ایک شخص کسی دوسرے شخص کو نہ اپنی زبردستی سے ضرر نہ پہونچائے۔ اور نیز ہر ایک شخص جو کسی بھی حق کا حقدار ہے۔ وہ اپنے استحقاق کو آزادانہ اور بلا مزاحمت غیرے مالکانہ طور پر استعمال کرتا رہے۔

اسی واسطے وقتاً فوقتاً ضرورت زمانہ کے مطابق اعمال اور احکام منجانب اللہ صادر ہوتے رہے۔ اور انمیں سے بعض احکام تو مشیّت ایزدی نے علی الدّوام واجب التعمیل قرار دے رکھے تھے۔ اور بعض احکام کی تعمیل ہر نبی کی درخواست اور استدعا پر منسوخ و مروّج ہوتی رہی جیساکہ پہلے باب میں کسی موقع پر بطور تمثیل حلت و حرمتِ شراب کے متعلق لکھا جا چکا ہے۔ پس عہد نبوّتِ حضرتِ ختم المرسلین محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلم کے اندر ایسے قوانین اور اعمال کا ایک مستقل اور مکمل مجموعہ مہیّا ہو گیا۔

جو جو امور انسان کو فطرتاً اور عملاً کرنے یا نہ کرنے چاہئیں۔ وہ سبکے سب موجودہ اور آئندہ صورت اور موقعوں کو ملحوظ رکھکر قلمبند کر دیئے گئے۔ اور عوام کیلئے بدوں کسی تغیّر و تبدل کے واجب التعمیل قرار دیدیئے گئے ہیں۔ لہذا شریعت اسلام نے ان امور اور اعمال و احکام کو اوامر و نواحی کے الفاظ سے تعبیر کر دیا ہے۔ اوامر اور نواحی کی تعمیل کی جو پابندی ہر ایک مسلمان کیلئے لازمی قرار دیگئی ہے۔ اُسی کا نام فرض و واجب ہے۔ اور اسی فرض و واجب کی خلاف ورزی کا نام گناہ ہے۔

یہ گناہ دو قسم کا ہے۔ ایک تو متعلق بہ حقوق کہ جس کے دے دینے سے کسی حقدار کو اسکا حق دینا ضروری ہے۔ یا بصورت عدم ادائے اصل شئے متنازعہ فیہ و مستحق بجنسہٖ کے معاوضہ دلایا جانا اور اس معاوضہ کے ذریعہ سے تلافیٔ مافات کا کرایا جانا لازم ہے۔ پس اسے قانون دیوانی کہا جاتا ہے۔

اور دوسرا متعلق بہ زبردستی یکدگر کہ جس میں کسی حق تلفی کا تنازعہ نہیں ہوتا۔ پس شریعتِ غرّا نے بعض قیام امن عامہ و انصاف وعدل اپنی طرف سے سزا اور تہدید جابر کیلئے مقرر کر دی ہے۔ تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ لہذا اسے قانون فوجداری کہا جاتا ہے۔ اور تہدیدات اور سزا کو حدود اللہ کے نام سے نامزد کیا گیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خلاف ورزی مذکورہ بالا کی صورت میں ہر ایک مسلمان قابل مواخذہ ہے یا نہیں۔ سو یہ امر اسلامی تہذیب اور شان اسلام کے سراسر خلاف تھا۔ کہ سب کے سب لوگ قابل مواخذہ قرار دیئے جاتے۔ اور ان میں سے کوئی بھی مستثنےٰ کیا نہ جاتا پس اسلام نے اشخاص ذیل کو مواخذہ سے مستثنےٰ اور بری قرار دیدیا ہے۔

(۱) نابالغان۔

(۲) خاص خاص حالتوں میں مستورات

(۳) بعض اوقات بیمار اور دائم المریض

(۴) بعض بعض صورتوں میں مسافر

(۵) امر واقعہ کی غلط فہمی سے عمل کرنیوالا۔

(۶) سہو اور بھول سے کام کرنے والا

(۷) جس سے اتفاقاً بلا قصد و نیت کوئی عمل سرزد ہو۔

(۸) مجذوب جس کے قوائے دلی مختل ہوں۔

(۹) دیوانہ بحالت دیوانگی

(۱۰) بدمست بشرطیکہ اس نے خود بخود یہ حالت اختیار نہ کی ہو۔

(۱۱) جس سے کوئی دوسرا شخص بذریعہ جبر عمل کرائے۔

(۱۲) حفاظت خود اختیاری کی حالت میں جو عمل کیا جائے۔

(۱۳) بحالت اضطرار جو عمل کیا جائے۔ مگر اس میں بغاوت اور عادت شامل نہ ہو۔

ان اصناف میں سے بعض کیلئے قطعی معافی ہے اور بعض کے لئے اعادۂ اعمال ضروری ہے۔ اور حسب صورت موقعہ ہر قسم کے اعمال سے یہ استثنیات متعلق ہو سکتی ہیں۔ اوپر یہ بیان ہو چکا ہے کہ اعمال دو قسم کے ہیں۔ ایک بلحاظ حقوق (دیوانی) اور دوسرے بلحاظ تہدیدات (فوجداری) مگر یہ دونوں اقسام فیصلہ متنازعین کی جہت سے قائم کئے گئے ہیں۔ جو حق العباد سے متعلق ہیں دراصل اعمال کی یہ کوئی خاص اور معین و مستقل تقسیم نہیں ہے۔ بلکہ

اعمال کی تقسیم کئی ایک طرح سے ہو سکتی ہے۔ جو واقعی تقسیم کہلائے جانے کی مستحق ہے۔ مثلاً

(۱) بلحاظ حقیقت ۔ حق اللہ اور حق العباد۔

(۲) بلحاظ تعمیل۔ اوامر اور نواہی۔

(۳) بلحاظ صالحیت۔ صالح اور غیر صالح۔

(۴) بلحاظ جواز۔ جائز اور ناجائز

(۵) بلحاظ حلت و حرمت۔ حلال اور حرام

(۶) بلحاظ حُسن و قبح۔ محمود اور مذموم

(۷) بلحاظ ردّ و قبول۔ مردود اور مقبول

اگرچہ اعمال کی صورت تقسیم سات مختلف انواع مذکورہ سے بیان کی گئی ہے۔ مگر درحقیقت ان سب کا انجام اور مآل ایک ہی ہے۔ علاوہ ازیں ممکن ہے کہ بلحاظ اوصاف و خواص اور بھی انواع و اقسام قائم ہوسکیں۔ الّا ہر ایک قسم کیلئے دو ہی جہت ہونگی۔ اور مآل واحد۔

اب ان ساتوں اقسام مذبورہ کی تشریح بھی ضروری ہے۔ لہذا علی الترتیب حسب ذیل ہے :۔

(۱) حق اللہ وہ اعمال ہیں۔ جو ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے واجب العمل ہیں۔ اور انسان کیلئے انسان صورت اور اشرف المخلوقات ہونے کے شکریہ میں نہائت ہی خضوع و خشوع سے بلیلت خاطر جناب خالق اکبر کے حضور ادا کرنے چاہئیں۔ اگر بلا وجہ متوجہ انکی تعمیل کو ترک کر دیا جائے۔ تو محض ناشکری ہی نہیں۔ بلکہ کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اور اسلام نے اسکو ویسا ہی فرض قرار دیدیا ہے جیسے عقیدہ

پس جسطرح سے اسلام پر عقیدہ نہ رکھنے والا احاطۂ اسلام سے خارج ہے اسی طرح سے حق اللہ کی تعمیل بالعمد نہ کرنے والا شخص بھی بشرط انکار و تمرد اسلام سے خارج ہے اور امت محمدیہ کہلائے جانیکا مستحق نہیں، تاوقتیکہ تائب ہو کر پابند اعمال نہ ہو جائے

اور اعمال حق اللہ پانچ ہیں۔ کلمہ۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ

ان میں سے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو متعلق بعقیدہ ہے۔ جس کا مفصل ذکر پہلے باب میں آچکا ہے۔ اور مسلمان بننے کیلئے یہ پہلا اصل ہے۔ جس کی تعمیل ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔

اس کے بعد باقیماندہ چاروں حق اللہ میں سے نماز اور روزہ کی تعمیل بھی ہر ایک مسلمان کے لئے فرض ہے اور زکوٰۃ کی تعمیل صرف ان مسلمانوں کیلئے فرض قرار دیگئی ہے۔ جو صاحب نصاب ہیں۔

صاحب نصاب اسکو کہتے ہیں۔ جس کے پاس سالانہ اخراجات ضروریہ کے علاوہ ایک حد معیّن تک نقد و مال بلا استعمال خاتمہ سال پر بچ رہے۔ یعنی وہ ضروریات مایحتاج زندگی سے وافر اور زائد ہو۔

اگر اس کے متعلق زیادہ تشریح کی ضرورت ہو تو فقہائے اسلام کی کتابیں پڑھ لی جائیں۔ کہ جن میں مفصل قواعد مع ضابطہ صرف درج ہیں۔

میری سرگذشت

(نمبر ۱۵)

علاقہ جھالاواں کے قبائلی سرداروں اور متمول افراد میں غلام اور کنیز رکھنے کا رواج ہے۔ غلام مختلف اقوام میں مختلف ناموں سے نامزد کئے جاتے ہیں۔ مری اور بگٹی اقوام میں غلام کو "مراٹھا" کہا جاتا ہے۔ براہیوں میں "بانا"۔ لاسی قوم میں "گدرا یا گولا" اور دیگر اقوام اسے "غلام" اور "خانہ زاد" کہتی ہیں۔

بحیثیت مجموعی غلاموں اور کنیزوں سے بہت اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ وہ قانع اور رضامند رہتے ہیں۔ غلاموں سے عموماً خانگی کام کاج ہی لیا جاتا ہے۔ اور شاذ و نادر زراعت کے کام میں ان سے مدد لی جاتی ہے۔ کنیزوں یعنی لونڈیوں کی اولاد اپنے آقا کی ملکیت ہوتی ہے۔ بعض اوقات کنیز زادیوں کا نکاح معمولی طور پر احکام شریعت کے مطابق کر دیا جاتا ہے۔ مگر اکثر حالتوں میں کوئی رسوم ادا نہیں کی جاتیں۔ اور اولاد کی ولدیت عموماً غیر معلوم رہتی ہے۔

امیر گھرانوں میں غلام اور کنیز جہیز میں بطور جائداد منقولہ دیئے جاتے ہیں۔ "غلام" کا لفظ سنتے ہی اگرچہ یورپین اقوام کے سامنے ایک ایسے گروہ کی تصویر کھنچ جاتی ہے۔ جو زنجیروں میں جکڑا ہوا۔ غذا کی جگہ چابک کھا رہا ہو۔ اور مکان کے بدلے تہ خانہ میں محبوس ہو۔ لیکن مسلمانوں میں غلاموں کی حالت اس سے بالکل علیحدہ اور مختلف ہے۔ اور مشرقی ممالک میں غلاموں کی حالت یورپ کے خانگی ملازموں سے بھی بہتر ہے۔ اور وہ اس لئے کہ وہ مالک کے خاندان کا جزو سمجھے جاتے ہیں۔ اور اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق اعلیٰ درجہ پر بھی پہنچ سکتے ہیں۔ اس لئے اسلام میں لفظ غلام کے ساتھ کسی قسم کا خیال حقارت شامل نہیں۔ اور دنیا بھر کے تمام مذاہب میں سے صرف اسلام ہی غلاموں کی آزادی کا حامیٔ اعظم ہے۔ اہل یورپ مشرقی غلاموں کی رسم کے خلاف جسقدر شور و غل مچاتے ہیں۔ اہل مشرق اس میں ان کی نیّت خالص نہیں سمجھتے۔

سراوان اور جھالاوان کے علاقوں میں براہوی اور بلوچ اقوام کا قبائلی نظام میر نصیر خاں کلاں (خان قلات) کے تجویز کردہ دستور العمل کے مطابق چلا آتا ہے۔ مگر وہ دستور العمل زبانی ہی ہے۔ اس کا کوئی دستاویزی ثبوت نہیں ملتا۔

بلوچستان میں تصرف انگریزی سے پیشتر جرگہ کا رواج نہ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ شاذ و نادر جرگہ کا کوئی فیصلہ منصفانہ نہ ہو لیکن بہت بڑا فائدہ یہ ہے۔ کہ فریقین مقدمہ کا وقت ضائع نہیں ہوتا۔ اور افلاً ان پر اخراجات کی ویسی تباہی نہیں آتی جیسی انگریزی عدالتوں کی مقدمہ بازی سے آتی ہے۔ جرگہ کے فیصلے اگرچہ مختصر ہوتے ہیں۔ مگر پیچیدگیوں سے پاک و صاف ہوتے ہیں۔

ایک سال کے عرصہ میں جھالاوان کے جسقدر حصے کو میں نے دیکھا۔ اس کے رو سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ علاقہ جھالاوان مالی حالت کے لحاظ سے بحیثیت مجموعی غربت اور افلاس کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ اور قدرت نے فیاضی کے ہاتھ کو روک کر اسکے ساتھ سلوک کیا ہے

جھالاوان کچھ تو اپنے جغرافیائی محلِ وقوع کے لحاظ سے عام گذرگاہ سے دُور افتادہ ہے۔ اور کچھ یہاں کے باشندے جاہل ہونے کے علاوہ قطرتاً کاہل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علاقہ کی زراعتی حالت چنداں امید افزا نہیں۔ کوہستان کے دامن اور رودِ آب کے کناری کے میدانوں میں بہت سا قابل کاشت رقبہ یا تو نہائیت ہی کم کاشت کیا جاتا ہے۔ یا اسے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ بارش اگرچہ اس علاقہ میں بہت کم ہوتی ہے۔ مگر مستقل پانی کی کمی بھی ہے۔ اور آبپاشی کے تمام تر ذرائع چند کاریزات۔ چند ندیاں اور چند نالے ہیں۔ اور باوجود مالی کمزوری کے بروہی عام طور پر تلوار کو ہل کے پھالے میں تبدیل کرنا نہیں چاہتا۔ اور مقتضیات زمانہ سے بے پرواہ ہے کر موجودہ حالت پر ہی قانع ہے۔ کیونکہ نہ معلوم زمانہ سے وہ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرنے اور سردیوں میں نقل مکانی کر جانے کا عادی ہے۔ افغان اگرچہ اپنے ہاتھ سے اپنی زمین کاشت کرتا یا اُجرت پر کروا تا ہے۔ لیکن بروہی اور بلوچ جہاں تک ہو سکے ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ وہ مزارع یا "بزگر" کے ذریعے کاشت کرانے کو ترجیح دیتا ہے۔ جو ماتحت اقوام سے ہوتے ہیں۔ جیسے قلات کے دہوار۔ اور کچھی کے جاٹ۔

عربوں میں دستور ہے کہ معزز مہمان کے لئے دُنبہ یا بھیڑ۔ بکری ذبح کیا جاتا ہے۔ جو مہمان کیلئے نشان تعظیم خیال کیا جاتا ہے۔ یہ رواج جھالاوان کے بروہیوں میں بھی ہے۔ گوہر اور یوسف دس پندرہ ہمراہیوں سمیت جہاں کہیں پہنچے۔ ہر میزبان نے تعظیم کا یہی سلوک روا رکھا۔

پھرتے پھراتے فروری ۱۸۹۵ء کے دوران میں ہم واپس زیدی پہنچے۔ لیکن سردار یوسف خاں کے سبی جلسہ پر پہنچنے کی توقع منقطع تھی۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کے ہتھے چڑھ چکا تھا۔ اور جسقدر وہ اپنے باپ کے حق میں وفادار تھا۔ اسی قدر اسکا باپ بباطن اس بات کا متمنی تھا۔ کہ اس کی زندگی میں اس کے سوائے کوئی اور چیف آف جھالاوان نہ ہو سکے۔ خواہ اسکا بیٹا یا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

اتفاق کی بات ہے۔ کہ میں قریباً تین ماہ تک ڈاک کی کوئی مقررہ سبیل نہ ہونے کی وجہ سے جناب قبلہ والد بزرگوار کی خدمت اقدس میں اپنی خیر و عافیت کا عریضہ ارسال کر سکنے کا موقعہ نہ پا سکا۔ اس لئے آپ کو تردد ہوا۔ اور آپ گوجرانوالہ سے روانہ ہو کر ۱۱ فروری ۱۸۹۵ء کو سبی رونق افروز ہوئے۔ اور تفحصِ حال کی غرض سے پولیٹیکل ایڈوائزر صاحب سے ملے جو اندنوں سبی ہی میں قیام پذیر تھے۔

میرے اور گوہر و یوسف کے درمیان صورت حال اسقدر نازک مرحلے پر پہنچ چکی تھی۔ کہ اگر میں چھ ماہ تک اور ان کے ساتھ رہ جاتا۔ تو میدان جنگ میں اپنے مارے جانے سے پیشتر (جیسا کہ ان کا انجام ہوا) وہ مجھے مار ڈالتے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے جناب والد بزرگوار کی تشریف آوری میری نجات کا ذریعہ بنایا۔ پولیٹیکل ایڈوائزر صاحب نے مجھے سبی آنے کے لئے لکھا۔ اور ساتھ ہی جناب قبلہ و کعبہ والد بزرگوار کا سرفراز نامہ بھی خاص لیویز سوار کے ذریعے بھجوا دیا۔ جو ۲۵ فروری ۱۸۹۵ء کو زیدی میں شرفِ صدور لایا۔

گوہر و یوسف اتفاقاً زیدی سے ہسوی واقعہ درہ مولہ کو گئے ہوئے تھے۔ اور موسم سرما کی وجہ سے زیدی میں سواری

کا ملنا مشکل تہا۔ میں اسی سوچ و بچار ہی میں تھا۔ کہ ایک رات مجھے خواب میں ایک سانڈنی سوار دکھلایا گیا۔ جو میرے لینے کے لئے آرہا تھا۔ چنانچہ اگلے دن ایسا ہی ہوا۔ کہ مسوی سے گوہر خاں نے وہی سانڈنی میرے لئے بھجوادی۔ اور میں سمجھا۔ کہ قدرت کو میرا بچانا منظور ہے۔ کیونکہ میری سواری کا یہ غیر متوقع انتظام محض قدرت ہی کے منشاء پر ہوا۔

۱۸ار فروری ۱۸۹۵ء بروز جمعرات میں نے زیدی کو الوداع کہا۔ اور مسوئی پہنچا۔ جہاں گوہر و یوسف قیام پذیر تھے بالآخر یکم مارچ ۱۸۹۵ء کو بروز جمعہ بعد دوپہر وہ ساعت بھی آگئی۔ جو قدرت کے پروگرام کے مطابق میرے اور گوہر و یوسف کے درمیان دائمی جدائی کیلئے معین تھی۔ اسوقت میرے اخلاق کا اقتضا یہ ہوا کہ جو کچھ ہوا۔ جو کچھ گذرا۔ اور جو کچھ بھی تھا۔ اسے یکسر نظر انداز کر دوں۔ کیونکہ بہرکیف ایک سال کے عرصہ کی رفاقت تھی۔ جسے بحیثیت مجموعی خوبی ہی سے تعبیر کرنا چاہیئے۔ اس لئے الوداعی رخصت کے وقت سب سے پہلے میں سردار گوہر خاں سے بغلگیر ہوا۔ اور بے اختیار آبدیدہ بھی۔ اسوقت ان سے کہا۔ کہ ؎

آئے تھے ہم مثل بلبل سیر گلشن کر چلے
دیکھ لے اے باغباں اپنا چمن ہم گھر چلے

سردار یوسف خاں سے بھی اسی طرح ملا۔ اور کہا۔ کہ ؎

سَیر کی۔ پھول چنے۔ خوب پھرے۔ شاد رہے
باغباں جاتے ہیں گلشن تیرا آباد رہے

یوسف خاں نے پوچھا۔ کہ "کیا اب پھر دوبارہ نہیں ملیں گے" میرا جواب سوائے سکوت کے اور کیا ہوسکتا تھا آخرش جب میں سانڈنی پر سوار ہوا۔ تو سردار گوہر خاں اور سردار یوسف خاں بھی بمعہ اپنے ہمراہیوں کے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ایک میل تک مشایعت کیلئے ہمراہ رہے۔ اور اسوقت جدا ہوئے۔ جبکہ رستہ بھی الگ الگ ہوگیا۔ اور پہاڑ کی ایک گھاٹی درمیان میں حائل ہوگئی۔

خطرہ اور خطرات دو ایسے الفاظ ہیں۔ جو اپنے اندر خوف اور دہشت کی ایک ہیبتناک دنیا پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور طبعاً ہر فرد بشر کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ کبھی بھی کسی خطرہ سے دوچار نہ ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نہ تو کوئی شخص خطرہ میں پڑنے سے بچ سکتا ہے۔ اور نہ بغیر خطرات میں پڑے ہوئے کوئی اہم اور نمایاں کامیابی ہی حاصل کرسکتا ہے۔ وہی اشخاص کامیابی حاصل کرتے ہیں جو خطرات میں پڑنے کیلئے طیار رہیں۔ لاریب۔ میرا جہالاوان میں جانا پر از خطرات تھا۔ اور میں عواقب و نتائج سے بے نیاز ہو کر اس آگ میں کودا تھا۔ لیکن بایں ہمہ مجھے اس بات کے برملا اظہار میں کوئی تامل نہیں ہوسکتا۔ کہ پہلی مرتبہ جہالاوان کو جاتے ہوئے ۲۰ مارچ ۱۸۹۴ء کے دن درۂ مولہ کے دہانہ میں داخلہ سے میں نے اپنی قسمت کے دروازے کو زور کے ساتھ کھٹکھٹایا اور وہ کھل گیا۔

Editor —

Mohammad Ali Raunaq.

Annual Subscription Rs. [illegible]/- Single Copy Annas 4.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

جلد ۱۸ | بابت ماہ ستمبر ۱۹۳۲ء | نمبر ۹

تبصرہ

رعایا نواز تاجدار
حضور نظام کی ژرف نگہی

اقالیم دکن حرسہا اللہ عن الشر و الفتن کے دانشور و دانشمند عادل و نصفت شعار تاجدار حضور نظام خلد اللہ ملکہ و اناد اللہ برہانہ اپنی عزیز رعایا کے لئے بلا تمیز مذہب و ملت آیۂ رحمت ہیں۔ آپ حنفی المذہب مسلمان ہیں۔ اور سچے مسلمانوں کی طرح روایات اسلام کو پیش نظر رکھتے ہوئے غریبوں، بیکسوں اور یتیموں کی امداد و حق رسی اور دادخواہوں کی حق پژوہی کے لئے الطافات خسروانہ سے کام لیتے ہیں۔ آپ ایک اولوالعزم بادشاہ ہونے کے باوجود نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

لعل و جواہر سے بھرپور خزانوں کے مالک ہونے کے باوصف کفایت شعاری آپ کا شعار ہے۔ لیکن مذہبی اداروں کی بلا تفریق مذہب شاہانہ امداد و اعانت آپ نے اپنا فرض عین قرار دے رکھا ہے۔ دنیا کے وہ تمام ادارے جو خدمت خلق اللہ کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ سب کے سب آپ کے ابر کرم سے سرسبز و شاداب ہو رہے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اقطاع عالم میں آپ کی فیاضی و کرم گستری کی دھوم ہے۔

پونہ کی ایک اطلاع مظہر ہے۔ کہ سر رام کشن بھنڈارکر کی برسی کے موقع پر سر اکبر حیدری وزیر مالیات دولت آصفیہ دکن کا برقیہ موصول ہوا۔ کہ اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن نے ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں "نظام گسٹ ہاؤس" (مہمان خانہ) کی تعمیر کیلئے ۲۵ ہزار روپے کا عطیہ منظور فرمایا ہے۔ اور انسٹی ٹیوٹ مہابھارت کا جو ایڈیشن تیار کر رہا ہے۔ اس کے سالانہ اخراجات کیلئے بھی ایکہزار کی امداد منظور فرمائی گئی ہے ہمیں یقین ہے کہ خسرو دکن کی اس بالغ النظری ژرف نگہی علم پروری کی تمام حلقوں میں تعریف کی جائیگی۔ اور ہندو جرائد بھی اپنے مفروضہ پراپگنڈا سے باز آجائیں گے۔ ایک ہندو ادارہ گاہ کے لئے مہمان خانہ کی تعمیر سے ایک مسلمان فرمانروا کا دلچسپی لینا اور ہندوؤں کی مقدس کتاب مہابھارت کی طباعت و اشاعت پر ایک بڑی رقم صرف کرنے کی شاہی منظوری دینا اعلیٰحضرت خلد اللہ ملکہ کی بے تعصبی اور رعایا نوازی کا ایک شاندار اور درخشاں ثبوت ہے۔ جو دوست دشمن سب سے خراج تحسین وصول کر گیا۔ اعلیٰحضرت انار اللہ برہانہ ہمیشہ سے اپنی رعایا برایا کی خوشنودی و خوش کامی اور مساوات کی حامی ہے۔ ہندوستان میں ایک مثال بھی ایسی نہیں پیش کی جاسکتی۔ کیا کسی ہندو والئے ریاست نے بھی قرآن کریم اور حدیث شریف کے طباعت و انطباع اور اشاعت کے اہتمام میں اس دریا دلی اور شاہانہ فیاضی کا ثبوت دیا ہے حضور نظام عالی مقام کا پر فیاضانہ اقدام بہر نوع قابل ہر ستائش اور لائق ہر تعریف ہے۔

اعلیٰحضرت شہریار دکن کے حسن نیت اور حسن انتظام اور سر اکبر حیدری کی مالی قابلیت کا کرشمہ سمجھئے۔ کہ اس زمانہ میں جبکہ مالی کساد بازاری نے دنیائے دول کی حکومتوں کو تباہ حال بنا رکھا ہے۔ دکن کے میزانیہ میں ہمیشہ توفیر نظر آتی ہے۔ حالانکہ معافی مالیہ وغیرہ کی وجہ سے آج کل آمدنی میں کمی ہو رہی ہے اس مملکت میں نہ کوئی تخفیف کا چرچا ہے نہ نئے محصولات عائد کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باینہمہ میزانیہ میں نہ صرف توازن قائم رہتا ہے۔ بلکہ ہمیشہ ایک کثیر رقم وافر اد لبقایا رہجاتی ہے۔ جو لوگ میزانیہ پر سر اکبر حیدری فنانس ممبر کی تقریر پڑھ چکے ہیں۔ ان کے لئے مفصل اعداد و شمار اس شذرہ میں لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اسی قدر بتا دینا ضروری ہے۔ کہ ۱۳۴۱ء (فصلی) کا میزانیہ پیش کرتے ہوئے سر اکبر حیدری نے نہایت تیقن کے ساتھ کہا تھا۔ کہ اس میں توفیر ہوگی۔ چنانچہ ابتک یہی اندازہ ہے کہ ۱۳۴۲ء (فصلی) کے آغاز پر سال گذشتہ کی نقد رقم بقایا دو کروڑ باون لاکھ تیس ہزار کے قریب ہوگی۔ اس کے علاوہ ۱۳۴۲ء کے متعلق سر اکبر حیدری نے فرمایا ہے۔ کہ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ بہتر ہزار روپے کی رقم توفیر میں آئیگی۔ یعنی سال آئندہ کے آخر میں تمام محکموں کا خرچ پورا کرنے کے بعد ریاست کے پاس تقریباً اتنا روپیہ بچا ہوا ہوگا۔

اسی مالی ساکھ اور نیک نامی کا اثر ہے کہ پچھلے دنوں مملکت دکن نے بعض مقامی مقاصد کی خاطر دو کروڑ روپے قرض کا مطالبہ کیا۔ جو چند ہی روز میں وصول ہوگیا۔ اور کسی قسم کی دقت نہیں ہوئی۔ اس قسم کے حیرت انگیز واقعات کے باوجود جو ہندو سبھائی اخبارات مملکت دکن کے انتظامات کے خلاف دروغ بیانی اور غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ اور وہاں بدنظمی و ابتری بتاتے ہیں

ان کو مہزانیسہ دیکھکر اپنی رائے بدل لینی پڑیگی۔ اعلیٰحضرت کی حکومت کا نظم و نسق تمام مسلمانان ہند کے لئے مایۂ ناز ہے۔ اگر ہندو زیرک و فہیم ہوں۔ تو انہیں بھی ایک ہندوستانی والی ریاست کی قابلیت حکومت پر ناز کرنا چاہیئے۔ جس کی رعایا میں ۸۶ فیصدی غیر مسلم آباد ہیں "

ہمارے نزدیک اس بدحالی و افلاس کے زمانہ میں خوش انتظامی کی یہ مثال حیرت انگیز ہے جس پر حضور نظام اور ان کی حکومت مستحق مبارکباد ہے۔ خدا کرے ان کے سایہ ہمایونی میں مملکت دکن کو روز افزوں ترقی کا موقع میسر ہو۔

جہاں پناہ کی ہندو نوازی

اعلیٰحضرت شہریار دکن اپنی رعایا پروری کیلئے بالعموم اور ہندو نوازی کیلئے بالخصوص عالمگیر شہرت کے مالک ہیں۔ لیکن حال میں بندگان عالی نے مجلس وضع قوانین کی ترتیب میں جس دریا دلی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ دیگر والیان ریاست کو حضور نظام کی رواداری بے تعصبی اور وسیع اخلاق سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ اعلیٰحضرت نے لیجسلیٹو کونسل کی رکنیت کے لئے چار ہندو۔ دو مسلمان اور ایک انگریز کا تقرر منظور فرمایا ہے۔ جن کے اسماء حسب ذیل ہیں :-

(۱) نواب اختر یار جنگ بہادر (۲) نواب جیون یار جنگ بہادر (۳) نرائن راؤ صاحب (۴) راجہ بہادر وینکٹ رام ریڈی صاحب (۵) مسٹر بی۔ ایس کالس صاحب (۶) رائے بشیشر ناتھ صاحب۔ (۷) وینکٹ راؤ رانا۔

تا والپسی نواب فخر یار جنگ بہادر تاجدار دکن نے اس فتنہ و فساد اور فرقہ پرستی کے زمانہ میں جبکہ ہندوستان پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہندوؤں کی مذموم متعصبانہ ذہنیت دبائے طاعون کی مانند پھیل رہی ہے۔ ایسی عدیم النظیر بے تعصبی اور رعیت پروری کی مثال پیش کی ہے۔ جس کے لئے حضور والا جاہ کی ذات قابل صد ہزار ستائش اور مبارکباد ہے۔ اور ہندو مسلم والیان ریاست کے لئے قابل تقلید ہے۔

انسداد گداگری اور حضور نظام

گداگری ایک ایسی لعنت ہے جس نے ملک کو تباہ حال کر رکھا ہے۔ اس لعنت کے انسداد کیلئے حکومت برطانیہ بھی کوشاں ہے۔ لیکن اعلیٰحضرت حضور نظام نے اس فعل قبیحہ کے قلع قمع کیلئے سبقت کی ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ قلمرو نظام میں قانون کے ذریعہ سے اس لعنت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور کرنے کی تجاویز مکمل ہوگئی ہیں۔ اور عنقریب ان پر عمل شروع ہو جاویگا۔ گداگروں کی خوراک و رہائش کیلئے سہولتیں بہم پہونچائی جائینگی۔ اور کوشش کی جائیگی۔ کہ ان کے لئے صنعتی تعلیم کے ابتدائی سکول کھولدیئے جائیں۔ دستکاری سکھائی جائے اور گداگروں کی صحت اور تندرستی برقرار رکھنے کیلئے جسمانی ورزش کا اہتمام کیا جائے۔ حضور نظام اور ان کی حکومت کا یہ اقدام بہر نوع قابل صد مبارک ہے۔ امید ہے کہ دولت برطانیہ بھی ملک کے اس مہلک مرض کا چارہ کار تلاش کرنے کیلئے سعی بلیغ کرے گی۔

اشارات

جب کوئی شخص کسی کو "مغرور" کہتا ہے۔ تو اس امر واقعہ پر غور کرنا بھول جاتا ہے کہ اسے غرور کا احساس کیونکر ہوا۔ گر ہماری مزاج میں انکسار ہو اور ہم خود مغرور نہوں۔ تو ہمیں دوسرے کے غرور کا احساس نہیں ہو سکتا۔ جب دو غرور باہم متصادم ہوتے ہیں۔ اسی وقت غرور کا احساس ہوتا ہے۔ ہم کسی شخص سے ملتے ہیں۔ اور ہمارے دل میں یہ توقعات جاگزیں ہوتی ہیں۔ کہ وہ ہماری تعظیم و تکریم اور فرمائشوں کی تعمیل کے لئے آمادہ ہوگا۔ لیکن جب سوءِ اتفاق سے واقعات ان توقعات سے مختلف ہوتے ہیں۔ تو ہم فوراً اس شخص کے متعلق غرور کا فتویٰ دیدیتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ تعظیم و تکریم کی توقع کا باعث کونسا جذبہ ہے؟ عقل جواب دیتی ہے۔ کہ "غرور" پس اگر ہم اپنی ذات سے کبر و نخوت اور غرور و پندار کا مادہ فاسد نکال دیں۔ تو دنیا میں کوئی شخص مغرور نہ دکھائی دے۔

زوال کا غم انسان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ یہی ایک ایسی فکر ہے۔ جو اسے کبھی مطمئن نہیں ہونے دیتی۔ حالانکہ مشاہدات اسے ہر وقت تعلیم دیتے ہیں۔ کہ دنیا کی ہر چیز کو زوال ہے اور عقل اسے ہر لحظہ سمجھاتی ہے۔ کہ جس چیز کا جانا یقینی ہے۔ اس کے جانے کا غم نہیں کرنا چاہیئے۔ بچوں کو دیکھ کر تم کو اپنا بچپن یاد آتا ہے۔ جو گذر چکا ہے۔ بڈھوں کو دیکھ کر تم کو اندازہ ہوتا ہے کہ ایک دن جوانی کو الوداع کہنا ضروری ہے بہار خزاں کے ہمیشہ نہ رہنے کا پتہ دیتی ہے اور خزاں آکر بتاتی ہے۔ کہ بہار عارضی ہے۔ سورج لکلکرات کی بے ثباتی کا مرثیہ پڑھتا ہے۔ اور رات کے دامن سے تاریکی پھیل کر سورج کی نوحہ خواں ہوتی ہے۔ غرض سر جھکاؤ یا اوپر نگاہ اٹھاؤ فنا ہی فنا دکھائی دیتی اور زوال ہی زوال نظر آتا ہے۔ جب ہم نے زوال کے آغوش میں پرورش پائی ہے۔ جب فنا ہمارے عناصر پر حکومت کرتی ہے۔ جب ہم اور ہمارا ہر جذبہ زوال پذیر ہے تو کیفیات اور جذبات ہمارے اطمینان کو کیوں پامال کرتے ہیں۔ ہمیں زوال کا کیوں غم ہوتا ہے۔ صرف اس لئے کہ ہم ہر ایک شئے کو زبان سے فانی کہتے ہیں۔ اور دل میں اسے غیر فانی سمجھتے ہیں۔ جن چیزوں کو ہم پسند کرتے ہیں۔ اور جو اشخاص ہماری نظر میں محبوب ہیں۔ ان کو ہم لازوال فرض کر لیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی مفارقت ہم کو گوارا نہیں ہوتی۔ اگر عقل ہمیں اس مغالطہ سے نجات دے اگر پسند اور محبت سے پہلے غور کر لیں۔ کہ یہ شئے زوال پذیر ہے۔ تو کیوں دل کو اسقدر صدمات کا سامنا کرنا پڑے۔ تم ایک ہیرے کو اٹھا لیتے ہو۔ اور تم آگینہ کے ایک قمقمہ کو چھونا چاہتے ہو۔ لیکن ایک شرر کی طرف جو ہیرے سے زیادہ تابناک ہے۔ اور ایک حباب کی طرف جو قمقمے سے زیادہ خوشنما ہے کبھی ہاتھ نہیں بڑھاتے۔

(ظہور احمد)

قوتِ ایماں

نذر آتش کیا طارق نے جو اندلس میں جہاز
لوگ کہنے لگے گھبرا کے "یہ کیا تم نے کیا؟

ترک اسباب جہالت ہے خدا کے نزدیک
ہے وطن دُور تو کس طرح پہونچنا ہوگا؟"

ہاتھ تلوار پہ رکھ کر یہ دیا ہنس کے جواب
ملک ہے یہ بھی ہمارا ہی کہ ہے ملکِ خدا

یہی وہ قوّت ایماں تھی مسلمانوں کی،
تھی جسے دیکھ کے انگشتِ بدنداں دُنیا

آفتابِ نبوی کی جو پڑی تھیں کرنیں
ذرّہ ذرّہ عربستاں کا چمک اُٹھا تھا

یہی وہ شانِ عمل تھی یہی وہ جوشِ عمل
کہ نظر آتے تھے یکساں انہیں دشت اور دریا

وہ کسی ایک سبب کے کبھی پابند نہ تھے
تھا فقط ذات مسبّب پہ بھروسا ان کا

جانتے تھے کہ اگر ترک ہوا ایک سبب
اور ہو جائیں گے اسباب بہت سے پیدا

وہ نہ تھے رنگ کے پابند نہ مجبور وطن
ساری دنیا کو سمجھتے تھے کہ ہے گھر اپنا

سب مسلمان تھے ایک گلشنِ اسلام کے پھول
اسود و ابیض و احمر کا کوئی فرق نہ تھا

جو ہو اتقی وہ سمجھتے تھے اسی کو اکرم
صرف ایماں نہیں اس پہ عمل تھا ان کا

وہ عمل کرتے تھے دعوے سے نہ تھا کام انہیں
ان کے کہنے کو کیا کرتا تھا "ثابت" کرنا

ہند ہو مصر ہو۔ یورپ ہو عرب ہو کہ عجم
ان کے احساں سے گراں بار ہے ساری دُنیا

(معارف)

ہندوستان کی قسمت کا ثالثانہ فیصلہ

ربع صدی کی پیہم مساعی اور تگ و دو کے باوصف ہندوستانی نظام ملکی کے قیام میں ناکام رہے۔ سالہا سال کی جدوجہد اور کوششوں کے باوجود ان میں اپنے لئے کوئی صحیح لائحہ عمل تجویز کرنے کی قابلیت نہ ہو سکی۔ اس لئے حکومت کو ان کی قسمت کا خود فیصلہ کرنا پڑا۔ چنانچہ وزیر اعظم برطانیہ نے فرقہ دارانہ مسئلہ پر ایک ثالثانہ فیصلہ دیتے ہوئے اس انتظار کی زحمت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ جو مدتوں سے کی جا رہی تھی۔ اس فیصلہ میں جداگانہ انتخاب قائم رکھا گیا ہے۔ بنگال اور پنجاب کے صوبوں کے لئے اکثریت اور دیگر صوبوں میں اقلیت کیلئے نشستوں کا تحفظ کر دیا گیا ہے۔ اول الذکر دو صوبوں میں مسلم آئینی اکثریت اگرچہ قائم نہیں کی گئی۔ لیکن ایسی صورتیں ضرور پیدا کر دی گئی ہیں۔ جن سے پنجاب میں مسلمانوں کی عملی اکثریت یقینی ہے۔ صوبہ بنگال میں مسلمانوں کی عملی اکثریت پر شبہ ہے۔ وزیر اعظم نے اس کا امکان باقی رکھا ہے کہ اگر مختلف فرقے اور جماعتیں آپس میں کسی وقت کوئی مفاہمت متفقہ طور پر کر لیں۔ تو یہ سرکاری فیصلہ واپس لیا جائیگا۔ ورنہ دس سال کے بعد پھر از سر نو اس پر نظر ثانی کی جائیگی۔ فیصلہ صرف صوبجات کی مجالس قانون ساز میں نشستوں کی تقسیم اور طریق انتخاب کے متعلق کیا گیا ہے۔ مرکزی حکومت کا معاملہ فی الحال بالکل ملتوی کر دیا گیا ہے۔ مختلف صوبجات میں نشستوں کی تقسیم حسب ذیل طریقہ پر کی گئی ہے:۔

صوبہ	عام حلقہ (ہندو)	اچھوت	پسماندہ علاقے	سکھ	مسلمان	ہندوستانی عیسائی	اینگلو انڈین	یورپین	تجارت و صنعت و حرفت مخصوص حلقے	زمینداروں کے مخصوص حلقے	یونیورسٹی کے مخصوص حلقے	مزدوروں کے مخصوص حلقے	میزان	مسلمانوں کی نشستوں کا تناسب فیصدی
مدراس	۱۳۴ (۶ عورتیں)	۱۸	۱	۰	۲۹ (۱ عورت)	۹ (۱ عورت)	۲	۳	۶	۶	۱	۶	۲۱۵	۱۳٫۵
بمبئی (بشمول سندھ)	۹۷ (۵ عورتیں)	۱۰	۱	۰	۶۳ (۱ عورت)	۳	۲	۴	۸	۳	۱	۸	۲۰۰	۳۱٫۵
بنگال	۸۰ (۲ عورتیں)	۰	۰	۰	۱۱۹ (۲ عورتیں)	۲	۴ (۱ عورت)	۱۱	۱۹	۵	۲	۸	۲۵۰	۴۷٫۶
صوبہ متحدہ	۱۳۲ (۴ عورتیں)	۱۲	۰	۰	۶۶ (۲ عورتیں)	۲	۱	۲	۳	۶	۱	۳	۲۲۸	۲۵٫۴
پنجاب	۴۳ (۱ عورت)	۰	۰	۳۲ (۱ عورت)	۸۶ (۲ عورتیں)	۲	۱	۱	۱	۵	۱	۳	۱۷۵	۴۹٫۱
بہار و اڑیسہ	۹۹ (۳ عورتیں)	۷	۸	۰	۴۲ (۱ عورت)	۲	۱	۲	۴	۵	۱	۴	۱۷۵	۲۴
صوبہ متوسط (بشمول برار)	۷۷ (۳ عورتیں)	۱۰	۱	۰	۱۴	۰	۱	۱	۲	۳	۱	۲	۱۱۲	۱۲٫۵

صوبہ	عام حلقہ (ہندو)	اچھوت	پسماندہ علاقے	سکھ	مسلمان	ہندوستانی عیسائی	اینگلو انڈین	یورپین	تجارت و حرفت و صنعت مخصوص حلقے	زمینداروں کے مخصوص حلقے	یونیورسٹی کے مخصوص حلقے	مزدوروں کے مخصوص حلقے	میزان	مسلمانوں کی نشستوں کی نسبت فیصدی
آسام	۴۴ (۱ عورت)	۴	۹	۰	۳۴	۱	۰	۱	۱۱	۰	۰	۴	۱۰۸	۳۱٫۵
صوبہ سرحد	۹	۰	۰	۳	۳۶	۰	۰	۰	۰	۲	۰	۰	۵۰	۷۲
بمبئی بے سندھ	۱۰۹ (۵ عورتیں)	۱۰	۱	۰	۳۰ (۱ عورت)	۳	۲	۳	۷	۲	۱	۷	۱۷۵	۱۷٫۱
سندھ بے بمبئی	۱۹	۰	۰	۰	۳۴ (۱ عورت)	۰	۰	۲	۲	۲	۰	۱	۶۰	۵۶٫۷

معاصر "جامعہ" لکھتا ہے۔ کہ "جداگانہ انتخاب کے حامیان کیلئے اِس فیصلہ میں کوئی ایسی بات نہیں جو مایوس کن ہو پنجاب و بنگال میں اکثریت کے حقوق اور دیگر صوبجات میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے مختلف فرقوں کے مطالبات کو پیش نظر رکھکر اسی قسم کا فیصلہ ہوسکتا تھا۔ پہلی گول میز کانفرنس میں مرحوم سر محمد شفیع بھی اسی پر سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ لیکن فضا سازگار نہ تھی۔ اس لئے کسی معقول بات پر نہ پہلی گول میز کانفرنس میں سمجھوتہ ہوسکا۔ اور نہ دوسری مجبوراً یہ مسئلہ ایک ثالث کے سپرد کیا گیا۔ اب اس فیصلہ کو قبول کرنے کی اخلاقی ذمہ داری انہیں فرقہ پرست جماعتوں پر ہے۔ جن کی ناسمجھی اور ضد کی بدولت آپس میں سمجھوتہ ناممکن ہو گیا۔ اور اس کا فیصلہ ایک ثالث پر چھوڑنا پڑا۔

مخلوط انتخاب کے حامیوں کو البتہ اس فیصلے سے بیحد مایوسی ہوئی ہوگی۔ اس لئے کہ طریق انتخاب کے لئے "جداگانہ انتخاب" کا اصول آخری طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ اس کی گنجائش بھی نہیں رکھی گئی۔ کہ ایک مدت معینہ کے بعد مخلوط انتخاب خود بخود رائج ہو جائے۔ فی الحال بیس سال تک اچھوتوں کے لئے اور دس سال تک دیگر اقلیتوں کے لئے اس طریق انتخاب پر عمل درآمد رہے گا۔ اور اس کے بعد پھر "مخلوطیوں" اور "جداگانیوں" کی معرکہ آرائی ہوگی۔ اور مناسب حال فیصلہ کیا جائیگا۔ مخلوط انتخاب کے حامیوں میں کانگریس، لبرل لیگ، جمعیتہ العلماء، مسلم نیشنلسٹ پارٹی، بنگال مسلم لیگ وغیرہ کو یکسر نظرانداز کر کے صرف فرقہ پرست طبقہ کے جذبات کا احترام کیا گیا ہے جہاں تک ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس کا تعلق ہے۔ اس کے لئے بھی اس فیصلہ پر شکائیت کا کوئی موقع نہیں۔ اس لئے کہ فرقہ دارانہ مسئلہ میں کانگریس نے شروع سے غیر جانبداری کا اعلان کر دیا ہے۔ اور وہ ہر اس فیصلہ کو قبول کرنے کیلئے تیار ہے۔ جو آپس کی مفاہمت سے ہو۔ خواہ کسی ثالث کی طرف سے صادر کیا جائے۔ لیکن پھر بھی کانگرس موجودہ فیصلہ سے مطمئن اور خوش نہیں ہوسکتی اس لئے کہ جب تک جداگانہ انتخاب کی دیواریں سیاسی میدان میں مختلف فرقوں کے درمیان حائل رہیں گی۔ کسی جماعت کو دوسرے فرقوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی ضرورت نہ محسوس ہوگی۔ اور موجودہ کشیدگی جاری رہیگی بلکہ مزید حقوق اور مزید اختلافات کے امکانات اور زیادہ ہوں گے۔

اصل سوال اب یہ ہے۔ کہ کیا اس فیصلہ کے بعد فرقہ دارانہ مسئلہ بالکل طے ہو گیا۔ اور دستور اساسی کی ترتیب میں جو دشواریاں

حائل تھیں۔ وہ سب دور ہوگئیں؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ اثبات میں نہیں دیا جا سکتا۔ اصل معاملہ سب سے بڑی اقلیت اور سب سے بڑی اکثریت کے درمیان سمجھوتے کا تھا۔ مسلمانوں نے اپنے اقل چودہ مطالبات جزوی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ کلی حیثیت سے پیش کئے تھے۔ جو یا تو پورے کے پورے منظور کئے جائیں۔ یا ان مطالبات کے کسی ایک جزو کے رو سے تمام مطالبات کا رد لازم آئیگا۔ وزیر اعظم کے فیصلہ میں چودہ مطالبات میں سے صرف ایک مطالبہ یعنی جداگانہ انتخاب منظور کیا گیا ہے تناسب آبادی کے لحاظ سے بنگال اور پنجاب میں نشستوں کا تحفظ یا کم از کم اپنی اکثریت کا مطالبہ اصولاً نامنظور کیا گیا ہے۔ گو صورتیں ایسی پیدا کر دی گئی ہیں۔ کہ کم از کم پنجاب میں ''عملی اکثریت'' کی پوری امید کی جا سکتی ہے۔ بنگال میں جہاں مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی ہے۔ عملی اکثریت کی بھی توقع بہت کم ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی مجالس میں مسلمانوں کی ایک ثلث نیابت سندھ کی علیحدگی وغیرہ وغیرہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا ہے۔ یوروپین جماعت، پست طبقہ کے لوگ، مزدور پیشہ جماعت اور طبقہ نسواں بجا طور پر وزیر اعظم کے فیصلہ سے مطمئن ہیں۔ اس لئے کہ ان کی توقعات سے زیادہ حق نیابت ان کو دیا گیا ہے۔ باقی سکھ، ہندو اور مسلمان جن کی وجہ سے دراصل فرقہ وارانہ مسئلہ اب تک طے نہیں ہو سکا تھا۔ وہ اب بھی اسی جگہ ہیں جہاں پہلے تھے۔

لیکن اگر مسلمان پنجاب اور بنگال میں اپنی ''عملی اکثریت'' سے خوش بھی ہو جائیں۔ اس لئے کہ صوبہ کی حکومت اور وزارت کی باگ ان کے ہاتھوں میں آجائے گی۔ تب بھی جب تک کہ وفاقی نظام حکومیت کی نوعیت اور تحفظات وغیرہ کا مسئلہ طے نہ ہو جائے کسی کو مطمئن نہ ہونا چاہیئے۔ خواہ مسلمان وزارت پر فائز ہو جائیں۔ جیسے کہ آج ہیں اور گورنری بھی مل جائے۔ لیکن ان کے تمام اختیارات کالعدم بنا کئے جا سکتے ہیں۔ اگر حقیقی اختیارات و تحفظات کی مدیں صوبہ کے گورنر اور حضور وائسرائے کی تحویل میں رکھے گئے۔ اسی لئے قوم پرور جماعت کو اصل انتظار اس فیصلہ کا نہ تھا۔ جس میں صوبجاتی نشستوں کی تقسیم اور ''جداگانہ انتخاب'' کا مسئلہ طے کیا گیا۔ بلکہ اس مسودۂ قانون کا انتظار ہے۔ جو برطانوی کابینہ نے تیار کر لیا ہے۔ اور اس کے اعلان کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ کہ ہندوستان میں محض نام کی ذمہ دار حکومت قائم کی جائے گی۔ یا صحیح معنی میں ذمہ دار صوبجاتی اور وفاقی، نظام حکومت قائم کیا جائے گا علمی اکثریت سے فائدہ اسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے۔ جب وزارت عملاً گورنر یا گورنر جنرل کے چیف سیکرٹری کے ماتحت نہ ہو۔

صوبجات کے علاوہ مرکز میں بھی مکمل ذمہ دار حکومت قائم ہو۔ تحفظات اگر ہوں تو ہندوستان کے مفاد کے لئے ہوں۔ اور تصدیق اور تردید کے اختیارات بجائے گورنران صوبہ اور گورنر جنرل کے ملک معظم کو تفویض کئے جائیں۔

ہے مبارک ماہِ نُو کو دیکھ کر کیا دیکھنا

رسالہ "ہجولی" کی ایک اشاعت میں مولانا ابوالطیب صاحب امروہی مقیم آگرہ کی عنوان بالا کے تحت ایک نظم طبع ہوئی جس پر سلطان العلوم اعلحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ نے چھ اشعار کا حاشیہ تحریر فرمایا۔ جو "ہجولی" کی گذشتہ اشاعت میں شائع ہوچکا ہے۔ مولانا ابوالطیّب صاحب کے اشعار اور خسرو عالی وقار کا حاشیہ ایک بہترین علمی متاع ہے۔ لہٰذا ناظرین "القریش" کے استفادہ کیلئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا۔

—— (۹) ——

اصل

کوئی مستفسر نصیر الدین طوسی سے ہُوا / ہے مبارک ماہِ نُو کو دیکھ کر کیا دیکھنا؟
یوں ہُوا گوہر فشاں وہ صاحب علم و کمال / سات بار الحمد پڑھ جس دم نظر آئے ہلال
ہو اگر ماہ محرم[1] کر نظر سوئے پسر / دیکھ کر ماہ صفر[2] لازم ہے دیکھے سیم و زر

حاشیہ

ماہِ محرم زر بہ بیں / اندر صفر بیں آئینہ
ماہ ربیع آب رواں / آخر غنم اے ماہ نگر (ربیع الثانی)
اوّل[1] جمادی نقرہ بیں / پیری بہ بیں در آخری[2]
ماہ رجب مصحف بہ بیں / شعبان گیاہ سبز تر
شمشیر در رمضاں نگر / شوال جامہ سبز تر
ذلیقعد بینی کو دکے / ذیحجہ دخت خوب تر

[1] جمادی الاوّل — [2] جمادی الثانی

سیرت فاروقی

حضرت عمرؓ خلافت کو عمارت کا مترادف نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا یہ خیال نہیں تھا۔ کہ خلیفہ تمام دنیا کا مالک و مطاع ہے۔ جس کے سامنے عام لوگ غلاموں کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا ایمان تھا کہ خلیفہ رعایا کا خدمتگذار ہے۔ وہ ایسے محلات میں نہیں رہتے تھے۔ جو فوجی پہروں میں گھرے ہوئے ہوں وہ ڈیوڑھی پر دربان نہیں رکھتے تھے۔ کہ دادخواہ ان تک پہنچ سکیں اس میں شک نہیں۔ کہ آپ عرب، شام، مصر، روم اور ایران کے شاہنشاہ تھے۔ اس وقت کے بڑے بڑے مقتدر سلاطین آپکے نام سے لرزہ براندام تھے۔ مگر آپ کا حال کیا تھا؟ وہی سلطانِ اعظم ننگے سر اور ننگے پاؤں بازاروں میں پھر رہا ہے بیوہ اور ماں کا سودا سلف اپنے کندھے پر اٹھائے لئے جا رہا ہے۔ وہی فاتح شام مسجد کی سیڑھیوں پر دھوپ تاپ رہا ہے۔ وہی مصر کا شہنشاہ اپنے ہاتھ سے اینٹیں بنا رہا ہے۔ اور پاؤں سے لیکر گھٹنوں تک کیچڑ میں آلودہ ہے۔ وہی روم کا فرمانفرما مشک اٹھائے لوگوں کو پانی پلا رہا ہے۔ وہی ایران کا کسریٰ سخت دھوپ میں بیت المال کا گمشدہ اونٹ تلاش کر رہا ہے۔ لیکن اسقدر سادگی اور منکسر المزاجی کے باوجود اسکے رعب و داب کا یہ حال ہے کہ جب غیر ملکوں کے سفیر اسکے سامنے حاضر ہوتے ہیں تو تھر تھر کانپتے ہیں۔

یہی خلیفہ اسلام جب فتح شام کے وقت بیت المقدس میں داخل ہوا۔ تو اس کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ اسکے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی۔ غلام اونٹ پر سوار تھا اور وہ پیدل۔ لیکن اس حالت میں بھی رعب کا یہ عالم تھا۔ کہ دشمن بید کی طرح لرزاں تھے جب ایرانیوں نے اپنا آخری دربار انتہائی شان و شوکت کے ساتھ منعقد کیا ہے۔ اور اسمیں ایک مسلمان سفیر دعوتِ حق کیلئے گیا۔ وہ منظر بھی زمانے میں یادگار رہیگا۔ مسلمان سپاہی اپنے نیزے کی نوک سے ریشمی قالین کو چھیدتا ہوا بیخوف و خطر بادشاہ کے برابر تخت پر جا بیٹھتا ہے۔ لوگ معترض ہوتے اور سختی سے پیش آتے ہیں۔ وہ کیا اچھا جواب دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ "میں تمہارا مہمان ہوں" بلانے پر آیا ہوں میرا احترام تم پر واجب ہے۔ بادشاہ کے برابر بیٹھنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ ہم مسلمانوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک آدمی کو خدا بنا کر اونچے عرش پر بٹھائیں۔ اور دوسرے اسکے پاؤں میں بیٹھیں۔ ہمارا خلیفۃ المومنین ہم میں سے ایک ہے۔ اگر وہ کوئی جرم کرے تو اُسے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ویسی ہی سزا دی جائیگی۔"

دربارِ ایران میں فاروقی سفیر کی یہ آزادانہ گفتگو کس وجہ سے تھی؟ یہ فاروق اعظمؓ کی سیاست کا کرشمہ تھا۔ اسی کی مثال حضرت عمرؓ کا وہ واقعہ بھی ہے۔ جب آپ فارس کی لڑائی کا نتیجہ سننے کیلئے مضطربانہ شہر سے باہر نکل آئے تھے۔ اور آپ کو وہاں کا ایک سوار مل گیا۔ آپنے "السلام علیکم" کہکر جنگ کا حال دریافت کیا۔ تو وہ سواری ہی کی حالت میں بے تکلف جواب دیتا رہا۔ اور حضرت رضؓ سلسلہ ساتھ بھاگتے چلے آئے۔ اسی رنگ سے جب شہر میں آگئے۔ تو کسی نے آپ کو "امیر المومنین" کہکر السلام علیکم کہا تو سوار حیران ہو کر نیچے اترنے لگا۔ تو آپنے فرمایا نیچے اترنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ تم گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے بات کرتے چلو۔"

یہ ہے وہ خلیفۃ المسلمین سلطان بحر و بر جسکی ہیبت سے بڑے بڑے خود سر بادشاہ کانپتے ہیں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اسقدر عظمت و جبروت کا بادشاہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ اُسے خدا کا خوف ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ اگر میں بیت المال کا روپیہ اپنے ذاتی تجمّل پر صرف کردوں تو مبادا قیامت کے دن مستحقین کی فاقہ کشی کے باعث باز پرس ہو۔

ایک رات گشت کرتے ہوئے کسی بدوی کے خیمے کیطرف جانکلے۔ بدوی خیمے سے باہر بیٹھا تھا۔ آپ بھی اُس کے قریب بیٹھ گئے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کردیں۔ اندر سے کسی عورت کے کراہنے کی آواز آتی تھی۔ آپ نے بدوی سے دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اسکی عورت کے بچہ ہونیوالا ہے، دردِ زِہ میں مبتلا ہے۔ آپ اپنے گھر کو واپس گئے۔ اور اپنی زوجہ محترمہ کو جو نصف دنیا کے سلطان کی ملکہ تھی ساتھ لائے۔ بدوی سے اجازت لیکر اُسے اندر بھیجدیا۔ اور خود بدوی کے پاس خیمے کے باہر بیٹھ گئے۔ ملکۂ جہان اس صحرا نشین عورت کی خدمت کرتی ہے۔ بچہ بخیر و عافیت پیدا ہو جاتا ہے۔ تو بدوی کو مبارکباد دی جاتی ہے۔ اور بچے کا روزینہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔

اسیطرح ایک اور رات کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے گھر تشریف لیجاتے ہیں۔ اُن سے فرماتے ہیں۔ مدینے کے باہر ایک قافلہ اُترا ہے۔ آؤ ان کی حفاظت کریں۔ مدینہ منورہ میں ایک قافلہ آتا ہے۔ اسکی حفاظت کیلئے خود شہنشاہ اسلام پہرہ دیتا ہے۔ اچانک ایک طرف سے شیر خوار بچے کے رونے کی آواز آتی ہے۔ آپ اسکی والدہ سے بار بار اُسکے بہلانے کو کہتے ہیں۔ آخر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ماں روزینہ کی خاطر قبل از وقت بچے کا دودھ چھڑانے کی کوشش کرتی ہے۔ اس لئے وہ معصوم چلّاتا ہے۔ آپ نہایت رنج سے کفِ افسوس ملتے ہیں۔ کہ میرا یہ حکم بہت سے بچوں کی تکلیف کا باعث ہوا ہوگا۔ اعلان کر دیا۔ کہ آج سے جس روز بچہ پیدا ہوا کرے اسی روز سے روزینہ مقرر کر دیا جایا کرے۔

ایک دفعہ رات کو قحط کے ایام میں اپنے غلام کو ساتھ لیکر مدینے سے تین میل اوپر ایک مقام پر پہونچے۔ ایک مکان کے اندر کیا دیکھتے ہیں۔ کہ عورت نے چولہے پر ہنڈیا رکھی ہے اور بچے اردگرد رو رہے ہیں۔ وہ ان کو تسلی دے رہی ہے۔ کہ ابھی کھانا تیار ہوا جاتا ہے۔ فاروق اعظمؓ نے بڑھکر دریافت کیا تو بولی کہ گھر میں کچھ نہیں ہے اور بچے تین دن سے بھوکے ہیں۔ اس لئے ان کی تسلّی کیلئے خالی ہنڈیا چولہے پر رکھدی ہے۔ آپ یہ سنکر تھرّا گئے۔ اور فوراً بیت المال میں آئے اور آٹا۔ گھی کھجوریں وغیرہ خوردنی چیزیں لیکر غلام سے فرمایا کہ ان اجناس کو میری پیٹھ پر لاد دو۔ غلام نے عرض کیا۔ حضور میں لئے چلتا ہوں۔ آپنے کہا اور کیا خوب کہا۔ کہ قیامت کے دن بھی تو میرا بوجھ اٹھائیگا؟ جانتے ہو! یہ کون ہے جو مزدور کا کام خود کر رہا ہے۔ اور غلام کی بجائے خود ان اشیاء کو اپنی پیٹھ پر لادے لئے جاتا ہے؟ یہ امیر المومنین فاروق اعظمؓ ہیں۔

آپنے ایک ذمّی کو دربدر بھیک مانگتے دیکھا۔ تو سبب دریافت کیا۔ تو اس نے کہا۔ کہ مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے۔ اور میں اُسے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت رضؓ اُسے اپنے ساتھ گھر لائے اور کچھ نقدی عطا کی۔ پھر بیت المال کے خزانچی کو کہلا بھیجا۔ کہ اس قسم کے معذوروں کیلئے وظیفہ مقرر کر دینا چاہیئے۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ واللہ انصاف کا یہ اقتضا نہیں۔ کہ ہم ان لوگوں کی جوانی سے فایدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں نکال دیں۔

آپ ہمیشہ اپنے سپہ سالاروں کے نام یہ تاکیدی احکام لکھا کرتے تھے۔ کہ جنگ کے دوران میں عورتیں، بڈھے اور گوشہ نشین قتل نہ کئے جائیں۔ پھلدار درختوں اور آباد عمارتوں کو تباہ نہ کیا جائے۔ غیر مذاہب کے لوگوں کو ان کے دینی امور میں آزاد رکھا جائے۔ عاملوں (گورنروں) کو فرمانوں میں یہ ہدایات لکھی جاتیں کہ تہبند باندھو چادر اوڑھو۔ اور موٹے کپڑے پہنو۔ پھٹ جائیں تو پیوند لگاؤ۔ دھوپ کے عادی بناؤ۔ اسمٰعیلی لباس اپنا شعار بناؤ۔ عجمی ملابس اور عیش و عشرت سے پرہیز کرو۔

ایک دفعہ عید الفطر کے دن لوگوں نے حضرت فاروق رض کو ایسے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔ جن میں جابجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور آپ برہنہ پا بازار میں جا رہے تھے۔ وہ حیران ہو کر سبب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ "عزت کیلئے اسلام ہی کافی ہے"

بیت المال کی حفاظت آپ کے سپرد تھی۔ جب احنف بن قیس مہم عراق سے واپس آیا۔ تو اس سے دیکھا۔ کہ حضرت رض اپنی چادر کمر سے باندھے عین دوپہر کے وقت صدقہ کا گم شدہ اونٹ تلاش کر رہے ہیں۔ آپ نے احنف سے بھی کہا۔ کہ آؤ بھائی اسے تلاش کریں۔ کہ یتیموں اور بیواؤں کا حق ہے۔ کسی نے عرض کی۔ حضرت آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ بیت المال کے ملازم خود ہی ڈھونڈ لائیں گے۔ فاروق اعظم رض نے فرمایا۔ مجھ سے اور احنف سے اچھا نوکر کون ہوگا۔

ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ حضرت عثمان رض نے دوپہر کے وقت جبکہ پرندوں کے پر جلتے تھے آپ نے غرفے سے دیکھا۔ کہ ایک شخص نیلی چادر سر سے باندھے دو اونٹ لئے جا رہا ہے۔ فرمایا اس شخص کو کیا مصیبت پڑی ہے۔ کہ ایسی گرمی میں اونٹ لے جانے کی زحمت اٹھا رہا ہے۔ کسی نے کہا۔ کہ یہ حضرت عمر رض ہیں۔ حضرت عثمان رض نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔ امیر المومنین آپ اس وقت کہاں جاتے ہیں۔ لائیے میں آپ کا کام کئے دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بیت المال کے اونٹ چراگاہ کو بھیجے تھے ان میں سے یہ دو رہ گئے ہیں۔ آپ آرام فرمائیے میں پہنچائے دیتا ہوں۔

اللہ اللہ! خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود فاروق اعظم رض نے کس سادگی اور جفاکشی سے زندگی بسر کی۔ اور خلق اللہ کی خدمت کیلئے کس طرح مستعد اور کمربستہ رہے۔ شاہانہ جاہ و حشمت، سلطنت اور عزت کے ہوتے ہوئے آپ نے خواہش نفسانی کی ذرہ بھر بھی پیروی نہیں کی۔ بلکہ اپنے کو سب مسلمانوں کا خادم خیال کیا۔ سچ ہے۔ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُہُمْ۔

دنیا میں اگر کوئی افسر ہے۔ تو اُسے اپنی افسری پر ناز ہے۔ امیر ہے تو اُسے اپنی امارت کا گھمنڈ ہے۔ بادشاہ ہے تو اسے اپنی بادشاہت پر فخر ہے۔ لیکن حضرت عمر رض سب کچھ ہونے کے باوجود دنیوی شان و شوکت پر مطلق نازاں نہ ہوئے۔ اور اپنے آپ کو مخلوق کا ایک ادنیٰ خدمتگذار سمجھتے رہے۔

قیصر روم نے اپنے ایک سفیر کو ہدایت کر کے بھیجا۔ کہ اگر موقع ملے تو امیر المومنین رض کا سر قلم کر دینا۔ جب وہ مدینہ میں پہنچا تو اُسے خیال آیا۔ کہ میں قصر خلافت تک کیونکر پہنچ سکوں گا۔ جب دریافت کیا تو معلوم ہوا۔ کہ آپ کسی خاص محل یا آراستہ مکان میں آرام نہیں فرماتے۔ بلکہ فقیرانہ طور پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ جب سفیر مذکور حضرت فاروق رض کی خدمت میں حاضر ہوا

تو کیا دیکھتا ہے کہ آپ فرش خاک پر سو رہے ہیں۔ دیکھتے ہی بدن پر رعشہ پڑ گیا۔ اور اسقدر رعب خلافت طاری ہوا۔ کہ ایک حرف تک زبان پر نہ آسکا۔

آپ کا فرزند ابوشحمہ شراب پیتا ہے۔ دربار خلافت میں شکایت پہنچتی ہے۔ حضرت فاروق رضؓ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو جاتا ہے حکم دیتے ہیں۔ کہ اسکو پکڑ لاؤ۔ حاضر ہوتا ہے تو اس پر شرع کی حد (۸۰ درے) لگادی جاتی ہے۔ کہرام مچ جاتا ہے۔ کہ اسکی بجائے ہمیں لگا لیجئے۔ اسکا نازک جسم اتنی بڑی سزا برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر وہ انصاف مجسم مُصر ہوتا ہے۔ کہ جس نے جرم کیا وہی سزا کا مستوجب ہے۔ چنانچہ خلیفہ کا فرزند باپ کے سامنے ستر کوڑے کھا کر جان دیدیتا ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ باقی ماندہ دس کوڑے اس کی لاش پر لگائے جائیں۔ کیا یہ عدل و مساوات کی انتہا نہیں ؟

ہمدردی کا یہ حال تھا۔ کہ ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ کہ ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے۔ اس کے قریب جا کر کہا۔ دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہا جنگ موتہ میں میرا داہنا ہاتھ جاتا رہا۔ حضرتؓ کو اسقدر رقت ہوئی۔ کہ رونے لگے۔ فرمایا افسوس تم اپنے ضروری کام کسطرح انجام دیتے ہوگے ؟ اور اس کیلئے ایک خدمتگار مقرر کر دیا۔
جب آپکو معلوم ہوا کہ مدینے کی عورتیں اپنے شوہروں کی جدائی میں غمناک رہتی ہیں۔ تو فوراً حکم دیا۔ کہ کوئی سپاہی چار ماہ سے زیادہ میدان جنگ میں نہ رہے۔
غرض فاروق اعظمؓ کی سیرت شاہان اسلام کیلئے ایک بہترین اسوۂ عمل ہے۔ اسلامی تعلیم کا ایک مکمل عملی نمونہ دیکھنا ہو۔ تو اس مقتدر خلیفۃ المسلمین کی زندگی کا مطالعہ کرو۔

قریش کی نمائندہ جماعت

ندوۃ القریش کے مقاصد

(۱) تبلیغ و اشاعت اسلام (۲) انسداد رسومات قبیحہ
(۳) تعلیمی، معاشری۔ اقتصادی اور زراعتی ترقی کے وسائل پر عمل۔
(۴) اتحاد و یگانگت، اخوت و مروت، صلہ رحمی و ایثار، استقلال و ثبات، حسن اخلاق،
(۵) احسان، ہمدردی و رواداری کی خو پیدا کرنا۔ (۶) اعمال حسنہ سے روابط و ضوابط باہمی مستحکم استوار کرنا۔
(۷) قومی تنظیم (۸) غیر مستطیع مستحقین کی مناسب امداد و اعانت

چندہ داخلہ ۱عہ چندہ ممبری سالانہ ۱۲عہ پیشگی یکمشت

بادۂ کہن

آرزو

(از کلکِ گوہر سلک مولانا ظفر علیخاں صاحب)

میری جاں پر چھائے جاتی ہے فنا کی آرزو
اور زباں پر آئے جاتی ہے بقا کی آرزو

میں خبر جس مبتدا کی ہوں کہاں گم ہو گیا
میری آنکھوں کو ہے میرے نقشِ پا کی آرزو

ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں اسلام کو لیکر چراغ
کافرِ مسلم نما کو ہے خدا ...... کی آرزو

صدق میں صدیقِ اکبرؓ سے الگ میری روش
لیکن اس پر بھی صداقت کے لوا کی آرزو

عدل میں فاروقِ اعظم سے جدا میرا شعار
لیکن اس پر بھی خلافت کی قبا کی آرزو

شرمِ دیں میں ضد ہوں میں عثمانؓ کے آئین کی
لیکن اس پر بھی ہے شانِ حیا کی آرزو

دست و بالشکستگی پر بھی مرے دل میں رہی
زورِ بازوئے علیِ مرتضےٰ کی آرزو

آنکھ "مازاغ البصر" کے سرمہ سے بیگانہ ہو
حیف ہے پھر بھی ہو اسکو "ماطغیٰ" کی آرزو

"لیس للانسان الا ما سعیٰ" کو بھول کر
آرزو میری بھی ہے کیسی بلا کی آرزو

اے مسیحا کی نوید اے ابن آذر کی دعا
بلکہ خود خلاقِ اکبر کی قضا کی آرزو

اٹھ کہ ہے تیری دوا ہی تیری امت کا علاج
ملتِ بیضا کو ہے تیری دعا کی آرزو

جاگ جاگ اے نیند کے ماتے کہ تیری قوم کو
ہے اسی منزل میں اپنے راہ نما کی آرزو

رات اندھیری کارواں جنگل میں او چپ ہے جرس
قافلہ کو ہے تیری بانگِ درا کی آرزو

تاریخ کا ایک صفحہ

آل ہاشم کو اپنے سنگدل ہموطنوں کے بیرحمانہ فیصلہ کی بنا پر مکہ کی شہریت کے جملہ حقوق سے محروم ہو کر پہاڑ کے ایک تنگ درہ میں جہاں اناج کا ایک دانہ بھی اڑ کر ان تک نہ جاسکتا تھا۔ جو جو عقوبت انگیز سختیاں سہنی پڑیں۔ انکی تفصیل انسان کی انتہائی مظلومیت کا ایک پُر درد افسانہ ہے۔ اگرچہ خدائے رحمان رحیم کی شان مقلب القلوبی بے مہر دشمنوں کے پتھر دلوں کو نرم کر کے خود انہیں ہاتھوں سے اسلام کی بیڑیاں کٹوا دینے والی تھی جنہوں نے اسے پابزنجیر کیا تھا۔ اور کچھ ہی زمانہ پہلے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ بھی ہو چکا تھا۔ کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (جن لوگوں نے ایمان لا کر اچھے عمل کئے ہیں خدائے رحمٰن یقیناً انکی طرف سے کفار کے دلوں میں عنقریب گرویدگی پیدا کر دیگا) لیکن اس بشارت کو اپنا جمالی رنگ دکھانے کیلئے ابھی تین سال کے انقضا کی احتیاج تھی۔ اس طویل مدت میں شعب ابوطالب کے محصورین جنگلی بوٹیوں کی پتیاں کھا کھا کر زندگی کے دن کاٹتے رہے کسی کو اگر کہیں سے خشک چمڑے کا ٹکڑا ہاتھ آجاتا تو وہ اسی کو پانی میں بھگو کر کھا لیتا تھا اور اسے بڑی نعمت سمجھتا تھا۔ ماؤں کی خشک چھاتیوں میں دودھ نہ پا کر بچے بھوک سے بلکتے تھے۔ اور ان کے رونے اور کراہنے کی آواز سنکر کفار جو درہ کے باہر کان لگائے کھڑے رہتے تھے۔ خوش ہوتے تھے۔

دشمنان حق وصداقت کی یہ خوشی بے وجہ نہ تھی۔ وہ اسلام کو اپنے سامنے سسک سسک کر دم توڑتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ انہیں یقین تھا۔ کہ وہ ان دیکھا اور ان بوجھا خدا جس کا نام لے کر عبدالمطلب کا پوتا انہیں ایک فرضی عذاب سے ڈرایا کرتا تھا۔ اب اُسے ان کی گرفت سے نہ چھڑا سکیگا۔ ان کا دل مطمئن تھا۔ کہ (نعوذ باللہ) پیشوائے اسلام کے خاتمہ کے ساتھ وہ قوت خود بخود مٹ جائیگی۔ جو ان کے مذہب اور معاشرت کے دیرینہ نظام کو تہ و بالا کر رہی تھی۔ پھر نہ توحید کی بانگ بے ہنگام ان کے کان میں ناشور ڈالیگی۔ نہ بعث بعد الموت کی تبلیغ کا کابوس ان کے سینے پر سوار ہوگا۔ نہ لات وہبل کی پرستش سے انہیں روکنے کی کسی کو جرات ہوگی۔ نہ من مانے افعال کے ارتکاب سے انہیں جزا و سزا کا کوئی خیالی ضابطہ رکھ سکیگا۔

قریش کی ان گونا گوں مسرتوں کا ایک بڑا باعث یہ بھی تھا۔ کہ جس پیکر قدسی کی تعذیب کے لئے انکی ستم شعاری نے اس قدر اہتمام کئے تھے۔ اسے مسیحیت کی جمالی تعلیم کے ساتھ ایک خاص لگاؤ تھا۔ اور ایسے شخصوں کی تکلیفوں سے ان کا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا تھا جس نے مسیح علیہ السلام کی یاد کو ایک نئے انداز میں تازہ کرتے ہوئے انجیل کی تصدیق کے ساتھ مسیحیوں کے دل میں گھر کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ سچ ہے۔ کہ جناب مسیح علیہ السلام کی ذات خاص کے ساتھ انہیں کوئی عناد نہ تھا۔ بلکہ بُت پرستوں کی اس عام عادت کے مطابق کہ خالص توحید کے سوا باقی تمام انسانی معتقدات کے ساتھ رواداری برتنی چاہیئے۔ انہوں نے لاف ومنات کی طرح جناب مسیح کو بھی اپنے معبودوں کے کثیر الافراد حلقہ میں داخل کر لیا تھا۔ چنانچہ فتح مکہ کے وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے حکم سے تمام بُت کعبہ سے نکالے گئے۔ توان میں حضرت مریم کی ایک مورت بھی موجود تھی۔ لیکن مسیحیت کو جو چوتھی صدی سے سیاسی حیثیت اختیار کرکے جوع الارض میں مبتلا ہوگئی تھی۔ وہ اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ کعبہ کے انہدام کی غرض سے ابرہۃ الاشرم کی فوج کشی ان کی رائے میں صاف اس امر کی دلیل تھی۔ کہ مسیحیت عرب کے کان میں اپنی غلامی کا حلقہ ڈالنے پر تلی ہوئی تھی۔ یمن کو قیصر روم کے حلیف کے مسیحی اقتدار سے آزاد کرانے کیلئے ایران سے اگر مداخلت کی استدعا کی گئی۔ تو اسکی تہ میں بھی یہی جذبہ چھپا ہوا تھا۔ کہ اگر غیروں کا محکوم ہی ہوکر رہنا ہے۔ تو مسیحیت سے آتش پرستی بمراتب افضل ہے۔ قریش کے دل میں اپنے اس وفد کی ناکامی کی یاد بھی کانٹا بن کر کھٹک رہی تھی۔ جو مہاجرین اولی کی حوالگی کے مطالبہ کیلئے نجاشی کے دربار میں پہنچا تھا۔ مگر خائب خاسر ہوکر بے نیل ومرام واپس آیا تھا۔ ایک مسیحی دربار کی طرف سے سفار مکہ کی یہ بے توقیری ایک ایسی ذلت تھی۔ جسے قریش کی آبائی عزت بآسانی گوارا نہ کرسکتی تھی۔

اسی لئے جب خسرو پرویز کی توبرتو فتوحات اور قیصر روم کی پے درپے شکستوں کی خبریں مکہ میں پہنچیں اور واقعات کی رفتار نے تمام دنیا کے ساتھ عرب کو بھی یقین دلادیا۔ کہ آتشکدہ فارس کی روشنی کے سامنے روم کی مسیحی مشعل ہمیشہ کیلئے ماند پڑگئی ہے تو قریش کے گھروں میں گھی کے چراغ جلنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ شعب ابوطالب میں نظر بند تھے۔ مگر زبان حقیقت ترجمان بند نہ تھی اور قلب مبارک دروازہ روح الامین کے نزول کیلئے آٹھوں پہر کھلا تھا۔ قیصر روم کی تباہی وبربادی کے چرچے زیادہ ہونے لگے۔ تو جبرئیل امین آسمان سے یہ پیغام لائے۔

الٓمٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّومُ ۙ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۙ فِي بِضْعِ سِنِينَ ۗ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِن قَبْلُ وَمِن بَعْدُ ۚ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ ۚ يَنصُرُ مَن يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

الٓمٓ۔ روم اگرچہ مشرق ادنیٰ میں مغلوب ہوچکا ہے۔ لیکن عنقریب چند ہی سال میں پھر غالب آجائیگا۔ فتح وشکست کا اختیار اس سے پہلے بھی خدا کو تھا۔ اور اس کے بعد بھی اسی کو حاصل ہے۔ اور جس دن روم کو پھر غلبہ ہوگا۔ اسی دن مسلمانوں کو بھی خدا کی طرف سے مدد پاکر خوشی حاصل ہوگی۔ خدا جس کو چاہتا ہے نصرت دیتا ہے۔ اسلئے کہ وہ توانا ورحیم ہے۔ یہ خدا کا وعدہ ہے اور خدا کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اگرچہ بہت سے لوگ ایسے ہیں۔ جو اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔

یہ عظیم الشان بشارت جس کی محیر العقول صداقت نے ارباب بینش کیلئے عالم غیب کے حقائق کا ایک دریا بہا دیا ہے۔ دو جداگانہ تاریخی واقعات کا سرچشمہ ہے۔ اسکا پہلا دعویٰ یہ ہے کہ ہزیمت خوردہ رومی چند سال میں دوبارہ فتحیاب ہونگے۔ اسی کی ذیل دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ رومیوں کی فتحیابی کے ساتھ ہی مسلمان مظفر ومنصور ہوں گے۔ "بضع سنین" (چند سال) سے اسلامی مفسرین نے کم سے کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس سال کی مدت مراد لی ہے۔ اور اس تعبیر کا مؤید یہ تاریخی واقعہ ہے۔ کہ جب سورہ روم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک مجمع عام میں ان کی تلاوت فرماتے ہوئے "بضع سنین" کا مفہوم تین سال بیان کیا۔ تو کفار نے حسب معمول بڑے شد ومد سے اس کی تکذیب کی۔ اور جب آپ کی قوت ایمانی نے آپ سے بے اختیار کہلوایا

کہ دعوے کے صحیح نہ نکلنے کی صورت میں آپ دس اونٹ ہارنے کیلئے تیار ہیں۔ تو ابی ابن خلف نے جو ایک کٹر کافر تھا۔ بآمادگی تمام یہ شرط قبول کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ کی لدنی استعداد نے جناب صدیق اکبر کے بیان کی تصدیق اس اضافہ کے ساتھ فرمائی۔ کہ "بضع سنین" کی اقل مدت بیشک تین سال ہے۔ لیکن اسکا انتہائی زمانہ دس سال بھی ہے۔ اس ترمیم نے شرط کے اونٹوں کی تعداد دس سے بڑھا کر سو کر دی۔ ابی کو جسے حقائق نفس الامری نے اپنے دوسرے ہمنشینوں کی طرح جتلا دیا تھا۔ کہ اب نہ رومیوں کو کبھی فتح ہو سکتی ہے اور نہ مسلمانوں کا ستارہ چمک سکتا ہے یقین ہو گیا۔ کہ اس بازی میں جیت اسی کو ہو گی۔

خدائے بزرگ و برتر کا وعدہ برحق جس طرح پورا ہوا۔ دنیا جسے ایک امر محال سمجھ رہی تھی۔ اس نے جس طرح یک بیک ایک حقیقت نفس الامری کی شکل اختیار کر لی۔ پردۂ شب کی گھٹا ٹوپ ظلمتوں سے آفتاب سیغلبون کی پہلی کرن نے ۶۲۳ء میں پھوٹ کر جس طرح ہرقل کو فتح کیا۔ نصرت کا رستہ دکھایا۔ اور پھر اسی کرن کی تجلیوں نے جس طرح بدر کے میدان کو مطلع الانوار بنایا۔ یہ کوئی جن و پری کا افسانہ نہیں رستم و اکوان کا قصہ نہیں۔ سحر کیانی کی سیمیائی نمود نہیں جسے "اساطیر الاولین" کہہ کر مذاق میں اڑایا جاسکے بلکہ جیتے جاگتے بولتے چالتے تاریخی واقعات ہیں۔ جن پر اگر نگاہ امعان ڈالی جائے تو چودہ طبق روشن ہو سکتے ہیں۔

شاہجہان کی آخری آرزو

(چوہدری محمد طفیل صاحب نیر بی۔ اے کے قلم سے)

کہتے ہیں جب علیل بہت شہجہاں ہوا — وہ سال اس کے حق میں مصیبت لزوم تھا
بال ہما وبال دل خستہ جاں ہوا — طاؤس تخت شومئ قسمت کا بوم تھا

کی بے وفائی قسمت انساں فریب نے
یعنی کہ قید کر لیا اورنگ زیب نے

اس طرح قید و بند میں مدت بسر ہوئی — آخر کو ساعت مرض الموت آگئی!
شاہ جہاں کی سانس چراغ سحر ہوئی — اور مردنی سی چہرہ اقدس پہ چھا گئی!

فرزند ارجمند نے کی عرض "یا ابو"
ارشاد کیجئے ہو اگر کوئی آرزو!

فرمایا "لے چلو مجھے ایسے مقام پر — آئے جہاں سے "تاج محل" کا نظر مزار
تعمیل حکم کی گئی قلعے کے بام پر — نظارہ کر کے ہو گیا دل اور بیقرار

لب سے صدا یہ آئی "زمانہ بدل گیا"
آنکھیں رہیں مزار پہ اور دم نکل گیا

نوروزِ فلک!

(از جناب محمود اسرائیلی صاحب)

نظام شمسی کی بزم دلکش میں رقص گیتی کا ہو رہا تھا ‏ فلک کے کاکل میں دستِ فطرت ہزاروں انجم پرو رہا تھا
بچھایا جاتا تھا فرش دیبا سجایا جاتا تھا قوس کا در ‏ ہوائیں جاروب کش بنی تھیں سحاب مشکیزے ڈھو رہا تھا
سجا کے لایا تھا طشت زریں میں باغ جنت کے پھول رضواں ‏ عرق سے رخسار حور و غلماں ان گلوں کو بھگو رہا تھا
ہر اک کو تھا شوق جامہ زیبی ہر اک کو تھا ذوق خود نمائی ‏ نگار خانہ میں دہر کے مہ جبیں کے کچھ داغ دھو رہا تھا
دکھاتی تھی برق جب فتیلہ چلاتا تھا رعد اپنی توپیں ‏ فضا کا چونک اٹھتا تھا وہ ذرہ جو ایک مدت سے سو رہا تھا
فضا کی قلزم میں مثل کشتی ہزاروں اقلیمیں تیرتی تھیں ‏ فلک کسی کو اچھالتا تھا کسی کو اس میں ڈبو رہا تھا
حباب کی طرح جن و انساں کھیلتے تھے ورطہ میں کشمکش کے ‏ ابھر کے گر کوئی ہنس رہا تھا تو پھوٹ کر کوئی رو رہا تھا

کھلا تھا قدرت کا میکدہ اور ہر ایک کو جام بٹ رہے تھے
کسی میں بھرتے تھے سم قاتل کسی میں صہبا الٹ رہے تھے

کچھ ایسا معلوم ہو رہا تھا بدل گیا دورِ آسماں کا ‏ بجائے گل ہوگا نور ہی سے خمیر معمورۂ جہاں کا
چلے گی بادِ مراد ہر سو فضائے عالم کچھ اور ہو گی ‏ جو خار ہے دشت بیکراں میں بنے گا وہ پھول گلستاں کا
وہ دور امن و اماں رہے گا کہ گوشہ گوشہ سے گلستاں کے ‏ خزاں کے موسم میں بھی نہ سرکیگا تنکا بلبل کے آشیاں کا
نہ کام آئیگی چیرہ دستی مٹیں گی ظلم و ستم کی راہیں ‏ زبان شمشیر کند ہو گی گریگا پھل سوکھ کر سناں کا
کہاں کی تفریق رنگ ملت کہاں کا سودائے نسل و عظمت ‏ حقوق سب کے مساوی ہونگے غرور ٹوٹیگا حکمراں کا
جنہیں ہے کچھ ناز علم و دولت جنہیں ہے کچھ نشۂ فضیلت ‏ وہ خوابِ غفلت سے اپنی چونکیں قریب ہے وقت امتحاں کا

نظام شمسی میں جو ستارے ہیں اس جہاں کو وہ تک رہے ہیں
کہ دیکھیں کب اٹھیں ابھر کر وہ ذرے جو کچھ چمک رہے ہیں

کسی کی جُستجو

(نذیر محمد خاطف علی پوری)

مَیں نے صبح کے وقت طلوع ہونیوالے آفتاب سے پوچھا ——

"آفتاب عالمتاب! تم کس لئے مشرق کو مغرب سے ملا دیتے ہو" ؟

—— اس نے جواب دیا،

خاموش مجھے کسی کی جُستجو ہے!

—— اور اسکے بعد اسکا چہرہ زرد ہوگیا!

مَیں نسیم صبح سے ملا، تو سوال کیا —— "اے نکہت پاش

نسیم! تو کس لئے دن بھر دشت پیمائی کرتی رہتی ہے"؟

—— اس نے ایک آہ بھری اور کہا،

"چپ رہو! —— مجھے کسی کی تلاش ہے"

اور اس کے بعد وہ اُڑ گئی!

شام کے پھول پر میری نظر پڑی، تو میں نے استفسار کیا ——

"شاہد رنگیں! تم کس لئے گریباں دریدہ ہو؟"

—— پھول میں ایک درد آفریں لرزش پیدا ہوگئی اور وہ

افسردہ تبسم سے کہنے لگا —— "آہ! مجھے کسی کا انتظار ہے"،

اور اس کے بعد اس نے پردہ شب میں اپنا منہ چھپا لیا!

عندلیب بہار کو دیکھا، تو میں نے پوچھا —— "اے شوریدہ سر!

تو کس لئے تمام دن معروف فغاں رہتی ہے؟"

—— بلبل نے ایک درد زا فریاد بلند کی، اور رو کر کہنے لگی

"ہائے کچھ نہ پوچھ! —— مجھے کسی کی یاد ستا رہی ہے"

اور وہ تڑپ کر شاخ گل سے گری اور خاموش ہوگئی!

مَیں نے بہتے ہوئے دریا کو دیکھا تو سوال کیا —— "اے

موسیقی سیال! تو کس لئے پتھروں سے سر پھوڑ رہا ہے؟"

دریا کی جبیں شفاف پر شکن پڑ گئے اور وہ کہنے لگا،

"آہ! کیا پوچھتے ہو؟ مَیں مجبور ہوں!"

اور اس کے بعد وہ اتنا رویا، کہ آنسوؤں کی ندیاں نکلیں!

جذبات فہمی

جلوہ نما ہے کوئی گلشن کی ہر کلی میں ۔۔۔ ہے نغمہ ریز کوئی جنگل کی خامشی میں

اِک دِل دیا ہے تم کو اک جان دی ہے تمکو ۔۔۔ دو کام کر چلا ہوں دو دن کی زندگی میں

لائی تھی جس گلی میں قسمت کی رہنمائی ۔۔۔ قسمت کو ڈھونڈتا ہوں اب میں اُسی گلی میں

بے بس نہیں ہوں ہرگز بیکس مجھے نہ سمجھو ۔۔۔ طاقت ہے ایک پنہاں اس میری بیکسی میں

بے یار آئے تھے ہم بے یار جا رہے ہیں ۔۔۔ ہمدم ملا نہ کوئی ہم کو تو زندگی میں

خوش ہو رہا ہے فہمی اس عارضی خوشی پر ۔۔۔ ماتم کدے ہیں لاکھوں پنہاں تری ہنسی میں

حیدرآباد دکن

ارتقائے صنعت وتجارت

نظم ونسق ۔ مسٹر غلام علی محمدی حسب سابق انچارج سررشتہ رہے۔ اور مسٹر کرمار کر ومسٹر این کے پی پلے بحیثیت انڈسٹریل انجنیئر وماہر فن پارچہ بافی کارگذار رہے۔ مسٹر کرمار کر نے اپنے فرائض کے علاوہ چھ ماہ تک چیف انسپکٹر فیکٹریز و بائلرز کے کام کو بھی بطور منصرم انجام دیا۔

سرکاری کارخانجات واداره جات کاٹیج انڈسٹریز انسٹی ٹیوٹ کی تکمیل ہوکر بہمن سے اسمیں کام شروع ہوا آمدنی اور جو اسٹاک موجود تھا اس کی منہائی کے بعد انسٹی ٹیوٹ کا صرفہ سال زیر رپورٹ کی بقیہ مدت کی بابت پندرہ ہزار سے کم تھا۔ اس انسٹیٹیوٹ اور سیلیس ڈپو دونوں کا آغاز اچھی طرح ہوا۔ آخر الذکر نے انسٹیٹیوٹ کی اور گھریلو تیار کردہ اشیاء قیمتی گیارہ ہزار کو فروخت کیا۔ اور بیدری اشیاء سندگار یڈی کے ریشمی پارچہ جات و دیگر اس قسم کی اشیاء کو بازار میں مقبولیت حاصل رہی آزمائشی کارخانہ قالین باقی بمقام ورنگل کو قالین بافوں کے طرز عمل سے جنکی امداد کیلئے وہ تیار کیا گیا تھا۔ مختلف دقتیں پیش آئیں۔ تاہم اختتام سال کے قبل اس میں عمدہ قالین تیار ہونے لگے۔ اور یہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کارپٹ کمیٹی کی مدد سے بالآخر اس کے مقاصد حاصل ہوجائیں گے۔ ویونگ ڈیمانسٹریشن پارٹیز نے جو ملک سرکار عالی کے مختلف مرکزوں میں کارگذار ہیں۔ اچھے نتائج بنانا شروع کئے ہیں۔ خصوصاً جدید رنگوں اور رنگریزوں نے جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے اشتیاق کے ساتھ اختیار کر لیا ہے۔

سرکاری کارخانہ صابون سازی نے اپنا تیسرا سال ختم کیا ہے۔ سال زیر رپورٹ میں پہلی مرتبہ ٹائلٹ صابن بازار میں لائے گئے اور معلوم ہوا۔ کہ عام طور پر پسند کئے گئے ہیں مگر انکی فروخت کے انتظامات میں مختلف مشکلات تجربہ میں آئیں۔ اور کارخانہ میں جو اشیاء خام تھیں۔ انکی قیمت میں زبردست کمی ہوگئی ہے علاوہ ازیں حقیقی زائد صرفہ جو سرکار کو تین سال میں ہوا ہے۔ اسکا اوسط تقریباً چار ہزار ہے۔ اور اس توقع پر کہ فروخت میں بہت جلد ترقی ہونے کی وجہ سے جلد منافع ظہور پذیر ہوگا۔ یہ تصفیہ کیا گیا ہے کہ اور ایک سال تک اس آزمائش کو جاری رکھا جائے۔

صنعتی پیمائش صنعت چرم کی پیمائش کی تکمیل کیٹن گھیتی نے کی، اور رنگریزی کی صنعت کی پیمائش اس حد تک ہوچکی ہے۔ کہ رپورٹ مرتب کی جاسکے۔ صنعت نمک سازی کے متعلق مسٹر کیپیل رام وکیل کی رپورٹ پر تصفیہ کیا گیا۔ کہ مزید تحقیقات کی ضرورت ہے۔ چنانچہ کیپٹن ہن آفیسر انچارج سررشتہ کندیدگی باولیات ضلع رائچور کی مدد سے اس تحقیقات کو انجام دیا جا رہا ہے صنعت گودہ وکاغذ سازی کی توقعات کی پیمائش شروع کی گئی اور ابتدائی نتائج انڈین ٹیرف بورڈ کے سامنے پیش کئے گئے۔ اب

رپورٹ چھپ کر شائع ہوگئی ہے۔

صنعتی رقبہ اسکیم تحفظ و آراستگی صنعتی رقبہ کو پیش گاہ خداوندی سے شرف قبولیت حاصل ہوا۔ رقبہ کی ترتیب و آراستگی شروع ہوگئی ہے۔ ادچند قطعات قبل ازیں فرخت ہو چکے ہیں۔ اب حیدرآباد میں صناعوں کو بہترین مواقع حاصل ہیں۔ ملک سرکار عالی میں کوئی انکم ٹیکس عائد نہیں کیا جاتا۔ اور مصنوعات کی جملہ درآمد پانچ فیصدی محصول وصول کیا جاتا ہے۔ دارالسلطنت کے چہار طرف عمدہ ریلوے سسٹم پھیلا ہوا ہے جسے برٹش انڈیا کی صدر لائنوں سے ملا دیا گیا ہے جن میں سے دو لائنیں ملک سرکار عالی میں سے گذری ہیں۔ لہذا سرکار عالی کو اعتماد ہے کہ موجودہ عالمگیر کساد بازاری گذر جانے پر ملک سرکار عالی میں قیام کارخانجات کے مواقع مزید توجہ مبذول کرائیں گے۔

مالیہ اور عام ترقی سررشتہ ہذا کے کام کیلئے جزاً عام موازنہ سے اور جزاً انڈسٹریل ٹرسٹ فنڈ کی آمدنی سے روپیہ دہیا کیا جا رہا ہے۔ متفرقہ ڈبنچر رقمی دس لاکھ روپیہ جو شاہ آباد سمنٹ کمپنی کے ذمہ ہنوز باقی تھا۔ سال زیر رپورٹ میں واپس وصول ہوا۔ اور جدید قرضہ ڈبنچر رقمی بارہ لاکھ عثمان شاہی ملز کو اجرا کیا گیا۔ تاکہ وہ اپنے دیگر قرضہ جات کو ادا کر دے۔ اور بورڈ میں مقامی حصہ داروں کی کافی نمائندگی حاصل کرے۔ باستثناء دکن گلاس ورکس دیگر جملہ کاروبار جن کے لئے سرکار سے اب تک امداد دیگئی ہے۔ سرسبز ہو رہے ہیں۔ فنڈ مذکور کی آمدنی سے متعدد چھوٹے چھوٹے قرضہ جات دیئے گئے۔ تاکہ عالی ہمت اشخاص اپنے کاروبار میں ترقی کریں۔ یا نئے کام شروع کریں۔ ان کی دو تمثیلیں یہ ہیں کہ سات ہزار کا قرضہ عبدالحمید خاں کو اس لئے دیا گیا۔ کہ وہ اپنے کارخانہ ہمو بافی میں جیکارڈ لومس نصب کریں۔ جو برقی قوت سے چلائے جائیں۔ اور تیرہ ہزار کا قرضہ محمد یعقوب مالک روز بسکٹ فیکٹری کو دیا گیا۔ تاکہ اپنے کارخانہ کیلئے حالیہ مشنری خریدیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے قرضہ جات کئی سال سے وقتاً فوقتاً منظور ہو رہے ہیں۔ باوجود حسابات کے نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ چند قرضہ جات کی بیباقی کے متعلق یقین نہیں ہے۔ مگر مجموعی طور پر قرضہ جات اجرا شدہ کی وصولی اچھی ہے۔ اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس پالیسی کو کامیابی حاصل ہے۔ فنڈ مذکور سے وظائف تعلیمی اور تنخواہیں بھی دی گئی ہیں۔ تاکہ نوجوان اشخاص بیرون ملک سرکار عالی برطانیہ ہند کے دوسرے حصص میں ٹریننگ حاصل کریں۔

محصولات کروڑگیری میں تغیرات بربناء رپورٹ ٹیرف کمیشن سال د زیر رپورٹ متعلق احکام جاری ہوئے۔ بلدہ حیدرآباد میں جو محصول چونگی عائد کیا جاتا تھا۔ وہ بھی موقوف کیا گیا۔ سرکار عالی کے تقسیم کردہ اصولوں کے لحاظ سے اسکی ضرورت ہے کہ سرکار عالی کے مقاصد کی تکمیل کیلئے مزید تفصیل احکام اجرا ہوں۔ چنانچہ ایک جدید شیڈول (فہرست) اسوقت زیر بحث ہے۔ جو احکام قبل ازیں اجرا ہوئے ہیں۔ ان سے مقامی صنعت کی ترقی میں ایک نمایاں قوت پیدا ہوگئی ہے۔ اور اسمیں شک نہیں ہے کہ جب کہ محصولات کی ترمیم بطریق قطعی طور پر ہو جائیگی۔ تو اس سے ملک کو بہت فائدہ ہوگا۔

تجارت تجارت سال زیر رپورٹ میں جدید تختہ جات تجارت شروع کئے گئے ہیں۔ نتائج علیحدہ شائع ہوں گے۔

مختلف طریقہ ہائے مندرجہ بالا کے علاوہ سررشتہ تجارت و حرفت صناعوں اور دیگر اشخاص کو ہر طرح کے ذرائع سے امداد کرتا رہا ہے

اور تجارتی و صنعتی پبلک اور محکمہ جات سرکاری کے مابین ایک درمیانی حیثیت سے اکثر کام کیا گیا ہے خصوصاً انجینئرنگ پہلو سے انڈسٹریل انجینئر نے ان لوگوں کو جو کارخانہ جات قائم کرنا چاہتے تھے۔ اور ان لوگوں کو جن کے کارخانہ جات پہلے سے قائم تھے مفید مشورہ دیا ہے بسٹر محمدی ناظم اور ان کے تحت عہدہ داران جو ہمہ جانب عمدہ کام کر رہے ہیں۔ اسکی سرکار عالی قدر کریں گے

(ناظم دفتر سررشتہ معلومات عام سرکار عالی)

رجز اسلام

(یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب وزیر اعظم دولت حیدر آباد)

جس میں اثر نہیں کچھ وہ ہے فغاں ہماری
مانے ہوئے تھا شاہی سارا جہاں ہماری

بے نام و بے نشاں ہیں گم کردہ کارواں ہیں
ہند و عرب کے دریا قبضہ میں تھے ہمارے

مغرب کی وادیوں میں پڑھتے تھے ہم نمازیں
شیرازۂ سیاست بکھرا تھا ہم نے باندھا

اک دن وہ تھا کہ عزت دیتے تھے ہم جہاں کو
اک دن وہ تھا کہ نوبت بجتی تھی اپنے در پر

خیبر کے پتھروں میں گاڑا ہے ہم نے نیزہ
ہم نے دہوئیں اڑائے روما کی سلطنت کے

ہم کیا تھے یروشلم کے مینار جانتے ہیں
فغفور اپنا تابع قیصر مطیع اپنا

کفار کے سروں پر چمکیں ہماری تیغیں
ہم آٹھ سو برس تک فرمانروا رہے ہیں

دنیا کے بتکدوں کو ہم نے بنا یا مسجد
ہر طرح شاد کامی ہم کو رہی میسر

اے شاد ہم ہیں حق پر تم یہ یقین رکھو

خونناب ریز آنکھیں ہیں رائیگاں ہماری
سمجھے ہوئے تھا عزت ہندوستاں ہماری

پوچھو نہ حالت دل اہل جہاں ہماری
جاری سمندروں میں تھیں کشتیاں ہماری

غاراں کی گھاٹیوں میں گونجی اذاں ہماری
قانون دیں میں دیکھو دل سوزیاں ہماری

اک دن یہ ہے کہ ذلت ہے ہم عناں ہماری
اب یوم ڈھونڈتے ہیں سقف مکاں ہماری

بدر و احد میں چمکی تیغ و سناں ہماری
مانے ہوئے تھا اٹلی شہ زوریاں ہماری

اونچی تھی آسماں سے سرداریاں ہماری
مانے ہوئے حکومت ہر حکمراں ہماری

سینے میں دشمنوں کے ڈوبی سناں ہماری
دیکھی ہے شان لوٹے ہندوستاں ہماری

گرجاؤں میں بھی گونجی صوت اذاں ہماری
لیکن بہار اب ہے صرف خزاں ہماری

محنت کبھی نہ ہو گی یہ رائیگاں ہماری

ایک تاریخی افسانہ

دادِ الٰہی

(از جناب مولوی تمکین کاظمی ایم۔ آر۔ اے۔ ایس لندن)

(۱)

صوبۂ خراسان میں مشہد مقدس سے قریب ایک غیر آباد مقام کسی رئیس کی جاگیر تھی۔ عبداللہ بھی اس رئیس کے پاس ملازم تھا بچپن سے وہ جفاکش، قانع اور اطاعت گذار تھا۔ اسکو اپنے آقا کی جاگیر سے باہر کبھی جانیکا اتفاق نہ ہوا تھا۔ اور نہ سیر و سفر کا شائق ہی تھا اس کی تمام دن کے محنت کے معاوضہ میں غلہ اور کپڑا مل جاتا تھا۔ جو عبداللہ اور اسکی بیوی اور دونوں بچوں کیلئے کافی تھا۔

عبداللہ کی بیوی زیبا اپنے نام کے برعکس نہایت ہی کریہہ منظر اور خود نما عورت تھی۔ اس نے اپنے لڑکے کا نام یوسف اور لڑکی کا فاطمہ رکھا تھا۔ اور ان ناموں کو باعث برکت خیال کرتی تھی۔

گو عبداللہ بالکل تنگدست اور مفلوک تھا۔ مگر قناعت نے اسے اپنی فلاکت کا شاکی نہ ہونے دیا تھا۔ وہ اپنی بدصورت بیوی اور بچوں سے بے انتہا محبت کرتا تھا۔ چونکہ اسکا آقا اپنی جاگیر سے غلہ اور دیگر اشیا مایحتاج منگوا دیتا تھا۔ اس لئے عبداللہ کو روپے پیسے کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوتی تھی۔ نام البتہ سنا تھا۔ ایک روز عبداللہ کی اطاعت گذاری، محنت، جفاکشی نے اس کے ممسک آقا کو بھی انعام دینے پر مجبور کر دیا۔ اور اس نے عبداللہ کو دس قرش انعام دیئے۔ جس وقت اُس کے آقا نے اس کی جفاکشی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے پاس رکھے ہوئے قلمدان سے دس قرش نکال کر اس کی طرف پھینکے تو فرط تشکر سے عبداللہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ اور وہ اپنے آقا کی آستین اور دامن کو بار بار چومنے لگا۔ اس بے تحاشگی نے اس کے آقا کے دل پر اتنا گہرا اثر کیا۔ کہ اس نے عبداللہ کو ایک دن کی چھٹی بھی دیدی۔ اب عبداللہ کوئی غریب آدمی نہ تھا۔ اس کے پاس قرش تھے۔ وہ اس وقت اپنے تمول کو اپنے آقا سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں سمجھتا تھا۔ دس قرش کوئی معمولی دولت نہ تھی۔ جو اسکی آنکھیں چوندھیا نہ دیتی قریب تھا۔ کہ اس بے پایاں دولت پر اسے شادی مرگ ہو جائے۔ مگر اس نے فوراً اپنے خیالات، بیوی اور بچوں کی طرف منتقل کر دیئے۔ افتاں و خیزاں اپنے جھونپڑے پر پہنچا۔ جو صرف گھاس سے مسقف تھا۔ دسوں قرش زیبا کے آگے پھیلا دیئے۔ اور کہنے لگا پیاری زیبا! یہ دولت صرف تمہارے لئے ہے۔ زیبا کو عبداللہ سے کم خوشی نہ ہوئی۔ اس نے بھی کبھی ان مسکوک ٹکڑوں کی صورت نہ دیکھی تھی۔ یوسف اور فاطمہ بھی ماں کی خوشی میں شریک ہونے آگئے۔ عبداللہ کہنے لگا پیاری زیبا اب یہ سوچنا چاہئے کہ اس کثیر رقم کو کس کام میں لایا جائے۔ کیا تم اس سے خوش نہ ہو گی۔ کہ میں مشہد مقدس ہو آؤں۔ جو ایک متبرک اور مشہور شہر ہے

جسے میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ جو یہاں سے صرف چند فرسخ پر ہے۔ میں مقدس امام پاک کے مزار پر دعا مانگونگا۔ اور اپنی دولت کا پانچواں حصہ دو قرش، نذر چڑھاؤنگا۔ مشہد کے بازار کی سیر کرونگا۔ مشہور مقامات دیکھونگا۔ اور تمہارے اور بچوں کیلئے بہت سا اسباب خرید ونگا۔ کہو تمہیں کیا کیا چاہیئے۔

زیبا۔ بچیر لئے ایک ریشمی تھان لے آنا۔ یوسف۔ جو قریب ہی بیٹھا ہوا گفتگو سن رہا تھا۔ ابا ہمیں ایک عمدہ تلوار اور ایک گھوڑا لادو۔ ہم بھی آقا کے لڑکے کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھیں گے۔ فاطمہ نہائیت ہی افسردہ لہجہ میں، مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ صرف ایک ہندوستانی ریشمی رومال اور سنہری سلیپر لادو!

(۲)

عبد اللہ اپنا موٹا سا لٹھ کندھے پر رکھے اور دس قرش کمر سے باندھے سویرے مشہد مقدس پہنچگیا۔ امام مہدی علیہ السلام کے روضۂ مبارک کو دیکھ کر اسکی عقل زائل ہو گئی۔ کبھی گنبد دیکھتا اور کبھی میناروں کی اہلیت پر غور کرتا کبھی سنہری چھت دیکھکر حیران ہوتا۔ کبھی گلکاری پر پریشان ہوتا۔ اسی حیرانی و پریشانی میں وہ روضۂ مبارک تک جا پہنچا۔ اور اپنی کثیر دولت کا پانچواں حصہ یعنی دو قرش نذر چڑھاکر بازار کی راہ لی۔ تماشے کے شوق میں اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ گھوڑے گاڑیوں کی آمد و رفت لوگوں کی ریل پیل نے اسے اسطرح بوکھلا دیا۔ کہ جان پر بن گئی۔ بیچ سڑک پر آتا ہے تو کبھی سوار کے سر پر پاتا ہے۔ اس سے علیحدہ ہوتا ہے تو کسی گاڑی کو سر پر دیکھتا ہے۔ وہاں سے ہٹتا ہے تو کوئی اُونٹ بلبلاتا ہوا قریب نظر آتا ہے۔ بہرحال خوب دھکے کھاکر عبد اللہ نے یہ تصفیہ کر لیا۔ کہ خرید و فروخت کر کے جلد واپس چل دینا چاہیئے۔ وہ پہلے ایک بڑی دکان پر پہنچکر جس میں بہت سے زریں اور ریشمی تھان رکھے ہوئے تھے۔ کھڑا ہو گیا۔ دکاندار نے بھی آٹھوں گانٹھ سمیت پاکر ٹھرے پر لگا لیا۔ سینکڑوں تھان کھول دیئے۔ بڑی ہی علامت سے ہر ایک تھان کی تعریف کرنے لگا۔ دوکاندار نے کہا کہ گو آپکی قیمت یہاں کے لوگوں سے زیادہ لیتا ہوں۔ مگر تم سے صرف دو سو قرش لونگا۔ عبد اللہ نے پریشانی سے دکاندار کی صورت دیکھتے ہوئے کمر سے دو قرش نکالے اور بتاکر کہنے لگا۔ کیا تمہاری مراد ایسے قرش سے ہے۔ دکاندار نے کہا ہاں ہاں ایسے ہی قرش۔ عبد اللہ نے دکاندار کو بے تحاشا گالیاں دینا شروع کر دیا۔ اور اپنا لٹھ سنبھال کر آگے کی راہ لی۔ ایک جگہ اسے بہت سے گھوڑے کھڑے ہوئے نظر آئے۔ اور دریافت پر معلوم ہوا کہ وہ فروخت ہونیوالے ہیں عبد اللہ نے ایک نہائیت ہی عمدہ یابو پسند کر کے قیمت دریافت کی۔ دلال نے بہت ردّ و قدح کے بعد ڈیڑھ سو قرش قیمت کہی عبد اللہ کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ کہنے لگا زیبا افسوس ہے نہ تو تیری ہی خواہش پوری ہو سکی اور نہ یوسف کی ہی۔ اسی طرح تلوار کی قیمت دو سو قرش۔ ریشمی رومال تیس قرش۔ سنہری سلیپر بیس قرش معلوم کر کے اس کا دم ہی نکل گیا۔ وہ ہر ایک دکاندار کو گالیاں دیتا اور اپنی بیوی بچوں کی حالت پر افسوس کرتا ہوا گھر کی طرف چلا۔ عبد اللہ غصہ میں اپنا لٹھ زمین پر زور زور سے ٹیکتا ہوا جا رہا تھا۔ کہ ایک فقیر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اور عبد اللہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہنے لگا۔ بابا جو ایک دیتا ہے وہ سو پاتا ہے۔ تو بھی کچھ خدا کی راہ میں دیدے۔ عبد اللہ نے غور سے فقیر کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا شاہ جی واقعی ایک کے سو ملیں گے۔ فقیر نے کہا بابا

اللہ کے معاملے جھوٹے نہیں ہوتے۔ عبداللہ نے کہا دیکھو مجھے دس قرش ملے تھے۔ دو قرش امام پاک کی نذر چڑھا آیا۔ باقی آٹھ قرش سے بیوی کیلئے ریشمی تھان بچے کیلئے گھوڑا اور تلوار۔ بچی کیلئے سلیپر اور رومال خریدنا چاہتا تھا۔ مگر یہاں کے سوداگر اتنے حرامزادے ہیں۔ کہ سو سو دو دو سو قرش کے سوا بات ہی نہیں کرتے آٹھ قرش تم کو دیتا ہوں۔ اور جب خدا مجھے آٹھ سو قرش دیگا۔ تو سب کی فرمائشات کو پورا کر دونگا۔ یہ کہکر عبداللہ نے آٹھوں قرش فقیر کے حوالے کر دیئے اور اطمینان کے ساتھ گھر کی طرف چلا۔

(۲۳)

نہ جانے یوسف اور فاطمہ کب کے منتظر تھے۔ کہ عبداللہ کو آتا دیکھکر شرط کے گھوڑوں کی طرح دوڑنے لگے۔ چونکہ یوسف فاطمہ سے بڑا اور مضبوط تھا۔ اس لئے عبداللہ کو جلد چھو لیا۔ اور کہنے لگا ابا گھوڑا کہاں ہے تلوار کیا ہوئی۔ عبداللہ نے ابھی کوئی جواب سوچا بھی نہ تھا۔ کہ فاطمہ بھی آگئی اور کہنے لگی۔ اچھے ابا پہلے میرے رومال اور سلیپر دیدو۔ عبداللہ نے نہائیت ہی سنجیدگی کے ساتھ سر اٹھایا زیبا جو دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ کہنے لگی۔ اب کیوں بچوں کو جواب دو گے تم امیر آدمی بن گئے۔ تم سامان خود نہ لاسکے آخر مزدور کر لیا۔ وہ سب سامان اور گھوڑا لا رہا ہوگا۔ یوسف اور فاطمہ نے یہ سنکر مزدور سامان لا رہا ہے۔ پھر باہر بھاگنا شروع کیا۔ اور بے صبری کے ساتھ مزدور کا انتظار کرنے لگے۔ عبداللہ اندر جاکر ایک پھٹی ہوئی حصیر پر جاکر بیٹھ گیا۔ اور اپنی سرگذشت شروع سے آخر تک زیبا کو سنانے لگا۔ زیبا بڑی متانت سے ساری کہانی سنتی رہی۔ مگر جب عبداللہ نے کہا۔ کہ میں نے آٹھوں قرش فقیر کو دیا ہے۔ تو اسکا ٹمپریچر ۱۲۰ فارن ہیٹ پر پہنچ گیا۔ دیوانہ وار اٹھ کھڑی ہوئی اور تیزی کے ساتھ عبداللہ کے آقا کے پاس پہنچی۔ اور پوری کہانی سنا دی۔ آقا نے عبداللہ کو بلوایا۔ اور خوب لعنت ملامت کی۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ دو آدمیوں کو حکم دیا کہ عبداللہ کو برہنہ کر کے خوب پیٹیں۔ نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ دا فی ایرانی ضرب المثل آج عبداللہ پر صادق آئی۔ موٹے موٹے سوٹوں سے عبداللہ خوب پٹا۔ تمام پیٹھ لہولہان ہوگئی۔ بیچارہ دن بھر کا بھوکا اور پھر افسردہ تو تھا ہی۔ مار کھاکر فوراً بیہوش ہوگیا۔ دو آدمیوں نے اٹھا کر گھر پہنچایا۔ تمام رات چیختا چلاتا پڑا رہا۔ زیبا اسقدر خفا تھی کہ اس نے پوچھا تک نہیں منہ سے پڑی ہوتی رہی۔ صبح عبداللہ جاگا تو زیبا کا غصہ کسی قدر کم ہوچکا تھا۔ زیبا نے مزاج پوچھا تو عبداللہ نے پارچہ فروش وغیرہ کے ساتھ زیبا کو بھی گالیاں دینا شروع کر دیا۔ زیبا نے سمجھا بجھا کر روٹی کھلائی بعد اپنی ناعاقبت اندیشی کی معافی چاہنے لگی۔ عبداللہ نے صاف دلی سے معاف کر دیا۔ عبداللہ ابھی کھانے سے فارغ ہوکر بیٹھا ہی تھا۔ کہ اس کے آقا نے بلوایا۔ عبداللہ تو آقا پر خفا ہی تھا۔ گالیاں دیتا ہوا چلا اس کا آقا اس کے مکان کے قریب ہی ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔ اس نے حکم دیا۔ کہ تم یہاں ایک کنواں کھودو پانی نکلنے تک تم کو غیر معمولی محنت برداشت کرنی پڑے گی۔ مگر کنواں تیار ہونے کے بعد تم کو انعام دیا جائیگا۔ عبداللہ نے سر تسلیم خم کیا۔ اور فوراً کدال پھاوڑا ملیکر کنواں کھودنے لگا۔ شدت کی دھوپ اور پھر عبداللہ کی زخمی پیٹھ جھک کر کنواں کھودنے سے زخم تڑخ گئے اور ریزش بہنے لگی سو ہو نہ ہو اس پر نمک پاشی کی مگر عبداللہ سب الزام پارچہ فروش اور اسپ فروش پر رکھکر گالیاں دیتا ہوا شام تک اپنے کام میں مشغول رہا۔

(۴)

تیسرے دن جب عبداللہ نے دس بارہ فیٹ کنواں کھود لیا۔ تو اس کو ایک مٹی کا برتن نظر آیا۔ جو مٹی میں چھپا ہوا تھا۔ عبداللہ نے اس برتن کو نکال کر دیکھا تو اس میں بیشمار بڑے بڑے سرخ پتھر بھرے ہوئے تھے۔ عبداللہ نے فوراً یہ نتیجہ نکال لیا۔ کہ اس کے آقا نے اس میں گیہوں بند کر کے دفن کئے ہونگے۔ جو مدت گذرنے کی وجہ سے آپس میں سخت ہو گئے ہیں۔ چونکہ وہ پٹ کر اپنے کا دشمن ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نقصان پر اسے بہت خوشی ہوئی۔ اپنے مکان کے پیچھے ایک گڑھا کھود کر عبداللہ نے برتن دفن کر دیا۔ اور اسی طرح کنواں کھودنے میں مصروف ہو گیا۔ یہ پہلی خیانت تھی جس کا ارتکاب عبداللہ نے اپنی تمام عمر میں کیا۔ چند روز کے بعد ویسا ہی ایک اور مٹی کا برتن نکلا جس میں سفید سفید پتھر تھے۔ عبداللہ کو پھر مسرت ہوئی۔ کہ اس کے چاول اس طرف خراب ہو گئے۔ اس نے اس برتن کو بھی پہلے برتن کے ساتھ دفن کر دیا۔ کامل تین مہینے کی محنت میں کنواں تیار ہو گیا جس وقت اس نے آقا سے کنوئیں کی تیاری کی رپورٹ کی تو اس نے خود آکر کنواں دیکھا۔ اور کنوئیں کی منڈیر بنانے کا حکم دیکر چلا گیا۔ عبداللہ کی ایک ہفتہ کی محنت میں منڈیر بھی تیار ہو گئی ایک روز اس نے سوچا کہ ممکن ہے کہ یہ پتھر کسی کام کے ہوں کم از کم بازار میں ایک دوکان پر ایسے ہی پتھر دیکھے تھے۔ اس لئے یہ خیال اور بھی مستحکم ہو گیا۔ اور اس نے اپنے آقا کو اطلاع دیدی کہ کنواں بالکل مکمل ہو چکا ہے۔

جب آقا نے عبداللہ کی شبانہ روز محنت کا یہ بدلہ دیا کہ اسے صرف ایک دن کی چھٹی دیدی۔ عبداللہ نے اسکو غنیمت سمجھا اور گھر آکر رات بھر رنگین پتھروں کی فکر میں پڑا رہا۔ آخر اس نے یہ فیصلہ کر لیا۔ کہ ایک تھیلہ بھر پتھر علیحدہ کر لئے جائیں۔ اگر واقعی وہ قیمتی اور کام کے ہیں۔ تو کل پتھروں کا پانچواں حصہ امام پاک کی نذر کیا جائے۔ اور بقیہ پتھر فروخت کر کے زیبا۔ یوسف۔ فاطمہ کی فرمائشات پوری کی جائیں۔

تمام گھر سو رہا تھا۔ مگر عبداللہ نے اٹھ کر بہت سے پتھر ایک تھیلے میں رکھے اور اس تھیلے کا منہ بند کر کے ایک کونے میں چھپا دیا۔ اپنا لٹھ لیجا کر گھر سے باہر رکھ دیا۔ اور خود آکر انہیں پتھروں کی فکر میں غرق ہو گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ صبح مشہد کے بازار کو جائے۔ مگر وہ اپنے جانے کی اطلاع زیبا کو نہیں دینا چاہتا تھا۔

(۵)

عبداللہ پتھروں کا تھیلا لے کر سیدھا مشہد مقدس پہنچا۔ امام پاک کے روضہ کے قریب آکر اس نے دونوں جیب پتھروں سے بھر لئے اور تھیلے کو ایک درخت کے نیچے سوکھے پتھروں کے ڈھیر میں چھپا کر رکھدیا۔ اور خود بازار کی طرف چلا۔ ایک جوہری کی دکان پر پہنچ کر تمام سکے پتھر رکھے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا۔ بھائی ایسے پتھر لوگے۔ جوہری نے مذاقاً کہا تم نے کبھی ایسے پتھر دیکھے بھی ہیں۔ عبداللہ نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالکر ایک مٹھی پتھر نکالے۔ اور جوہری کے آگے ڈالدیئے۔ اسکی آنکھیں کھل گئیں۔ پوچھنے لگا۔ کہ یہ کہاں سے لائے۔ عبداللہ ایک مرتبہ بیوقوفی کر کے پٹ چکا تھا کہنے لگا۔ اگر تم کو لینا ہو تو لو ورنہ کچھ نہیں۔ کہاں سے لائے کیوں لائے کیوں پوچھ رہے ہو۔ جوہری نے سمجھ لیا۔ کہ یہ سودا اچھا نہیں۔ عبداللہ سے کہنے لگا۔ میرا بھائی سامنے کی دکان پر ہے۔ تم ذرا دیر ٹھہر جاؤ تو میں اسے بلا لوں۔ عبداللہ فوراً راضی ہو گیا اور دکان پر بیٹھ گیا۔ جوہری نے دکان سے ہی چھوڑ کر سیدھے کوتوالی کا رخ کیا۔ اور کوتوال کے آگے عبداللہ کا حال بیان کر دیا کوتوال بھی جوہری کے ساتھ ہو گیا

یہاں عبداللہ بیٹھا ہوا نیلامی پکار رہا تھا۔ (۸۰۰) قرش کا ریشمی تھان دونگا۔ اور (۴۰۰) قرش کا گھوڑا تین سو قرش کی تلوار دو سو قرش کے بیلچہ ایک سو قرش کا رومال۔ کہ اتنے میں جوہری معہ کوتوال آپہنچا۔ کوتوال نے پہلے تو عبداللہ کی جیب سے وہ پتھر نکال لئے۔ اور دو تین چانٹے رسید کر کے پوچھنا شروع کیا۔ کہ کہاں سے ملے۔ بیچارہ عبداللہ مجبور ہو گیا۔ شروع سے آخر تک سارا قصہ سنا دیا۔ کوتوال نے عبداللہ کو ساتھ لیجا کر تھیلے کے جواہرات برآمد کئے۔ اور دونوں برتن بھی نکلوا لئے۔ جب گورنر خراسان کے پاس سب چیزیں پیش ہوئیں۔ تو گورنر نے معاملہ کی اہمیت کو محسوس کر کے عبداللہ اور اسکی بیوی بچوں کو گرفتار کر کے معہ جواہرات شاہ عباس اعظم کے پاس پایۂ تخت کو روانہ کر دیا۔ عبداللہ یا تو بیوی بچوں کی فرمائش پوری کرنے کی دھن میں تھا۔ یا اب روتے دھوتے اصفہان کی طرف چلا۔

(۶)

شاہ عباس اعظم نے رات کو ایک خواب دیکھا۔ کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام اس سے فرما رہے ہیں۔ کہ دیکھ ہمارا دوست گرفتار ہو کر تیرے پاس آرہا ہے۔ اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا وہ سچا ہے۔ عباس نے خواب کو واہمہ سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ مگر دوسرے دن پھر وہی خواب دیکھا۔ عباس نے پریشان ہو کر سب کچھ دریافت کیا۔ کہ کون گرفتار ہو کر پایۂ تخت کی طرف آرہا ہے۔ آخر اسکو یہ معلوم ہوا کہ خراسان سے ایک شخص گرفتار کر کے لایا جا رہا ہے جو مشہد کے بازار میں جواہرات لئے پھر رہا تھا۔ عباس نے اسے جلدی حاضر کرنے کا حکم دیا۔ اور خود شہر سے نکلکر ڈیرے ڈال کر ٹھہر گیا۔ جب عبداللہ پہنچا تو اسکی بیڑیاں کٹوا دیں۔ اور اسکی بیوی اور بچوں کو بھی آزاد کر کے برابر والے خیمہ میں ٹھہرا دیا۔ اور بڑی ہی آؤ بھگت کی۔ اس غیر معمولی سرفرازی سے عبداللہ کو کسی قدر تسکین ہوئی۔

دوسرے دن دربار عام میں شاہ عباس نے عبداللہ سے جواہرات کا حال دریافت کیا۔ عبداللہ نے دس قرش لیکر مشہد کو جانا اور پھر بٹنا۔ کنواں کھودنا اور جواہرات کا ملنا سب کچھ صاف صاف بیان کر دیا۔ عبداللہ کی نیک دلی پر شاہ عباس کو تعجب ہی نہیں۔ بلکہ حیرت تھی۔ اور اس کے آقا کی خست و ندامت۔ شاہ عباس نے جواہرات کا پانچواں حصہ امام پاک کی نذر کیلئے علیحدہ کر دیا۔ اور بقیہ میں حسب "قانون دفینہ" چھ حصے کئے گئے۔ ایک حصہ گورنر خراسان کو دیا گیا۔ اور ایک حصہ عبداللہ کو باقی داخل خزانہ کر دیئے گئے۔

(۷)

شاہ عباس نے دو ہفتہ تک عبداللہ کو مہمان رکھا۔ شاہی مہمانی اور دار السلطنت کا قیام پھر شاہی نوازشات نے عبداللہ کیلئے نعمت غیر مترقبہ تھیں۔ عبداللہ اپنے آقا کی بدولت آدمی بن گیا تھا۔ اور جو کچھ کسر تھی وہ کوتوال نے اپنی تفتیش کے دوران میں نکال دی تھی۔ اب وہ خاصا ہوشیار آدمی تھا۔

ایک روز شاہ عباس نے اعلیٰ پیمانہ پر عبداللہ کی دعوت کی۔ اور دعوت کے بعد دربار عام کیا۔ اسی دربار میں عبداللہ کی نیک نیتی اور دیانتداری خدا ترسی کی تعریف کر کے عبداللہ کو خراسان کی گورنری کا فرمان دیا۔ اور ایک لائق تجربہ کار شخص کو عبداللہ کا نائب بنا کر کام سکھانے کیلئے مقرر کر دیا۔ جس وقت عبداللہ خراسان کی گورنری کا فرمان لیکر اصفہان سے نکلا تو اس کے جلوس میں پانچسو سوار زرق برق لباس پہنے ہوئے تھے۔ اسکی پیاری (مگر بدصورت) بیوی زیبا کے محلفے کے ارد گرد ایک سو پری جمال لونڈیوں کا مجمع تھا۔ وہ زیبا گھڑی گھڑی اپنے

بیش قیمت لباس کو دیکھ رہی تھی۔ یوسف عبد اللہ کے برابر ایک نہایت ہی گھوڑے پر سوار تھا۔ اور جواہرات سے جگمگاتی ہوئی تلوار اس کی کمر سے لگی ہوئی تھی جسے وہ بڑے غور کے ساتھ دیکھتا جاتا تھا۔ فاطمہ اپنی ماں کے ہمراہ محافہ میں سوار تھی اس کے ہاتھ میں ہندوستانی ریشمی رومال تھا اور پاؤں میں سنہری سلیپر وہ ہر گھڑی زیبا سے کہتی۔ اچھی اماں جان میرا رومال کتنا اچھا ہے اور سلیپر کتنے عمدہ ہیں۔

کہتے ہیں۔ کہ عبد اللہ نے نہایت ہی شرافت اور متانت سے خراسان کی گورنری کی۔ عمارت کا اسکو بہت شوق تھا۔ امام پاک کے روضہ کے متعلق جو عمارات ہیں سا اسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ عباس اعظم عبد اللہ اور اس کے بچوں کو بہت چاہتا تھا۔ اس نے اپنے وزیر کی لڑکی سے یوسف کی اور ایک وزیر کے لڑکے سے فاطمہ کی شادی کر دی تھی۔ سچ ہے۔ خدا ایک کے سو دیتا ہے بشرطیکہ دینے والا صدق دل سے دے۔

قوم کا پیغام فرزندانِ قریش کے نام

درمندان قوم و بہی خواہان القریش ذیل کے پیغام کو جو ریزولیوشن کی صورت میں پیش کیا تھا۔ بغور مطالعہ کریں اور اگر کچھ دل میں درد اور حمیت موجود ہے۔ تو اس پر فراخ دلی کے ساتھ عمل کے لئے تیار ہو جائیں۔ کہ فلاح و ارتقائے قومی کا راز اسی میں مضمر ہے۔

صوبہ دہلی، یوپی اور صوبہ پنجاب کے ۱۲ اضلاع کے قریشی نمائندگان کی موجودگی میں ۲۹ رجون ۱۹۳۰ء کو "ندوۃ القریش" کے افتتاحی اجلاس میں ذیل کا ریزولیوشن متفقہ طور پر منظور ہوا۔ اور " القریش " کی خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے زر نقد کی تھیلی پیش کی گئی۔ (ایڈیٹر)

'ندوۃ القریش' کا یہ اجلاس مولانا محمد علی صاحب آنرنق مدیر القریش کی ۱۶ سالہ مساعی کو عموماً اور گذشتہ اڑھائی سالہ خدمات جلیلہ کو جو انہوں نے نصرانیت کے ادعائے قریشیت کی ابطال و تکذیب سے متعلقہ مواد تاریخی کی اشاعت میں بوجہ احسن انجام دی ہیں۔ خصوصاً قدر و منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا تجویز کرتا ہے کہ اظہار تشکر کے طور پر آپ کی خدمت میں قوم کی طرف سے کم از کم **ایک ۱۰۱ سو ایک** اور زیادہ سے زیادہ **پانچ سو ۵۰۰** روپیہ کی تھیلی پیش کی جائے۔ ونیز یہ اجلاس برادران قریش سے اپیل کرتا ہے کہ وہ "القریش" ایسے مفید ترین قومی آرگن کی امداد و اعانت کے علاوہ اس کی توسیع اشاعت میں پوری سعی و کوشش سے حصہ لیں۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

اَلنَّجَات

دوسرا باب

اعمال

(گذشتہ سے پیوستہ)

اب باقی رہا حج سو وہ بھی سارے مسلمانوں کے لئے یکساں فرض نہیں ہے۔ بلکہ ان مسلمانوں پر حج کی تعمیل فرض ہے۔ جو آسودہ حال اور ایسے صاحب نصاب ہوں۔ کہ اپنے جملہ متعلقین شرعیہ کا حسب حیثیت تا ایام سفر و غیر حاضری خود خرچ نکال کر اسقدر ذی استطاعت ہوں کہ آمد و رفت کعبۃ اللّٰہ زاد اللہ شرفہا کا زادِ راہ اور حسب ضرورت سواری اور اتفاقیہ بیماری کے دفعیہ کا کافی خرچ ان کے پاس موجود ہو۔ اور وہ ایک حبّہ تک کسی کے مقروض نہ ہوں۔ اس کے متعلق بھی اگر زیادہ تشریح کی ضرورت ہو۔ تو تصنیفات فقہا کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

اِنہی پانچ امور کو اسلام نے بنائے اسلام کے نام سے نامزد کیا ہے۔ اب آپ خود ہی انصاف فرمائیں۔ کہ جب بنائے اسلام کی تعمیل نہ کی جائے تو کامل مسلمان ہونے کا کیونکر دعویٰ ہو سکتا ہے۔

بعض نااہل کہتے ہیں۔ کہ حج و زکوٰۃ سے تو ہم بوجہ کم استطاعتی معذور و مستثنیٰ ہیں۔ مگر کلمہ۔ نماز۔ روزہ ہم کو پیر و مرشد نے مروّجہ طریقۂ شرعیہ کے سوائے ایسا عطا کر دیا ہے۔ کہ جو ہماری نجات کے لئے کافی ہے۔

ایسی واہیات باتیں سن سن کر ہمیں تعجّب ہوتا ہے۔ کہ ساری دنیا کے پیر و مرشد حضرت جناب رسولِ اکرم محمد مصطفےٰ صلعم نے تو اپنے اصحاب میں سے کسی کو ایسی خیالی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ اعملوا اعملوا ہی فرماتے گئے ہیں۔ تو پھر نہ معلوم کہ ان کے پیر و مرشد کو جو کہ ایک اسلامی ممبر ہونے کا دعوےٰ رکھتے ہیں۔ کہاں سے یہ تعلیم حاصل ہوئی۔ گویا ان کے نزدیک مخبر صادق فداہ امی نے ان کو کوئی خاص تعلیم عطا فرمائی۔ اور باقیماندہ عوام النّاس کو عام تعلیم فرمائی۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ آپ ہی نے نفاق کی بنیاد قائم کی۔ نعوذ باللّٰہ من ذالک

خود بنفس نفیس حضرت سرورِ کائنات صلّی اللّٰہ علیہ وسلم۔ آپ کے صحابہؓ۔ تابعین۔ تبع تابعین۔ اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کے پیشوایان اور سرسلسلہ صاحبان حضرات۔ معروف کرخی۔ سرّی سقطی۔ خواجہ جنید بغدادی۔ شیخ شبلی۔ ابوسعید مخزومی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی۔ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ خواجہ معین الدین اجمیری۔ بایزید بسطامی۔ ملا عبدالرحمٰن جامی۔ خواجہ شیخ احمد مجدد الف ثانی۔

بابا فرید شکر گنج۔ ابن محی الدین عربی۔ مولوی جلال الدین رومی۔ فرید الدین عطار۔ ابو الفرح محمد فاضل الدین۔ غلام قادر شاہ بٹالوی۔ خواجہ غلام محی الدین خاں قادری۔ وغیرہ وغیرہ قدس اللہ اسرارہم اجمعین۔ کلمہ۔ نماز۔ روزہ کی تعمیل تو اسی طرح سے بجا لاتے رہے۔ کہ جس طرح سے اسوقت پیروان اسلام حسب ضابطہ بجا لا رہے ہیں۔ ہاں یہ ایک علیحدہ بات ہے۔ کہ ان بزرگان دین متین اور عوام پیروان اسلام کی نیتوں میں لوائے کلمہ۔ نماز۔ روزہ کے متعلق کوئی خاص تفاوت ہو۔ مگر طرز ادا میں ہرگز سر مو فرق نہیں۔

مجھے اس وقت ایک مثال یاد آگئی ہے۔ کہ ایک شخص اپنے آپ کو گورنمنٹ انڈیا کی رعایا بیان کرتا ہے۔ مگر وہ باوجود ہدایت و فہمائش کے انڈیا کی کسی آئین کا پابند نہیں ہے۔ بلکہ وہ جسقدر پابندیاں ظاہر کرتا ہے۔ یا تو آزادانہ ہیں۔ اور یا کسی دوسری حکومت کی ہیں۔ تو اب آپ ہی انصاف سے بتلائیں۔ کہ کیا گورنمنٹ انڈیا اسے ایک وفادار رعایا کی حیثیت سے دیکھیگی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ اسے گورنمنٹ انڈیا ایک باغی سمجھے گی۔ اور اس کے ساتھ وہی سلوک کریگی۔ جو حبس دوام وغیرہ کا باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اسی طرح سے نام کے مسلمان لوگ ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتے۔ تاوقتیکہ وہ حسب ضابطہ آئین اسلام کے پابند نہ ہوں۔ آخر ان کیلئے وہی سزا ہے۔ جو اسلام نے آخرت میں تجویز کردی ہے۔

یہاں تو حق اللہ کا ذکر ہے۔ کہ جسے پوری پابندی اور دلی خضوع کے ساتھ ہمیشہ ادا کرنا چاہیئے۔ اور ادا کرنے کے بعد سچے دل سے خدا کے حضور میں دعا بھی مانگی جائے۔ کیونکہ دعا مانگنا ضروری ہے۔ "الدعوات تاثیر بلیغ" اور اسمیں الوہیت اور عبودیت کے دونوں مدارج ملحوظ رہتے ہیں۔ اسی واسطے حدیث شریف میں ارشاد ہے۔ کہ الدعاء مخ العبادۃ یعنی ساری عبادتوں کا مغز دعا ہے۔

الغرض حق اللہ سے مراد خدا کے وہ حقوق ہیں۔ جو بندوں پر واجب الادا ہیں۔ جیسے ایک مالک اراضی کے ماتحت چند مزارعہ موروثی ہیں۔ اب مالک کا حق بذمہ مزارعہ اتنا ہی ہے۔ کہ وہ ہر ایک مزارعہ قابض اراضی سے مالگذاری معینہ سرکار کے علاوہ کوئی دیگر مقررہ لگان بطور مالکانہ لیتا رہے۔ اور مزارعوں کو اراضی پر سے بیدخل نہ کرے۔ اور مزارعوں کا بھی یہی فرض ہے۔ کہ لگان مقررہ ہمیشہ اوقات معیّن پر مالک کو ادا کرتے رہیں۔ اور پیداوار اراضی مقبوضہ کی برداشت و تردد کاشت خود کرتے ہیں۔ اگر کبھی مزارعین میں سے کسی نے مالک کا حق ادا کرنے میں تساہل یا انکار کیا۔ تو مالک فوراً اسے اپنی اراضی سے بیدخل کر دیگا۔

مگر ہمارا مولیٰ کریم تو واقعی ایسا کریم ہے۔ کہ باوجود تساہل و انکار بہ ادائے حق اللہ ہم لوگوں کو اپنی زمین پر سے کبھی بھی بجز اجل موجل بیدخل نہیں کرتا ہے

اے کریمیکہ از خزانۂ غیب ؎ گبرو ترسا وظیفہ خود داری
دوستاں را کجا کنی محروم ؎ تو کہ با دشمناں نظر داری

ہاں یہ ضرور ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد وہ اپنے وعدہ اور وعید کو ضرور پورا کرے گا۔ اس وقت ہم چلا چلا کر کہیں گے۔ یا لیتنی کنت ترابا۔

حق العباد وہ حقوق ہیں۔ جو باہم بندوں کے بندوں پر واجب الادا ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں۔

حقوقِ والدین۔ حقوقِ استاد۔ حقوقِ پیرومرشد۔ حقوقِ احباب۔ حقوقِ جار۔ حقوقِ حاکم۔ حقوقِ ذوی القربیٰ۔ حقوقِ زوجین حقوقِ ذوالفروض۔ حقوقِ عصبات۔ حقوقِ ذوی الارحام۔ حقوقِ اولاد۔ حقوقِ شاگرد پیشہ۔ حقوقِ معتقدین۔ حقوقِ رعایا وغیرہ وغیرہ الٰہی حقوق مذکورہ بالا کی تعمیل کے دوران میں اخلاقِ حسن معاملات۔ عورتوں، غلاموں، یتیموں، مسکینوں کے ساتھ رعایت کا برتاؤ۔ آدابِ مجلس۔ ادبِ رسول۔ سیاستِ مدن۔ انتظام ملکی۔ اہل کتاب کی رعایت۔ کفار کو نرمی اور حکمت کے ساتھ نصیحت کرنا اور ان سے درگذر کے متعلق حکم جھگڑے و سختی کی ممانعت۔ کلمات پند و نصائح اور دنیا سے بے رغبتی حال گذشتگان عبرت وغیرہ وغیرہ سب کے سب امور کا استعمال کرنا۔ قرآن مجید میں جا بجا اور مفصل درج ہے۔ جسکی تعمیل حسب موقعہ اپنے اپنے وقت پر ہونی چاہیئے۔

اوپر جو میں اعمال کی تقسیم کا ذکر دیوانی اور فوجداری میں کر آیا ہوں۔ وہ محض حق العباد ہی سے متعلق ہے۔ حق اللہ سے انہیں کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور صالحانہ برتاؤ کی ضرورت بھی معہ قیام امن عامہ حق العباد ہی سے متعلق ہے۔ جس کا مفصل ذکر اسلامی کتابوں میں درج ہے بشرط ضرورت وہاں سے دیکھ لیا جائے۔

فقہائے اسلام نے حق العباد کی تعمیل کو آٹھ صورتوں میں منضبط کیا ہے۔ یعنی فرض۔ واجب۔ سنت مستحب۔ حلال۔ حرام مکروہ۔ مباح

(۱) فرض وہ ہے کہ جس کا کرنا یا نہ کرنا دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ پس تعمیل فرض کا منکر دائرہ اسلام سے منکر ہو جاتا ہے۔ مگر جو منکر نہیں الا تارک یہی ہے۔ وہ سخت گنہگار ہے۔ جو قابل کفارہ ہے۔ اور بعد ادا اسکے کفارہ وہ نجات کا مستحق نہیں۔ بلکہ امیدوار ہے اور فرض پانچ ہیں۔ جو حق اللہ میں بیان ہو چکے ہیں۔

(۲) واجب وہ ہے۔ کہ جس کے اثبات پر دلائل بکثرت ہوں اور اسقاط پر بقلت مگر غلبہ دلائل اثبات میں ہو۔ واجب قریب بفرض ہے اور اسکا منکر کافر تو نہیں۔ البتہ قریب بکفر ضرور پہنچ جاتا ہے۔ اور اسکا تارک ایسا گنہگار رہے جو نجات کا امیدوار ہے

(۳) سنت وہ ہے جو حضرت پیغمبر صاحب بانئے اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واسطے حفظ احکام الٰہی از روئے عمل قرار دی ہو یا احتیاط کیا ہو سنت کا منکر مائل بکفر ہے اور تارک السنت محروم از شفاعت ہے۔ گویا ادائیگی فرائض کی زیب و زینت سنت ہی سے ہے

(۴) مستحب وہ ہے کہ جو اعمال حضرت پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے از روئے حب الٰہی اور عشق خدا بطور عبادت ادا کئے۔ اور امت بھی ان اعمال کو بوجہ حب النبی صلعم ادا کرے۔ نیز مستحب کی تعمیل باعث ثواب ہے۔ اور ترک باعثِ نقصان محبت نبی و خدا۔

(۵) حلال وہ ہے۔ کہ جس میں کسی کی زحمت نہ ہو اور نہ وہ قابل واپسی ہو۔ جیسے اپنا ذاتی حق۔

(۶) حرام وہ ہے کہ جس کا عمل کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہ ہو۔ اور جو کبھی نہ کبھی قابل واپسی ہو۔ اور اس کے کرنے میں کسی کو بے واسطہ یا با الواسطہ زحمت بھی ضرور ہو جیسے کسی دوسرے کا حق۔

(باقی دارد)

کتبخانہ القریش کی بینظیر کتابیں

تین خاص نمبر

القریش کے مندرجہ ذیل تین خاص نمبر بیحد دلچسپ اور قابل دید ہیں

نبی نمبر | یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی بمنظوم ومنثور واقعات دلکش پیرایہ میں تفصیل کیساتھ دیئے گئے ہیں۔

صدیق نمبر | حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری منظوم ومنثور دلآویز پیرایہ میں بیحد دلچسپ اور بہترین دل ودماغ کا نتیجہ نا ملقبہ چیز ہے

نظام نمبر | دولت آصفیہ کی مختصر تاریخ اور دکن کے موجودہ فرمانروا کے فضائل شہریاری کا مبسوط تذکرہ دولت آصفیہ اور سرکار انگریزی کے تعلقات درستی کی ابتدا حملہ کرناٹک یعنی ۱۷۶۵ء سے اسوقت تک کے جستہ جستہ حالات۔

ہر سہ نمبروں کی مجموعی قیمت ایک روپیہ (عہ)

المشتہر مہتمم کتب خانہ متعلقہ "القریش" شریف پورہ امرتسر

انمول موتی

اصلاحی امور سے دلچسپی رکھنے والے علمدوست احباب ذیل کی کتابیں ضرور پڑھیں۔

کمال معرفت ۴ر راز معرفت ۴ر سراج معرفت ۴ر ہندو شعرا کا نعتیہ کلام ۶ر
سلام صدر ۶ر سراج الدین ۶ر خطبات عزیزی ۴ر حیات النبی ۶ر
ولی کی پہچان ۲ر اخلاقی کہانیاں ۲ر پھل اور کانٹے ۸ر اسلامی پردہ ۵ر
علم غیب ۶ر تاریخ تبلیغ اسلام عہ ر السد اور گداگری عہ ر

بچوں۔ بڈھوں اور عورتوں مردوں سب کے لئے یہ کتابیں واقعی "انمول موتی" ہیں۔ انکی معلومات سے بیش بہا فوائد حاصل ہونگے۔ ہر علمدوست شخص کے کتب خانہ میں ان کتابوں کا ہونا جسقدر ضروری ہے۔ وہ انکے ناموں ہی سے ظاہر ہے۔ پوراسٹ منگانیوالے احباب کو نصف محصول ڈاک کی رعایت دی جائیگی۔

منیجر "القریش" امرتسر

آٹھ آنہ (۸ر)

ایسٹرن لٹریچر کمپنی دہلی کی مشہور و معروف دلچسپ اور مفید ترین کتابیں

ضرور منگائیے

شادی سے پہلے ۴ر شادی کے بعد ۴ر
درازی عمر ۴ر ماں باپ کا اثر اولاد پر ۴ر
عورت کے سو کام ۴ر احکام اسلام کی پابندی ۴ر
میر تقی میر ۴ر رباعیات رشید ۴ر

ملنے کا پتہ

منیجر رسالہ "القریش" امرتسر

جلد ۱۸ | بابت ماہ اکتوبر ۱۹۳۲ء | نمبر ۱۰

فاروقِ اعظم رضؓ

(از حضرت شوخ)

اللہ اللہ رتبۂ فاروقِ اعظمؓ کا بیاں
یہ کہاں تابِ رقم تابِ سخن تابِ زباں

آپ کے پہلے عبادت پردۂ اخفا میں تھی!
تھا ابھی آغاز کھل کر دے نہ سکتے تھے اذاں

آپ کے دم سے ہوا اسلام کو اوج و عروج
ان کی تکبیروں سے گونج اُٹھے زمین و آسماں

بچھ گئی اُلٹی صفِ ماتم صفِ کفار میں
جب چلی قلبِ عمرؓ پر جذب کی تیغِ رواں

بعد میرے گر جو نبی ہوتا تو وہ ہوتا عمرؓ
آپ کے حق میں ہے یہ فرمانِ ختم المرسلاں

آپ کے عدل و سیاست کی ہے اک دنیا میں دھاک
درّۂ فاروق سے کہتا تھا مجرم الاماں

فارس و روم و عرب کے فاتحِ اعظم ہیں آپ
بلکہ سندھ و ہند تک ہیں آپ کی جولانیاں

وہ دکھائی آپ نے شانِ مساوات و خلوص
ہو کے آقا ناقۂ خادم کی جب تھامی عناں

فکر تھا اپنی رعایا کی خبرگیری کا بس
کرتے تھے چھپ چھپ کے شب گردی شہنشاہِ زماں

ہائے ایسے خادمِ اسلام کے دشمن بھی ہیں!
وقف تھا مذہب کی خاطر جس کا سب سود و زیاں

اُن کا روحانی تصرف بھی کسی سے کم نہیں
حکم سنکر بند دریا ہو گئے بحرِ رواں

چشمِ باطن سے جو دیکھا ساریہ خطرہ میں ہے
اُس کو دی آواز کوسوں دور بہرِ حفظِ جاں

کون کہتا ہے کہ ان کے دل میں تھا بغض و عناد
تھے یہ دامادِ علی مرتضےٰ رضؓ شیرِ زماں

انتہائے بےحسی

تکرار واقعات اور تواتر حالاتِ زمانہ نے اچھوتوں تک کو بیدار کر دیا۔ اور وہ قومیں جو صدیوں سے بےحس و حرکت ظلمتکدۂ گمنامی میں بےنام و نشان پڑی تھیں میدان عمل میں مصروف بجہد ہیں۔ حقوق کے شور میں کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ شاہراہِ ترقی اٹا پڑا ہے۔ اور ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے لئے اسقدر رواں دواں ہے کہ گویا وہ تمام ٹھوکروں سے بےنیاز ہے نہ اسے جبال و تراکم کی فکر دامنگیر ہے۔ اور نہ کسی رکاوٹ کا خطرہ گروہ جو سرِ راہ محوِ نظارہ ہے۔ تمام حالات و کوائف کو دیکھتی اور عواقب و نتائج کو سمجھتی ہے۔ "پدرم سلطان بود" کے خمار میں مخمور ساکت و صامت ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش پڑی ہے۔ نہ اسے عزتِ نفس کی پروا اور نہ ناموس ذاتی کی احتیاج۔

قومیں بڑھی جا رہی ہیں۔ سعی و جہد کا بازار گرم ہے۔ طالبان رفعت و ارتقا جوق در جوق آتے اور نکل جاتے ہیں۔ منصۂ عروج و اقبال پر پرچم کامیابی لہرانے کے متمنی قافلوں کی یہ کشاکش اس پر کوئی اثر نہیں کر سکی۔ بارہا رہروؤں کے پائے حقارت سے ٹھکرائی گئی۔ تیز گام قافلوں کی ٹھوکروں سے تہ و بالا ہوئی۔ اور روندی گئی۔ مگر اس کے خون میں حدت اس کی رگ حمیت میں جوش اور اسکے غیور دل میں ذرہ بھر بھی حرارت پیدا نہ ہوئی۔ قوموں کی دوڑ دھوپ اٹھو بڑھو ورنہ کچلے جاؤ گے کے تازیانے اس کی غفلت و ذہول کا سحر نہ توڑ سکے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

زمانہ بدل گیا۔ حالات بدل گئے۔ مگر اس کی حالت میں سرِ مو فرق نہ آیا۔ وہ ذلت و رسوائی کی مضبوط و مستحکم چٹان پر قائم ہے اُسے نہ ترقی سے سروکار نہ اصلاح سے غرض۔ نہ اتحاد و یگانگت سے تعلق، نہ ایثار و مروت سے واسطہ، نہ قوم و قومیت سے محبت اور نہ نسب و حسب سے مودت، خود نمائی اور ستائش ذاتی اس کا شیوہ اور بس۔ اس کی اصلاحی سوسائیٹیاں ویران، اس کی انجمنیں نابود، اس کی خاندانی شرافت و نجابت داستان پارینہ بن کے رہ گئی۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔

دنیا اس کا ساتھ چھوڑ دے۔ نفرت و حقارت کی انگلیاں اٹھیں ذلت و رسوائی گرد و پیش ہو۔ اسکا آشیاں لٹ جائے اس کے حقوق چھن جائیں اس کی قومیت مٹ جائے اسکا ناموس نہ رہے اسکی بلا سے، اقوام عالم منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوں۔ قومیں آسمان عروج کا درخشندہ ستارہ بن کے چمکیں وہ مغاک ضلالت کے عمیق گڑھے تلاش کرے گی۔

جو قوم میدان عمل میں آنا۔ زمانہ کا ساتھ دینا حریفوں کے قدم بہ قدم چلنا آرام و آسائش کے منافی سمجھتی ہے جسے اقوام عالم کی تقلید اور رنگ و بو کی تائید سے چڑ ہے اسے یاد رہنا چاہیئے۔ کہ وہ کبھی فلاح نہ پائے گی۔ اور دنیا میں خوار و ذلیل ہو کے رہ جائے گی ؎

خدا اس قوم کی حالت نہیں ہرگز بدلتا ہے
نہ ہو جسکو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

رازِ قومیت

(فرمودہ حضرت طورؔ غفر لہٗ)

صبح کھلتی ہے فلک پر جب بیاضِ آفتاب ؎ رازِ قومیت کی ہوتی ہے حقیقت آشکار

روشنی کیا ہے؟ شعاعوں کی بہم پیوستگی ؎ ہے ہم آغوش اک کرن سے دوسری بے اختیار

کوہ کیا ہے؟ اتصالِ ذرّہ ہائے بے وقار ؎ جن سے ہے انکی اساسِ زندگانی استوار

بحر کیا ہے؟ ارتباطِ قطرہ ہائے بے بساط ؎ جن کے جذبِ باہمی سے ہے وہ ناپیدا کنار

پھول کیا ہے؟ کچھ نہیں جز اتحادِ رنگ و بو ؎ حسن اس کا ہے اسی سے غازۂ روئے بہار

نغمہ کیا ہے؟ اتفاقِ زیر و بم کا نام ہے ؎ شور کہلاتا ہے جب ہوں یہ نہ باہم سازگار

وقت کیا ہے؟ اختلاطِ صبح و شام و روز و شب ؎ حاصل ان اجزا کا ہے کہتے ہیں جس کو روزگار

خطاب بہ قوم

پارہ پارہ ہو چکی ہے تیری تقویمِ حیات ؎ اے کہ تھا اک روز تو شیرازہ بندِ روزگار

فکر کر فکر اے تغافل پیشہ اپنی جان کا ؎ غافلوں کے خوں سے ہے رنگیں جہانِ کارزار

یاد کر وہ دن کہ جب تو تھا سکوں ناآشنا ؎ رات دن رہتا تھا دوشِ برقِ مضطر پر سوار

پھر دلِ ویراں میں پیدا فطرتِ سیماب کر ؎ پھر دکھا آنکھوں کو شانِ روزگارِ اضطرار

اضطراب آمد علاجِ جملہ علّت ہائے تو ؎ می رباید خوابِ چشم و قلب و دست و پائے تو

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

اے ہندوستان کے مٹے ہوئے تاجدار اسلامی حکومت کی شکستہ عمارتیں آج بھی تیرے عروج کے افسانے دہرا رہی ہیں تاریخ کے سنہری اوراق تیری شجاعت اور جرأت کے کارناموں سے آج بھی درخشاں ہیں۔ اپنے اسلاف کی داستانوں کو پڑھ اور ان کا حقیقی مقصد سمجھ۔

کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ جب تو دنیا کا بادشاہ بنایا گیا تھا۔ اسوقت تو نے حکمرانی اور ملوکیت کے ناپاک مقصد کیلئے اپنے سر پر تاج رکھا تھا۔ اور کیا تو اس مغالطہ میں ہے کہ تیری بادشاہی جاہ و جلال کی کمزور بنیادوں پر رکھی ہوئی تھی۔ اگر تو یہ سمجھتا ہے تو تیری سمجھ پر آج اسلامی جمہوریت مسکرا رہی ہے۔ او پھر آ۔ سن۔ غور کر۔ تو ذات باری کی خلافت کا علمبردار تھا۔ تو بنی نوع انسان کا بادشاہ ہونے پر بھی ایک ادنیٰ خدمتگار تھا۔ تجھے مساوات اور اخوت کا مشن دیکر تاج شاہی دیا گیا تھا تیرے دل کو انوار الٰہی کی تجلیوں سے معمور کر کے دنیا کی رہنمائی کیلئے بھیجا گیا تھا یہی تیری بادشاہت اور حکومت کا مقصد تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانہ کو یاد کر۔ اسلام کے اس سب سے پہلے خلیفہ کے سر پر تاج رکھا ہوا تھا لیکن یہ جمہوریت کا پرستار اس ذمہ داری کا معاوضہ صرف تین دینار لیتا تھا۔ اور اپنی ذاتی میراث کو غریبوں میں لٹا دیا کرتا تھا۔ کیا تجھے یاد ہے۔ کہ جب عرب کا یہ تاجدار دنیا سے رخصت ہوا تھا تو اس کا ترکہ ایک موٹا کپڑا اور پانچ دینار سے زیادہ نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کی بادشاہی کے زمانہ سے بھی سبق لے یہ فاتح اعظم جَو کی روٹی اور چھواروں پر اپنی زندگی گذارتا تھا۔ اور یہ رہبر اعظم جب دنیا کی رہنمائی کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ تو جبّہ مبارک میں جابجا پیوند ہوتے تھے۔ اور چیتھڑے لٹکتے ہوئے نظر آتے تھے۔ کیا تجھے یاد ہے کہ جب ایران کا ایک سردار اس شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ تو یہ فاتح اعظم اس وقت مدینہ کی سیڑھیوں پر فقیروں میں پڑا سوتا تھا۔

اے جمہوریت کے سب سے پہلے علمبردار تیری بادشاہت تیرے لئے نہ تھی۔ بلکہ بنی نوع انسان کی خدمت کیلئے تھی۔ تو نے دولت، ثروت اور شاہانہ شوکت کو ہمیشہ ٹھکرایا ہے۔ پھر تو آج اپنی شکستہ حالی پر کیوں رنجیدہ ہے۔ اگر آج تجھے عروج حاصل نہیں ہے۔ تو نہ ہوا کرے۔ لیکن تیرے سینے میں آج بھی وہی دل ہے جو آج سے تیرہ سو سال پہلے تھا۔ تیرے سر پر اگر تاج نہیں ہے تو کچھ غم نہ کر۔ تیرے قلب میں آج بھی وہی نور ہے جو بادشاہی کے زمانہ میں تھا۔ نور الٰہی کی روشنی میں آگے بڑھ۔ بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دے۔ اخوت اور محبت کے رشتوں میں مسلمانوں کو جکڑ دے۔ یاد رکھ اپنی بادشاہی سے دست بردار ہو جانے کے باوجود بھی تو بادشاہ ہے تو اس طرح بنی نوع انسان کی خدمت کر سکتا ہے جس طرح تو گذشتہ دور میں پیکر ہمدردی بن چکا ہے۔ جوش ایمانی کو حرکت میں لا۔ عمل کے میدان میں آگے بڑھ۔ کفر کی تاریکیوں سے نہ گھبرا۔ خدمت کر اور مخدوم بن جا۔ محبت کر اور محبوبیت حاصل کر لے۔ مادیت کو چھوڑ اور روحانیت سے ہم آغوش ہو جا۔ اس کے بعد دیکھ کہ خود بخود تیری زندگی میں انقلاب پیدا ہو گا۔ زمانہ کروٹ لیگا اور گذشتہ عظمت پھر ایک بار تجھے حاصل ہو کر رہے گی۔ (الخلیل)

نوجوانانِ اسلام کے رجحانات

ہر دردمند مسلمان اپنی قوم کے نوجوانوں کی روش کو خوف و ہراس اور تشویش و اضطراب کے ساتھ دیکھتا ہے کہ وہ الحاد و دہریت کے تباہ کن سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہ رہے ہیں۔ مغرب پرستی ان کا نصب العین بن چکی ہے۔ اور اپنے اسلاف کے اخلاق و شعائر کی تقلید ان کے نزدیک تاریک اور تنگدلی ہے۔

اخبارات، رسائل، واعظین، مقررین اور اسلامی مجالس و ادارات نے اس خطرناک رجحان اور اس کے ان تباہ کن نتائج و عواقب سے ملک اور قوم کو بارہا متنبہ کیا ہے کہ جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہم نے پر جوش تقریریں سنکر آنسو گرائے ہیں۔ اور زوردار مقالے پڑھ کر اصلاح نوجوانان کا عہد باندھا ہے۔ مگر عمل کے میدان میں ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ نہ کرنے کے برابر ہے۔

نوجوانان قوم کی اصلاح کے لئے اس وسیع براعظم میں چند انجمنیں ملیں گی۔ جو مقامی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور جو کوئی صحیح راہِ عمل سامنے نہ ہونے کے باعث مقامی افراد کے لئے بھی زیادہ مفید نہیں ہیں۔ اخبارات اور رسائل کا جہاد تو جہاد بالقلم ہے اس کو عمل کی کسوٹی پر پرکھا ہی نہیں جا سکتا۔ لیکن دوسری طرف تخریب اخلاق کی تعلیم کو تہذیب و تمدن کا لباس پہنایا گیا ہے۔ اور کلب تھیئٹر سینما جزو تہذیب بن چکے ہیں جو در اصل ہمارے ملک میں اخلاق سوز تعلیمات کے حسین مراکز ہیں۔ اور مشرقی تہذیب کے پیکر میں اپنے مہلک جراثیم پھیلا رہے ہیں مشن سکولوں اور کالجوں کے مسلم طلباء کو مسیحیت کی غیر محسوس تبلیغ کے ذریعہ اسلام سے بیگانہ بنایا جا رہا ہے اور جہاں ایسا نہیں ہے وہاں کی تعلیم میں یہ نقص ہے کہ اسلامی تعلیم کا انتظام نہ ہونیکے باعث وہاں کے مسلم طلباء کی نظر سے ایسا لٹریچر نہیں گذرتا جو انہیں اسلامی سیرت پیدا کر دے۔ اور وہ ایسے راسخ العقیدہ مسلمان بن جائیں جن پر حوادث زمانہ کا کوئی اثر نہ ہو اور مغرب پرستی کی مسموم آندھیاں انکے قومی کیرکٹر کو تباہ و برباد نہ کر سکیں ایک اور مرض بھی قوم کے اخلاق کو بری طرح تباہ کر رہا ہے وہ عاشقانہ ناولوں اور افسانوں کا شوق ہے جو مسلم نوجوانوں میں بڑی کثرت سے دیکھا جاتا ہے۔ ان ناولوں اور افسانوں کی مقبولیت کی وجہ بھی وہی مغرب پرستی ہے۔

ایک امریکن اہل قلم خاتون مس کرسٹائن چوپ سلیڈ نے اپنے ایک مضمون میں بتایا ہے کہ "ناول بینی کی وجہ سے اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور زندگی کے حقائق کو اصلی روشنی میں دیکھنا اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔ عشقیہ مضامین کے مطالعہ سے عام طور پر ہمتیں پست ارادے رکیک تخیلات ناکارہ اور قوائے عمل شل ہو جاتے ہیں"۔ یہ ایسے حقائق ہیں جن سے انکار کرنا اپنی کور چشمی اور کوردلی کا اقرار کرنا ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ ایک طرف چند اصلاحی انجمنیں ہیں۔ دوسری طرف بیشمار جاذب توجہ مشغلے ہیں، ادارے ہیں، سوسائٹیاں ہیں، کلب ہیں، تھیٹر اور سینما ہیں اور ان پر مستزاد۔ الناس علی دین ملوکہم کے مصداق حکومت کی مماثلت و مشابہت کے جذبات ہیں۔ ان حالات میں ملک و قوم کی اصلاح کی توقع کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ سنگریزے دامن میں رکھنے والا دیوانہ یہ سمجھتا ہے کہ میں انکی دیوار بنا کر دریائے ذخار کے پر زور تھپیڑوں کا رخ پھیر دونگا۔ یا کوہ گراں سے اس امید پر سر ٹکراتا ہے۔ کہ اس کی سنگین چٹانیں چور چور ہو جائینگی۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارا نوجوان اصلاحی انجمنوں کے کارکنان سے تبادلہ خیال کا بھی روادار نہیں۔ وہ ان کو فرسودہ اور کرم خوردہ تہذیب کا پتلا جانتا ہے۔ ایسی حالت میں ان انجمنوں کا عدم و وجود تقریباً برابر ہے۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان مہلکات کا سرچشمہ تلاش کرکے اسے بند کردیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ہمارے یہاں ملکی زبانوں کو ذریعہ تعلیم قرار دیا جائے۔ اور تعلیمی نصابات کی ترتیب وتدوین کے وقت مشرقی تہذیب کے مفید عناصر کی بقا اور قومی خط وخال کو بحالہ برقرار رکھنے کی کوشش کی جائے۔ نیز ادبی اور تفریحی لٹریچر جسقدر بھی مہیا کیا جائے۔ وہ فطرت سلیم کا آئینہ ہو۔

مستانے کہاں

گر فروزاں ہے جہاں میں آج تک شمعِ حرم
پر فدا ہونے کو اب پہلے سے پروانے کہاں

بادۂ وحدت وہی ہے لطف ساقی بھی وہی
آئیں جو گردش میں خود اب دیسے پیمانے کہاں

حسنِ لیلےٰ تو جہاں میں آج بھی موجود ہے
ہاں مگر مجنوں سے عاشق اور دیوانے کہاں

گرچہ اک دنیا مئے توحید سے مخمور ہے
جاں بکف ہوکر جو نکلیں اب وہ مستانے کہاں

دیکھ مسلم! عصرِ نو بھی درپئے آزار ہے
چاہتے ہیں غیر تیری اپنے ہیگانے کہاں

جبکہ اس شدت سے بڑھتا آرہا ہے سیلِ کفر
ملتِ بیضا کے بچ سکتے ہیں کاشانے کہاں

عزتِ دیں ھسئے مسلم کے دل سے اُٹھ گئی!
آہ تاثیرِ وفا اس آب وگِل سے اُٹھ گئی!

وائے مسلم خفتگی اور پنبہ درگوشی تیری
شور اعدا سے اٹھا ہے چونک گو سارا جہاں

اُٹھ کے اپنے خوں چکاں زخموں کا تو نظارہ کر
دیکھ میدان وغا میں غیر کی تیاریاں

اپنی ذلت کا زمانے میں تماشائی بھی ہو
کب تلک تو یہ نہ سمجھے گا خدارا چیستاں

اُٹھ کہ نظارے بنے ہیں اب سراپا انتظار
اُٹھ کہ پہنچا عرش تک ملت کی آہوں کا دھواں

سطوت اسلام سے پھر کفر کو مرعوب کر
اُمتِ ختم الرسل پھر دہر میں ہو کامراں

"مذہب حق کی حمایت" پھر بنا اپنا شعار
بے خبر اب ترک کر پروائے مال وفکر جاں

تیری ہستی ہے زمانے میں صداقت کی دلیل
تجھ کو کرنی ہے ابھی تعبیر رویائے خلیل

منظور ایم۔اے

سیرتِ اولیاء

ایک دفعہ حضرت شیخ احمد ابونصر رح نے مکہ معظمہ میں بر سر ممبر توحید کے بعض اسرار بیان کئے۔ بزرگان حرم کو یہ فاش گوئی بہت ناگوار گذری اور انہوں نے شیخ موصوف کو مسجد سے نکال دیا۔ آپ کے پیر کو یہ حال معلوم ہوا۔ تو خادم سے فرمایا کہ اگر احمد ہمارے دروازہ پر آئے تو اندر نہ آنے دینا۔ خادم نے ایسا ہی کیا۔ شیخ احمد باہر ٹھیرے اور سخت نالہ و بکا میں مبتلا تھے۔ کئی دن کے بعد جب ان کے پیر باہر تشریف لائے۔ تو یہ ان کے قدموں پر گر پڑے۔ حضرت پیر نے فرمایا۔ کہ تم نے حرم محترم میں گستاخی کی ہے۔ تم کو حکم ہوتا ہے۔ کہ روم چلے جاؤ۔ شہر جاسوس میں ایک سال مقیم رہ کر دن کو سور چراؤ اور رات کو ویرانوں میں نماز پڑھو۔ ایک لحظہ آرام نہ کرو۔ حضرت نے پیر کو حکم کے مطابق فوراً سفر اختیار کیا۔ اور ایک سال طرسوس میں رہ کر اور تعمیل حکم کر کے بغداد کو واپس آئے۔ جب ان کے پیر کو ان کی آمد کا حال معلوم ہوا۔ تو بارہ خانقاہوں تک آگے بڑھکر ان کا استقبال کیا۔

ایک دفعہ حضرت شیخ ابو قاسم نصیر آبادی رح مکہ معظمہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک دن راستے میں ایک کتا نظر آیا جو بہت بھوکا اور پیاسا معلوم ہوتا تھا۔ آپ نے اسے دیکھا۔ تو یہ خواہش ہوئی کہ اسے کچھ کھلانا پلانا چاہیئے۔ لیکن آپکے پاس کوئی چیز موجود نہ تھی۔ آپنے نہایت خلوص و عقیدت اور توکل کی حالت میں سترہ حج کئے تھے۔ پس آپ پکارنے لگے کہ کیا کوئی ہے۔ جو مجھے چالیس حجوں کے ثواب کے بدلے ایک روٹی دے۔ آخر ایک شخص نے گیہوں کی ایک روٹی دیکر چالیس حج خرید لئے۔ آپنے وہ روٹی کتے کو کھلائی۔ اس اثنا میں کسی شخص نے حضرت کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا کہ اے نادان اپنے دل میں یہ تو خیال کر کہ تیرے باپ نے دو دانوں کے عوض بہشت کو فروخت کر دیا۔ تو نے تو ایک روٹی کے بدلے چالیس حج فروخت کئے ہیں۔ یہ سنکر حضرت اپنے دل میں بہت خجل ہوئے۔

حضرت شیخ عبداللہ بن طوسی رح ایک دفعہ بغداد کو تشریف لے گئے۔ تو رمضان مبارک کا مہینہ تھا۔ آپ ایک مسجد کے حجرے میں مقیم ہو گئے۔ اور مسجد کی امامت آپکے سپرد کی گئی۔ شب کو آپ نماز تراویح پڑھتے۔ اور پانچ قرآن روزانہ ختم کرتے۔ آپ کا خادم جو کی ایک روٹی حاضر کرتا تھا۔ جب عید کا دن آیا تو آپنے مسلمانوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھی اور خادم نے حجرہ کو دیکھا تو جو کی تیس روٹیاں بدستور موجود تھیں۔

حضرت حبیب عجمی کے متعلقین بڑی تنگی و افلاس میں بسر کرتے تھے۔ ایک دن حضرت کی بیوی نے ناقہ فقر کی بہت شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ خاطر جمع رکھو کل مزدوری کرونگا۔ اور معاش کا کوئی ذریعہ نکال لونگا۔ دوسرے دن حضرت بدستور عبادت الہٰی میں مشغول ہو گئے۔ اسی طرح دس دن کا زمانہ گزر گیا۔ حضرت جب شام کو گھر میں جاتے بیوی مزدوری طلب کرتیں۔ آپ فرماتے کہ میرا آقا بے طلب مزدوری دیتا ہے۔ اس لئے مجھے مانگتے ہوئے شرم معلوم ہوتی۔ اب دسویں دن سب مزدوری مل جائیگی۔ جب دسواں دن ہوا اور حضرت گھر میں جانے لگے تو سخت پریشان ہوئے کہ اب کیا کروں اور کس بہانہ سے بیوی کو سمجھاؤں۔ ادھر یہ واقعہ گذرا کہ چار حمال حضرت کے دروازے پر آئے ایک آٹا دوسرا گوشت تیسرا روغن اور شہد چوتھا روپیوں کی ایک تھیلی لایا اور سب چیزیں گھر دیکر کہا۔ کہ حبیب کے آقا نے مزدوری بھیجی ہے اور فرماتا ہے کہ اگر تم اپنا کام دل لگا کر کروگے تو ہمیں اس سے زیادہ صاحب کرم پاؤ گے۔

ہم نشینی کا اثر

لطف زندگی بہت کچھ صحبت سے متعلق ہے۔ آپس میں اتفاق اور صحبت انسان کیلئے اسی طرح ضروری ہیں جسطرح کہ پتھر کی محراب بنانے کے لئے پتھر اور جوڑنے کے مصالحہ کی۔ اگر محراب میں ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کو نہ سنبھالے تو پوری محراب زمین پر آرہے۔ اور کچھ نہیں تو کم سے کم حق کا لحاظ تو ہر انسان پر فرض ہے۔ اگر ہم آپس میں ایک دوسرے کو فائدہ نہ پہنچا سکیں۔ تو نقصان پہنچانے کی فکر کرنا بیہودگی ہے۔ تکلیف میں لوگوں کی امداد کرنا۔ رستہ بھولے ہوؤوں کو راستہ پر لگانا اور محتاجوں کو اپنے کھانے میں شریک کرنا۔ گویا اپنی ذات کو فائدہ پہنچانا ہے اسلئے کہ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند۔ تمام انسانوں میں رشتہ ہم نسبتی قائم ہے۔ ہم سب ایک ہی قسم کے عناصر سے بنائے گئے ہیں۔ ہمارے پیدا کئے جانے کا منشاء اور اسکا انجام ایک ہی ہے۔ ہم اوروں سے میل ملاپ کا پیدا کرنا اور اوروں پر ہمارے ساتھ انصاف اور حق رسانی کی کوشش کرنا فرض ہے۔ سوسائٹی کا شوق نیچرل ہے۔ مگر اس کے ممبروں کا انتخاب البتہ لیاقت اور دور اندیشی کا کام ہے۔ عمدہ صحبت کا اثر بھی ویسا ہی عمدہ ہوتا ہے۔ اور لائق اور پاکباز شخص کے حالات پڑھنے اور سننے والے بھی ویسے ہی لائق اور پاکباز ہو جاتے ہیں۔ انکی عمدہ مثالیں ہمارے دلوں میں ایک قسم کی تحریک پیدا کر دیتی ہیں۔ اور ہم سے عمدہ کام مثلاً کمزوروں کی حفاظت کرنا مظلوموں کی دلداری کرنا شریروں کو سزا دلانا یا ایسی ہی اور بہت سی اچھی باتوں کی باعث ہو جاتی ہیں۔ اور اس طریقہ سے ضرور ہے کہ دنیا کی حالت کچھ نہ کچھ بہتر ہو جائیگی۔ عمدہ مثالوں کے قائم کرنے کا خیال بھی بڑی ہمت کا کام ہے۔ اس احسان کا تو ذکر ہی نہیں۔ جو اس طریقہ سے ہم اپنے ہمعصروں پر کرتے ہیں۔ مغرور لوگوں سے جو ہم پیالہ و ہم نوالہ رہے گا۔ اور اسکا دماغ بھی انہی کی طرح بیہودگیوں سے پر ہو جائیگا۔ نفس پرست لوگوں کے دوست بھی اگر اس حد تک بدکار نہیں ہوئے تو اس کے قریب قریب ضرور بدکار ہو جائیں گے۔

اعلان برائیوں سے بچنے کے لئے یہی ضروری ہے کہ اس قسم کی صحبت سے وہ شخص علیحدہ کر لیا جائے۔ ان کی نزدیکی اور قربت تو خراب ہی ہے۔ مگر ہمارے پاس ہر وقت ان کی موجودگی اس سے زیادہ خراب ہے۔ خراب مثالیں جھوٹی خوشیاں اور آرام مخرب اخلاق ضرور ہیں۔ جس طرح سخت زمین گھوڑوں کے سموں کو سخت کر دیتی ہے۔ اور پہاڑ کے رہنے والے اعلیٰ درجہ کے جفاکش سپاہی بن جاتے ہیں۔ یا معدنیات پر کام کرنے والے سفر مینا کی پلٹن میں اعلیٰ درجہ کے لائق ثابت ہوئے ہیں۔ اسی طرح قواعد کی سختی اور اس کی پابندی سے دل کو مضبوطی حاصل ہو جاتی ہے۔ مصائب اور دولت کی کثرت کے وقت ہم کو ان عمدہ لوگوں کی پیروی کرنا چاہیئے۔ جنہوں نے ایسی حالت کو نفرت سے دیکھا ہے وہی لوگ اعلیٰ درجہ کی تعلیم دے سکتے ہیں۔ جن کے اقوال و افعال یکساں ہوں۔ اور جو زندگی ہی میں یہ کام کرنا بھی چاہتے ہوں۔

درسِ عبرت

کارگاہ عالم میں جو محیّر العقول شاہکار آپ دیکھ رہے ہیں۔ عجائبات و نوادر کی جو بوالعجبیاں آپ کے پیش نظر ہیں اکتشافات جدیدہ کی جو دلآویزیاں آپ کی نگاہوں کیلئے حیرت آمیز جاذبیت کا سامان بہم پہونچا رہی ہیں۔ ان سب کی تہ میں علم کی ہمہ گیری مصروف کار ہے۔

مسٹر ڈگرینڈرسن اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ کہ عربوں نے علوم و فنون میں انتہائی سرعت رفتار کے ساتھ ترقی کی۔ انہوں نے تہذیب و تمدّن کو خود حاصل کرنے کے بعد نہائیت سرگرمی اور عرقریزی سے جابجا پھیلایا۔ ان کی حکومت میں بڑے بڑے شہر تعمیر ہونے لگے۔ تجارت اور صنعت و حرفت نے عظیم الشّان ترقیاں حاصل کیں۔ تمام اسلامی دنیا میں مدارس اور کالج کھل گئے۔ اقلیدس علم ہندسہ، ہئیت اور علوم طبعی بارہویں صدی عیسوی میں عربوں ہی سے یورپ نے حاصل کئے!

اندلس کے مسلمانوں میں تو دسویں صدی کے آغاز میں علوم و فنون اور صنعت کا چرچہ درجہ کمال تک پہنچ گیا تھا۔ وہاں ان کے مدرسے، کتبخانے اور یونیورسٹیاں موجود تھیں علما ادب، منطق۔ فصاحت بلاغت۔ ریاضی وغیرہ علوم کا درس طلباء کو دیا کرتے تھے۔ یونانیوں کی فلسفی کتابوں کے ترجمے سب سے پہلے عربوں ہی نے اپنی زبان میں کئے۔ اسی طرح علم الحیوانات، علم النباتات، علم کیمیا و علم طب و حکمت میں مسلمانوں نے بہت ترقی کی۔

مؤرخ موصوف محولہ بالا تصریح کے بعد لکھتا ہے۔ کہ اہل یورپ مسلمانانِ اسپین کے اس لئے بھی ممنون ہیں۔ کہ علم حساب اور اعداد کا لکھنا انہوں نے مسلمانوں ہی سے سیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں اس علم کو عربی ہندسہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جنھیں جھٹلانے کی کوئی شخص جرأت نہیں کر سکتا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا مسلمانوں کے اس شاندار "ماضی" سے ان کے متبذل "حال" کو کوئی دور کا تعلق بھی ہے؟

اس وقت وہ جہالت اور تاریک ترین جہالت میں مبتلا ہیں۔ غفلت کی گہری نیند میں خرّاٹے لے رہے ہیں۔ اور کبھی اس بات پر غور نہیں کرتے۔ کہ موجودہ انحطاط و تنزّل سے نجات حاصل کرنے کے اسباب و وسائل کیا ہو سکتے ہیں۔ روزمرّہ کے مشاہدات ببانگ دہل اعلان کر رہے ہیں۔ کہ جس قوم نے تعلیم کی منزل میں تیزگامی سے کام لیا وہی اقتصادی کامیابی کی منزل پر سب سے پہلے جا پہنچی۔ اس لئے کہ:

(۱) جہالت اگر مرض ہے تو علم دوائے شافی ہے (۲) جہالت اگر موت ہے تو علم حیات (۳) جہالت اگر افلاس و نادار ی ہے۔ تو علم دولت و ثروت (۴) جہالت اگر ذلّت ہے تو علم عزت۔

جس زمانے میں عربی قوم فطری قابلیّت سے معمور تھی۔ اس وقت انہوں نے یونان روم اور ایران کی سہ گانہ تہذیبوں کی ترکیب سے ایک جدید تہذیب کی بنیاد ڈالی۔ جو عربی تہذیب کے نام سے موسوم ہوئی۔ عرب کی اسی تہذیب سے زمانۂ وسطی کے یورپ نے طب ریاضی اور

علوم طبعیہ کا ایک معتد بہ حصہ اخذ کیا۔

ہمیں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی تقلید کرنی چاہیئے۔ جنہوں نے علم کی روشنی کو جہاں کہیں سے وہ دستیاب ہوسکی حاصل کرنے میں دریغ نہیں کیا جیسا کہ عرب کے نبی اُمّی (ارواحنا فداہ) کے مصرحہ تحت ارشادات میں علم کی فضیلت و اہمیت کے متعلق بلیغ ترین ارشادات موجود ہیں۔

(۱) جو شخص علم کی تلاش میں نکلیگا۔ خدا اُسے جنت کا راستہ دکھائیگا۔ فرشتے علم کی جستجو کرنے والوں کو خیر مقدم کرتے ہیں۔ ایک تعلیم یافتہ شخص کو عبادت گذار محض پر وہی فوقیت ہے۔ جو چودھویں کے چاند کو ستاروں پر ہوتی ہے۔ (۲) بچپن سے لیکر موت کے وقت تک علم حاصل کرو۔ (۳) علم اگر چین میں بھی ہو تو اُسے حاصل کرنے کے لئے وہاں پہنچو۔

دنیا کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ علم ہے ایک غریب سے لیکر بادشاہ تک اس کا محتاج ہے۔ تاجر کو تجارت میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے حاکم کو بہترین طریق پر حکومت کرنے کی خاطر۔ صنّاع کو اپنی صنعت کو فروغ دینے کیلئے۔ زمینداروں کو اپنی زمین کی حفاظت کیلئے اور کاشتکار کو اپنی کھیتی کی زرخیزی کیلئے علم کی ضرورت ہے۔

آج مغربی قومیں علم ہی کی بدولت دنیا کے بیشتر حصے پر کامیاب حکومت کر رہی ہے۔ لیکن بخلاف اس کے جس اسلامی حکومت کی طرف نظر ڈالی جاتی ہے خواہ وہ شمالی افریقہ ہو یا مصر جزیرۃ العرب ہو یا سلطنت عثمانیہ، ایران ہو یا ہندوستان اس کی حالت طمانیت افزا نظر نہیں آتی۔

اگر ہندوستان کے مسلمان شاہد مقصود سے ہمکنار ہونا چاہتے ہیں۔ تو سب سے پہلے علم کی رہنمائی حاصل کریں۔ پھر ان کے لئے ہر طرف میدان وسیع ہے۔ دیگر اقوام کی طرح وہ بھی زراعت، صنعت و حرفت، سائینس، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ فنون میں کافی مہارت پیدا کریں۔ اس کے بعد انہیں یہ اہلیت حاصل ہوجائیگی۔ کہ اقوام متمدّنہ کی صف میں برابر کے حصہ دار بن سکیں۔ لیکن یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ اپنے ماضی و حال کا مقابلہ کریں۔ اپنی نئی نسلوں کو یہ بات ذہن نشین کرائیں۔ کہ قرنِ اولیٰ کے بہادر مسلمانوں نے اگر ایک طرف غزوات میں نام پیدا کیا۔ تو دوسری جانب زندگی کے مختلف شعبوں میں بھی وہ غیر فانی شہرت حاصل کی۔ کہ ساری دنیا کو اعتراف کرنا پڑا۔

ترقی اسے کہتے ہیں۔ کہ تھوڑے سے عرصے میں قیصر و کسریٰ کی باجبروت سلطنتیں زیر نگیں کرلیں۔ دورِ حاضر کے مسلمان بھی اگر اپنے آپ کو زندہ قوموں میں شمار کرانے کے خواہشمند ہیں۔ تو انہیں سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہیئے۔ کہ اپنی تعلیمی رفتار کو ممکن حد تک تیز کرنے میں ایک لمحہ کا تامل بھی روا نہ رکھیں۔ سخت ضرورت ہی کہ عوام کی توجہ بسرعت تمام اس طرف مبذول ہو کہ ضلعوار صنعتی ہائی اسکول قائم کئے جائیں۔ جن میں پڑھائی کے علاوہ مختلف قسم کی دستکاریاں مثلاً نجاری آہنگری۔ ٹین اور پیتل بنانے کا کام خراد اور مشینوں کے پرزے ڈھالنے کا کام رنگسازی وغیرہ انتہائی سرگرمی اور محنت کے ساتھ طلباء کو سکھائے جائیں۔ اور ہمارے ہاتھ تجارت ہو تو ہم بھی دیگر ممالک کی طرح آزاد ہو سکتے ہیں۔

لیکن یاد رہے کہ ان تمام چکروں کی گردش کا جس محور پر انحصار ہے۔ وہ تعلیم ہے۔ دنیا کی جس قوم میں تعلیم عام ہو گی۔ وہ یقیناً ہر میدان میں کامیاب ہو کر رہیگی۔ موجودہ دنیا کی متمدن قومیں (جرمنی) فرانس، روس، اٹلی، چین، انگلینڈ، جاپان) تمہاری سبق آموزی کیلئے زندہ شہادتیں

اصلاح الاعمال

رسوم

سنبھلو ورنہ رہنا یاں اس طرح پڑے گا
گونڈ اور بھیل جیسے گمنام و بے نشاں ہیں۔

اسلام نے چند عقائد و اعمال دنیا کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ اور کھلے الفاظ میں اعلان کر دیا ہے۔ کہ جو فرد یا جو قوم بھی ان کو اختیار کر لے گی وہ فارغ البال اور خوشحال ہو جائیگی۔ قرآن شریف کے نزدیک ہر نیکی کے محرک ملائکہ اور ہر بدی کی ترغیب دینے والا شیطان اور اسکی ذریت ہے فرشتوں کی تعریف یہ ہے کہ وہ حکم کے بندے ہیں۔ کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے فرائض کی انجام دہی میں ان سے لغزش تک نہیں ہوتی۔ شیطان کا مادہ شطن سے ہے شطن کہتے ہیں۔ لمبی رسی کو اصطلاحاً ہر وہ ہستی جو بے راہ روی اختیار کر لے۔ اور ہدایت کی راہوں کو چھوڑ کر جہالت کے رستے پر گامزن ہو جائے۔ اس ذلیل خطاب کی مصداق بن جاتی ہے۔ ملائکہ چونکہ اپنی ڈیوٹی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ لہذا ان پر ہر وقت رحمتوں کی بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ شیاطین نافرمان ہیں۔ بدی کی اشاعت ان کا پیشہ اور دین فطرت کی مخالفت ان کا مشغلہ ہے۔ اس لئے ان پر ہر لمحہ و ہر آن لعنتیں برستی رہتی ہیں بنی نوع انسان کی کامیابی اور ترقی اس میں ہے کہ فرشتہ خصلت بنیں۔ اور ابلیسی و شیطنت کی تباہی و بربادی میں کوشاں رہیں۔ ان اصول اور گر کی باتوں کو آپ ذہن نشین رکھیں گے اگر تو آپ پر منکشف ہو جائیگا۔ کہ ہم کو جس چیز نے خوار و رسوا کر رکھا ہے وہ کیا ہے؟

قرآن شریف کا ارشاد ہے: اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۔ بیشک فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں۔ غور کیجیئے۔ شیطانوں کی کوئی خاص ذات یا قوم نہیں ہے ظاہر ہے کہ ان کی اخوت بداعمالی اور بدکرداری کے بندھن سے قائم ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی لازمی ہے۔ کہ ملعون شیطان کی پارٹی کے آدمی ہر نعمت سے محروم اور نامرادی کے مورد ہوں۔ ایک اور مقام پر کتاب الٰہی میں علم الاقتصاد کا عطر اور ست ان الفاظ میں کھینچ کر رکھدیا گیا ہے: "کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ" کھاؤ اور پیو لیکن اسراف مت کرو بے شک و شبہ جو لوگ اسراف کرتے ہیں۔ اللہ ان کا دوست نہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں سے بڑھکر مذہب کی قدر کسی قوم کے دلمیں نہیں۔ ہمارے خیال میں یہ بات بالکل قرین دانش ہے۔ اسلام معقول ترین نظام حیات ہے۔ پسندیدہ ترین شئے کے ساتھ حد سے زیادہ محبت رکھنا انسان کی فطرت میں داخل ہے لہذا ہم برادران ملت سے ان کے عشق مذہب کا واسطہ دیکر پوچھتے ہیں۔ کہ کیا متذکرہ آیات میں انتہائی صفائی سے یہ واضح نہیں کیا گیا۔ کہ حد سے زیادہ خرچ کرنیوالے شیطان کے رفیق اور

خدا کے دشمن ہیں۔ خدا را بتاؤ کہ مذہب کے رُو سے اس شخص سے زیادہ بدبخت۔ نامراد اور منحوس کون ہوسکتا ہے۔ جو انسانی برادری سے کٹ کر طاغوت کی برادری میں داخل ہوجائے۔ اور اس کا خدا اس سے روٹھ جائے۔ یہاں پہونچکر ہم اس ہر کلمہ گو سے جو فضول خرچی کا خوگر ہوچکا ہے۔ استدعا کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے اعمال پر غور کرے۔ اور سوچے کہ وہ مسجود ملائک آدم ؑ کی اولاد ہو کر کیسے ایسے کام کر رہا ہے جو اسکی انسانیت کے لئے باعثِ ننگ و عار ہیں۔

روز مرّہ کے واقعات کو سامنے لاؤ۔ اخبارات کا مطالعہ کرو۔ شدھی کی رپورٹوں کو بنگاہِ امعان دیکھو۔ مشنریوں سے دریافت کرلو۔ غرضیکہ جہاں سے چاہو معلوم کرلو۔ جو جواب ملیگا۔ وہ اسی حقیقت کا ترجمان ہوگا۔ کہ آسمان سے نازل ہونیوالی بلائیں مسلمانوں کی جھونپڑیاں تلاش کر رہی ہیں۔ کہ ان کا ملجا و ماوا وہی ہیں۔ مکالے کہتا ہے کہ حاکم اور محکوم کے خصائل اور اخلاق میں بُعد المشرقین ہوتا ہے۔ ہو نہیں سکتا۔ کہ ہم نادار قلاش اور مفلس بھی ہوں۔ اور وہ برائیاں ہمارے شامل حال نہ ہوجائیں۔ جو غریبی کا خاصہ ہیں۔ ہندوؤں کے دیوتا سروپ مہاتما پرمانند نے ایک دفعہ فرمایا تھا۔ اورنگ زیب نے ہندوؤں کا دھرم بھرشٹ کیا۔ انہوں نے صبر کیا مگر جب ان سے ان پر جزیہ لگایا۔ تو وہ روپے کے نقصان کو برداشت نہ کرسکے۔ یاد رکھو نفسیاتی اعتبار سے یہ بات سولسوے درست ہے۔ کہ جو جماعت روپے کو دھرم سے زیادہ عزیز تصور کرتی ہے۔ اسکی ذہنیت اور اقتضاءِ طبعیت کا تقاضا صرف یہی ہوسکتا ہے۔ کہ دوسروں کو دولت کے ذریعہ سے "شدھ" کرے۔ ان بلاؤں کا قرار واقعی انسداد یہ ہے کہ مسلمانوں کو مفلسی کی زنجیروں سے بچایا جائے۔ سعدی فرماتے ہیں ؎

آنکہ شیراں راکند روبہ مزاج ٭ احتیاج است احتیاج است احتیاج

غریبی کا علاج یہی ہے۔ کہ آمدنی کو بڑھایا جائے اور اخراجات میں کمی کی جائے۔ اخراجات میں کمی سے مقصود یہ ہے۔ کہ مسلمان فضول خرچی کرکے شیطان کی برادری کا رکن بننے سے پرہیز کریں۔ کھائیں اور پئیں لیکن چھوڑپن سے بچیں۔ مسلمان کروڑہا روپیہ سالانہ شادی۔ ولادت اور مرگ کی پرلے درجے کی واہیات اور سراسر لغو رسموں پر صرف کرڈالتے ہیں۔ اور اس خصوص میں شریعت کی ایسی توہین کرتے ہیں۔ کہ ایسی توہین کبھی کسی غیر مسلم نے بھی نہیں کی۔ اسلام کہتا ہے کہ اپنی اولاد کو ہلاک نہ کرو۔ لیکن ہم ان کو زندہ درگور کردیتے ہیں۔ ابھی بچہ بالغ نہیں ہونے پاتا۔ کہ اس کی شادی کردی جاتی ہے۔ اور یہ "خانہ آبادی" اس کی کامل خانہ بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ جس نوجوان نے کٹّی ایک جتن کرکے تیس (۳۰) روپے کی ملازمت حاصل کی ہو۔ اس کے بیاہ پر جائداد گروی رکھکر سودی روپیہ منتجن اور بریانی میں اڑادینا اپنے لختِ جگر کو ہلاک کردینا نہیں تو اور کیا ہے۔ خدارا بتاؤ کہ یہ غریب والدین کے ایصال ثواب کے لئے کہاں سے خرچ کریگا۔ قرضہ سے کسطرح نجات حاصل کریگا۔ اور بزرگوں کی کیا محبّت اس کے دل میں پیدا ہوگی خاکروبوں اور چماروں نے کمیٹیاں کرکے یہ فیصلہ کرلیا ہے۔ کہ وہ غمی اور شادی کی مراسم پر مقررہ حد سے تجاوز نہیں کرینگے۔ ان میں سے کسی کو ہمت نہیں پڑتی۔ کہ وہ برادری یا پنچایت کی معیّن کردہ حدود سے تجاوز کرے۔ یہ جسارت ہمارے ہی حصّے میں آئی ہے۔ ہم حدود اللہ کو پائے استغفار سے ٹھکرا رہے ہیں۔ اس باب میں الرّاعی برادری اور جالندھر اور ہوشیارپور کے راجپوت سپوت مستحق تحسین ہیں۔ کہ انہوں نے مدت سے اصلاحِ رسوم کے کام کا بیڑا اٹھا رکھا ہے دیگر مسلم اقوام بھی اگر اسی طرح اپنی اندرونی اصلاح کی سعی کریں اور متفقہ عمل کیلئے تیار ہوجائیں تو عالم اسلام مستقبل قریب میں پھر اوج عروج پر درخشندہ ستارہ چمک سکتا ہے خدا ہمیں

داستانِ پارینہ

دشمن کی سزا

گاہے گاہے باز خواں ایں دفترِ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

جب بنی اُمیّہ کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس بدنصیب خاندان کے تمام لوگ چن چن کر مار ڈالے گئے۔ خلافت عباسیہ کے تاجدار کامرانی اور اطمینان کے ساتھ حکومت کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور بنی امیہ کا کہیں نام و نشان نہ رہا۔ تیسرے عباسی خلیفہ مہدی کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ اس کی ملکہ خیزراں ولی عہد سلطنت کی ماں ایک دن محل شاہی میں شان و شوکت سے بیٹھی ہوئی تھی کہ لونڈی نے آکر عرض کیا۔ خدا ملکہ کو سلامت رکھے۔ ڈیوڑھی پر ایک حسین عورت کھڑی ہے اور باریابی کی امیدوار ہے۔ ہزار پوچھا نہ پتہ نہ نشان بتاتی ہے۔ اور نہ نسب و خاندان کا پتہ دیتی ہے۔ اور نہ کچھ کہتی ہے کہ باریابی کی غرض کیا ہے۔

عبداللہ بن عباس کی پڑپوتی زینب بنت سلیمان جو خاندان بنی عباس میں نہایت ذہین مانی جاتی تھی۔ پاس بیٹھی تھی۔ خیزران نے ان سے کہا۔ تم اس بارے میں کیا کہتی ہو آنے دوں یا نہ آنے دوں۔ زینب نے کہا بلوا لیجئے کوئی اندیشے کی بات نہیں۔ اس مشورے کے بعد لونڈی کو بلانے کا حکم دیا۔ چند منٹ بعد اس لونڈی کے ساتھ ایک نہایت ہی حسین صاحبہ مگر فلاکت زدہ اور شکستہ حال عورت شریف زادیوں کے انداز سے آئی۔ مگر خیزران کا سامنا ہونے ہی دروازے کے دونوں پٹوں کے درمیان ٹھٹھک کر رہ گئی۔ اور وہیں سے کہا اے ملکۂ عالم آپ کی خدمت میں آداب عرض کر کے التماس ہے کہ میں بنی اُمیّہ کے آخری تاجدار مروان بن محمد کی بیٹی مزنہ ہوں۔ یہ نام سنتے ہی خیزران کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اور جھنجلا کر کہا تیرے لئے کمبخت سلام کا جواب۔ خدا تجھے غارت کرے۔ وہ گھڑی بھی تجھے یاد ہے جب ابراہیم بن محمد عباسی کی لاش بے گور و کفن پڑی تھی۔ اور بنی عباس کی بوڑھی عورتوں نے تیری خدمت میں حاضر ہو کر اتنی التجا کی تھی۔ کہ اپنے باپ سے سفارش کر کے اس کے دفن کرنے کی اجازت دلوا دے۔ لیکن بجائے ترس کھانے کے تو غصے میں انہیں مارنے کو دوڑی۔ گالیاں دیں۔ اور اسے محل سے نکلوا دیا۔ خدا کا لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنی نعمت تجھ سے چھین لی اور تجھے ذلیل و خوار کر کے اس حالت کو پہنچایا۔

خیزران کی زبانی یہ طیش کا جواب اور یہ کلمات غیظ و غضب سنکر مزنہ نے بجائے اس کے کہ ڈرے یا مرعوب ہو۔ زور سے ایک قہقہہ لگایا۔ بولی بہن بہن آپے سے باہر نہ ہو۔ یہ تو بتلاؤ۔ کہ میری بدسلوکی پر خدا نے مجھے جو جو ایذائیں دی ہیں ان میں سے تمہیں کونسی پسند ہے۔ جو میرا ہی سلوک تم میرے ساتھ کر رہی ہو۔ تم جو کہتی ہو سچ ہے۔ خدا کی قسم میں نے یہی کہا تھا۔ اور اس کی سزا یہ دی۔ کہ مجھے ذلیل و خوار ننگا بھوکا کر کے تمہارے سامنے لایا ہے۔ اسوقت تم نے میرے اس سلوک پر جو صبر و شکر کیا۔ اس کا

تمہیں یہ انعام ملا۔ کہ تم آج ملکہ عالم ہو۔ اور میں تمہارے سامنے عاجز و خوار بنی کھڑی ہوں۔

اتنا کہتے ہی مزنہ نے کہا "لو بہن خدا حافظ جاتے ہیں اور پیٹھ پھیر کر چلی کہ نکل جائے۔ ان باتوں کا خیزران کے دل پر کچھ ایسا اثر پڑا۔ کہ بے تحاشا دوڑی۔ لپک کے روکا۔ اور چاہا کہ گلے لگائے۔ گر مزنہ نے روکا۔ اور دونوں ہاتھوں سے الگ کر کے کہا۔ میں اس قابل نہیں۔ کہ تمہاری جیسی ملکہ مجھے گلے لگائے۔ میرے کپڑوں سے ایسی تعفن آرہی ہے کہ آپ کا دماغ خراب ہو جائیگا۔

یہ سنکر خیزران نے لونڈیوں کو حکم دیا۔ کہ فوراً انہیں حمام میں لے جاکر غسل کراؤ۔ اور شاہانہ لباس پہنا کر میرے پاس لاؤ۔ حکم کی دیر تھی۔ کہ لونڈیوں نے لیجا کر مزنہ کو حمام کرایا نہایت پر تکلف کپڑے پہنائے اور عطر میں لبسا کرلے آئیں۔ خیزران صورت دیکھتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ پھر اپنے برابر مسند پر بٹھا کر پوچھا۔ دسترخواں بچھاؤں۔ مزنہ نے صاف صاف کہا۔ آپ پوچھتی کیا ہیں۔ شائد مجھ سے بھوکا آپ کے سارے محل میں کوئی نہ ہوگا۔

فوراً دسترخوان بچھایا گیا۔ قسم قسم کے کھانے چن دیئے گئے۔ اور مزنہ نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ خواصوں نے ہاتھ دھلائے جب ہر طرح کی خاطر مداری سے فراغت ہوئی۔ تو خیزران نے کہا کہ بہن اب بتاؤ۔ کہ تمہارا خبرگیر کون ہے۔ بولی خبر گیر! جو کچھ قرابت ہے اسی گھر سے ہے۔ اس کے سوا میں ساری دنیا میں کوئی عزیز قریبی نہیں رکھتی۔ یہ جواب سنکر خیزران بولی۔ تو پھر تم یہیں رہو۔ چلو اپنے محل تمہیں دکھاتی ہوں جو پسند ہو لے لو۔

اس تجویز کے مطابق مزنہ کو ایک پر فضا وسیع اور خوبصورت محل رہنے کو دیکر اور اس میں ہر طرح سامان زندگی فراہم کر کے کہا بہن تم یہاں آرام سے رہو سہو اور آج سے تم ہم میں بہناپا ہو گیا جب تک جیتے ہیں ساتھ نہ چھوڑیں گے مزنہ نے شکریہ ادا کیا۔

خیزران اسے محل میں چھوڑ کر واپس آئی۔ اور دل میں کہنے لگی "کبھی اس عورت کی جو شان شوکت تھی۔ وہ ایک دنیا جانتی ہے لیکن زمانہ نے سردمہری کی اور یہ دل شکستہ ہو ہو گئی۔ اب اس کے دل کی کلفت صرف دولت اور ہمدردی سے دور ہو سکتی ہے۔ یہ خیال کر کے پانچ لاکھ درہم اس کے پاس بھجوا دیئے۔

خیزران ان کاموں سے فراغت پاکر بیٹھی ہی تھی۔ کہ اس کا صاحب تاج و تخت شوہر مہدی آگیا۔ اور حالات پوچھنے لگا۔ خیزران نے مسکرا کر مزنہ کے عجیب واقعہ کی داستان علیفہ کو سنانی شروع کی۔ میرے طعنے دینے پر وہ قہقہہ مار کر ہنسی اور بولی کہ میں نے تو جیسا کیا خدا سے اس کا بدلہ پایا۔ اب تم بھی میرے جیسا سلوک کر کے خدا سے ایسا ہی بدلہ چاہتی ہو۔ یہ کہ کر وہ چلی۔ . . . . .

خیزران تک یہیں تک کہنے پائی تھی۔ کہ مہدی کو زیادہ سننے کی تاب نہ رہی۔ بات کاٹ کر بولا۔ افسوس کہ خدا نے تم کو ان نعمتوں کا شکر گذار ہونے کا موقع دیا تھا لیکن وہ موقعہ تم نے ہاتھ سے کھو دیا۔ اگر تم نے اپنی محبت سے میرے دل میں گھر نہ کر لیا ہوتا تو تم کو اس حالت میں سخت سزا دیتا۔ اور کبھی زندگی بھر تم سے بات نہ کرتا۔

خیزران نے کہا یا امیر المومنین آپ سنیں تو سہی۔ میں نے اس کی بے انتہا معذرت کی اور حتی المقدور اس کی خدمت میں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور پانچ لاکھ درہم اس کے اخراجات کے لئے بھیجا۔ اور اب وہ شرقی محل میں خوش و خورم مقیم ہے۔

یہ سنتے ہی مہدی نہایت خوش ہوا۔ اور خیزران کے حسن سلوک کی تعریف کی۔ اور اسی وقت اپنے خادم کو بلا کر حکم دیا۔ کہ اسی وقت سو اشرفیوں کے توڑے میری طرف سے بھی دے آ۔ میرا سلام پہنچا کر کہنا کہ تمہاری خدمت کرکے جسقدر میں آج خوش ہوا ہوں کبھی زندگی بھر نہ ہوا تھا۔ تمہاری قدر و منزلت کرنا امیر المومنین پر فرض ہے اور اگر تمہاری ناراضگی کا اندیشہ نہ ہوتا۔ تو خود تمہارے پاس اپنا ناچیز ہدیہ لیکر حاضر ہوتا۔ جب مزنہ کو یہ پیام ملا۔ خود خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ادب سے سلام کیا۔ خیزران کے حسن سلوک اور نیک نیتی کی تعریف کی۔ اور کہا کہ بھلا میں اپنے شریف النفس آقا سے کیسے ناراض ہوسکتی ہوں۔ اگر آپ مجھے اپنی لونڈیوں میں تصوّر فرمائیں تو میرے لئے باعث فخر ہے۔

مہدی اس بات پر بہت خوش ہوا۔ اور نہایت عزت کے ساتھ اس کو اس کے محل میں پہنچا آیا۔ اس کے بعد مزنہ ہمیشہ خیزران کے ساتھ رہی۔ یہاں تک کہ مہدی سفر آخرت کے بعد اس کے بیٹے ہادی کے عہد خلافت میں بھی اس سے وابستہ رہی۔ پھر جب خیزران کے دوسرے اقبال مند فرزند ہارون رشید کا عہد شروع ہوا تو رشید بھی مزنہ کی بڑی خاطر داشت کرتا رہا۔ جو عزت تمام ہاشمیہ اور عباسیہ خاتونان کی تھی۔ وہی مزنہ کی بھی تھی۔ اور خلافت رشید کے اوائل میں جب مزنہ کا انتقال ہوا۔ تو رشید اس کے جنازے پر زار زار رویا۔ اور اسکو نہایت کروفر سے شاہی قبرستان میں دفن کیا۔

انقلابات عالم نے صدہا ایسے واقعات پیش کئے ہیں۔ جو مایۂ عبرت ہیں۔ جن کو دیکھ کر بڑے بڑے سنگدل لوگوں کے دل تھرّا اٹھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ہمارے دل ایسے سخت ہو گئے ہیں۔ کہ ہمیں کسی چیز سے عبرت حاصل نہیں ہوتی۔

حالات کا نقشہ

(از جناب ڈاکٹر محبوب عالم صاحب قریشی لدھیانوی)

میں کھینچتا ہوں تازہ خیالات کا نقشہ
دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کا نقشہ

اس دور میں ہر شخص ہوا وقت کا پابند
لٹکایا ہے دیوار پہ اوقات کا نقشہ

بے پردگی اس عہد کے فیشن میں ہے داخل
اُٹھا رخ زیبا سے حجابات کا نقشہ

اک چھوٹی سی گمنام سی بستی میں پہنچکر
یاد آتا ہے مشہور مقامات کا نقشہ

ہو جاتا ہے دنیا کے اندھیرے میں اُجالا
خورشید بدل دیتا ہے سب رات کا نقشہ

بادل کی گرج بھی ہے مسرت کا ترانہ
کیا خوب دل افروز ہے برسات کا نقشہ

سردی کے مہینوں میں بھی آتا ہے پسینہ
جب سامنے آتا ہے حوالات کا نقشہ

میراثی و قصاب بھی بن بیٹھے قریشی
بھولے ہیں وہ اسلاف کے حالات کا نقشہ

ہر شعر سے ظاہر ہے تخیّل کی بلندی
محبوب یہ ہے فن کے کمالات کا نقشہ

اسرار دنیوی کی ملکہ

بیوی

(۱) جب میں کفار سے کوئی بات سنتا تھا۔ اور مجھے ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ تو خدیجہؓ سے کہتا تھا۔ وہ اسطرح سمجھاتی تھیں۔ کہ اس سے میرے دل کو تسکین ہو جاتی تھی۔ اور کوئی رنج مجھ کو نہ ہوتا تھا۔ جو خدیجہؓ کی باتوں سے ہلکا اور آسان نہ ہو جائے۔ (حضرت صلعم)

(۲) تم میں سے اچھے لوگ وہی ہیں۔ جو اپنی بیویوں سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔

(۳) ایمان کے بعد نیک بخت عورت سے زیادہ دنیا میں کوئی نعمت نہیں۔ (امیر المومنین حضرت عمرؓ)

(۴) میاں بیوی کا عجب رشتہ ہے کہ مرد و عورت نکاح ہو جانے کے بعد سب چیزوں میں شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ بات کسی اور رشتہ میں نہیں پائی جاتی مال مشترک۔ گھر مشترک۔ کھانا مشترک اولاد مشترک آبرو مشترک۔ خوشی مشترک۔ رنج و غم مشترک (شمس العلماء مولانا نذیر احمد)

(۵) زن و شوہر ساتھ ہی دعا مانگتے ہیں۔ ساتھ ہی عبادت کرتے ہیں اور ساتھ ہی روزہ رکھتے ہیں۔ خوشی۔ رنج و راحت تکلیف میں باہم ایک دوسرے سے مونس ہوا کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کوئی امر پوشیدہ نہیں رکھتے اور نہ ایک دوسرے کیلئے بار خاطر ہوتے ہیں۔ ایسی جگہ جہاں یہ باتیں ہوتی ہوں اسے دیکھکر خدا بھی خوش ہوتا ہے۔ ایسی جگہ وہ اپنی برکت نازل کرتا ہے۔ زن و شوہر جہاں باہم محبت سے رہتے ہیں وہاں وہ بھی ہوتا ہے اور جہاں وہ موجود ہے وہاں برائی قدم نہیں رکھ سکتی۔ (سر جان لبک)

(۶) بیوی کی صحت پر زندگی کی ترقی و تنزل کا انحصار ہے (لارڈ برلے)

(۷) اگرچہ میں کیسی ہی مفلسی کی حالت میں ہوں لیکن اگر کوئی مجھکو تمام دنیا کا خزانہ دیدے تو میں اپنی بیوی سے تبادلہ نہ کروں۔ (الوفر)

(۸) دنیا میں وہ سب سے زیادہ خوش نصیب شخص ہے جسکی بیوی عصمت مآب ہو اور جس کے ساتھ وہ نہایت آرام سے زندگی بسر کر سکے۔ "

(۹) تعلیم یافتہ عورت سے شوہر کی ترقی اور جاہل سے تنزل ہو گا۔ (لارڈ برلے)

(۱۰) جیسا آرام مجھے اپنی بیوی سے ملا حقیقت میں کسی سے نہیں مل سکتا۔ (فریڈی)

(۱۱) دنیا میں شریف بیوی مرد کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ (ملٹن)

(۱۲) چوبیس سال کے بعد مجھے یہ تجربہ ہوا کہ دنیا میں اگر کوئی شخص میرے کاموں میں مدد دے سکتا ہے تو وہ میری بیوی ہے۔ (کاونٹ زنڈرف)

(۱۳) خدا کی دوسری نعمتوں میں سے مجھے اپنی بیوی زیادہ قابل قدر معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ مصیبت کے وقت میری مدد کرتی ہے۔ اور جب میں مشکلات سے گھبرا جاتا ہوں تو وہ میری ہمت دلا رہی کرتی ہے وہ میری ایسی نگران رہتی ہے۔ کہ اس کی محبت سے مجھے یقین ہے۔ کہ کوئی برا کام نہ کر سکونگا۔ (ڈاکٹر لوگ جے)

(۱۴) اگر کسی مرد کے پاس نیک بیوی ہے۔ تو اسکو اس سے بہتر کوئی چیز دنیا میں نہیں مل سکتی۔ (سائمن انٹرلیس)

(۱۵) عورت اپنے شوہر اولاد اور اسرارِ بیوی کی ملکہ ہوتی ہے جس کے روبرو دنیا اور زمانہ تاج اور عصائے شاہی سرِ تسلیم کر دیتے ہیں۔ (رسکن)

(۱۶) اگر میں کسی فخر کا مستحق ہوں۔ تو اس کا نصف میری بیوی کا حصہ ہے (فولنس)

(۱۷) میں اپنی بیوی سے ہمیشہ مشورہ لیتا ہوں۔ اور سوائے اس کے میرا کوئی مشیر نہیں ہوا۔ وہ اپنی شیریں زبانی اور ملیح لہجہ سے ہر وقت میرے پہلو سے لگی بیٹھی گفتگو کیا کرتی ہے۔ اور اس بات کی منتظر رہتی ہے۔ کہ کب وہ میرے کسی امر میں مدد دے سکتی ہے۔ ٹینی سن

(۱۸) خاوند کا دلی دوست بیوی سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوتا۔ (ایڈیسن)

(۱۹) میں اپنی بیوی کی ذکاوت اور فراست پر مغرور ہوں۔ اور فخر کرتا ہوں اور اپنے کو تمام دنیا سے زیادہ خوش نصیب خیال کرتا ہوں ٹینی سن

(۲۰) بیوی کی خاطر تواضع کو فرض سمجھنا چاہیئے۔ (تھیوڈر پارکر)

(۲۱) انسان کو جیسا بیوی بنا دیتی ہے ویسا ہی وہ بن جاتا ہے۔ (ڈاکٹر ڈبلیو۔ ڈبلیو ہال)

عذرِ تقصیر

"بزم قریش" کے تحت "کچھ اپنی نسبت" کے عنوان سے گذشتہ اشاعت میں القریش کی بے قاعدہ اشاعت کے اسباب و علل پر ایک شذرہ سپرد قلم کیا گیا تھا کوشش کی گئی تھی۔ کہ حالات مساعد ہو جائیں۔ اور ترتیل اشاعت پھر سے قائم ہو جائے۔ لیکن وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہو۔ انسانی تدبیریں ہمیشہ عاجز اور کمزور ثابت ہوئیں اور وہی ہو کے رہا جو نوشتہ تقدیر میں تھا۔ ستمبر کے رسالہ کی کاپیاں بالکل اس قابل ہو گئی تھیں۔ کہ پریس میں بھیجدی جائیں اور اسقدر وقت بھی تھا کہ تاریخ مقررہ پر پوسٹ ہو جائے لیکن کچھ ایسی مشکلات حائل ہوئیں اور ایسے امور مانع ہوئے جو ہمارے حیطۂ اقتدار سے باہر تھے۔ نامساعد واقعات نے پیہم ہماری مساعی کو ٹھکرایا اور ہماری کوئی سعی کامیاب نہ ہوئی اور یہی سبب ہے کہ ناچار ہمیں وہ کاپیاں اکتوبر کے مسودہ مرتبہ کے ساتھ ملا کر شائع کرنی پڑیں پیش آمدہ امور میں سب سے اہم امر یارانِ قریش کی توسیع اشاعت کے بارہ میں عدم توجہی یا یوں کہیں کہ مالی کمزوری ہے۔ خدا کے بھروسہ پر ہماری مساعی جاری ہیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ فضل ایزدی شامل حال ہو کر مستقبل قریب میں ہماری ان تمام مشکلات کو حل کر دے۔ ناظرین مطمئن رہیں خدا نے چاہا تو اسی قیمت میں ہفتہ وار اخبار کی شکل میں ان کی قومی خدمات انجام دیگا۔ اور اسوقت یہ تمام کسریں نکل جائیں گی۔ (مینجر)

تربیتِ اولاد

(از مولانا محمد اکرام اللہ خاں صاحب ندوی)

بچہ کی تربیت کی ابتدا گھر سے بلکہ آغوشِ مادر سے ہوتی ہے۔ کیونکہ بچہ آنکھ کھول کر سب سے پہلے اپنے گھر والوں کو دیکھتا ہے انہی کے اندر پرورش پاتا ہے۔ انہی کے عادات و اطوار کو سیکھتا ہے۔ لہذا جو اچھا یا بُرا نمونہ خانگی زندگی کا اس کے سامنے ہوتا ہے۔ اسکو وہ آہستہ آہستہ اختیار کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ تمام عادتیں اس کے اندر جڑ پکڑ لیتی ہیں۔ اور مضبوط و مستحکم ہو جاتی ہیں خانگی معاشرت کا اثر صرف بچہ کے عادات و اطوار ہی پر نہیں پڑتا بلکہ خیالات و اوہام اور جذبات و امیال کے لحاظ سے بھی بچہ متاثر ہوتا ہے مثلاً نفرت و حقارت، محبت و رغبت، خوف و ہیبت وغیرہ کے جذبات بھی اس کے اندر خانگی آب و ہوا سے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی گھر کے لوگ عقائد و خیالات اور مختلف جذبات کے لحاظ سے جس رنگ کے ہوتے ہیں بچہ کا اٹھان بھی اسی طریقہ پر ہوتا ہے۔ مثلاً وہ اپنے مذہبی بزرگوں کی جن کا تذکرہ وہ ادب احترام سے بچپن سے سنتا ہے) عظمت کرتا ہے۔ جن لوگوں کی نسبت وہ مخالفانہ خیالات اور بُری باتیں بچپن سے سنتا ہے، ان کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ جس فرد یا قوم کو وہ اپنے خاندان یا قوم کا دشمن اور جابر اور ظالم خیال کرتا ہے اس کو خوف و ہیبت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ بہرحال کیا بلحاظ عادات و اطوار اور کیا بلحاظ خیالات و افکار اپنی خانگی زندگی سے پورا پورا متاثر ہوتا ہے۔ اور اپنے والدین یا گھر کے لوگوں کو جو کچھ کرتے دیکھتا ہے خود بھی اس کو اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ جس قوم یا ملک کا بچہ ہوتا ہے۔ اس قوم کے عام جذبات اور سیاسی رجحانات بھی اس بچہ میں ابتدا سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک حکمراں قوم کے بچہ میں بلند حوصلگی، اولوالعزمی اور دلیری کے اوصاف نمایاں ہوتے ہیں۔ اور عزت نفس کا احساس اور غرور حکومت اس میں ابتدا ہی سے پایا جاتا ہے۔ برخلاف ایک محکوم قوم کے بچہ کے جن میں ان اوصاف کا پیدا ہونا قریباً پیدا ہونا ناممکن ہے۔ وہ غریب ابتدا ہی سے کم حوصلہ ہوتا ہے۔ اور اس میں بجائے دلیری کے بزدلی اور بجائے غرور حکومت کے اپنی محکومیت اور کمزوری کا احساس ہوتا ہے۔

غرض بچہ کی تربیت کتاب سے نہیں بلکہ گھر کی زندگی کے مقرر کردہ آداب و دستور العمل سے ہوتی ہے۔ یعنی اس کی ضرورت ہے۔ کہ گھر کا تمام کاروبار مقررہ اوقات اور مجوزہ معیار پر کلاک کی سوئی کی طرح باقاعدہ چلتا رہے۔ تاکہ بچہ کو ابتدا ہی سے باقاعدہ و با اصول زندگی بسر کرنے کی عادت پیدا ہو۔ اس کا سونا۔ جاگنا۔ کھانا۔ پینا سب مقررہ اوقات پر ہو۔ جس میں بلا ضرورت تغیر و تبدل نہ کیا جائے اس سے بچہ انضباط اور پابندی کے ساتھ کام کرنے کا خوگر ہوگا۔ اور یہ عادات مدت العمر اس کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوں گی۔ اور اس کی توانائی اور صحت جسمانی کو بھی عمدہ حالت میں رکھیں گی۔ بچہ اپنی عمر کے ابتدائی چار پانچ سال میں جو کچھ سیکھ لیتا ہے۔ وہ بعد کو دس سال کی جد و جہد میں بھی نہیں سیکھ سکتا۔ مثلاً ایک چار یا پانچ برس کا ہندوستانی بچہ جس بے تکلفی برجستگی اور سلاست سے اردو زبان میں گفتگو کر سکتا ہے۔ ایک غیر ملک کا نوجوان دس برس کی سعی و محنت کے بعد بھی اردو زبان پر اس حد

تک قادر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ یہ لب و لہجہ سیکھ سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بچہ میں اخذ و محاکات کی قوت فطری طور پر ودیعت رکھی گئی ہے۔ حیف ہے اگر والدین بچہ کے ان فطری خصوصیات کو ضائع کر دیں۔ اور ان سے بچہ کو متمتع ہونے کا موقعہ نہ دیں لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں عموماً ایسا ہی ہوتا ہے عام طور پر والدین یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ چار یا پانچ سال کی عمر تک کا زمانہ تعلیم کا زمانہ نہیں ہے۔ یہ کھیلنے کودنے کے دن ہیں۔ جب بچہ استاد کے سامنے باقاعدہ پڑھنے بیٹھے گا۔ یا کسی اسکول میں داخل ہوگا۔ تو سب کچھ سیکھ لے گا لیکن یہ ایک خطرناک خیال ہے۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے۔ کہ بچہ اوائل عمر میں جو تربیت کا اصلی زمانہ ہے ہر قسم کی تعلیم و تربیت سے یکسر محروم رہتا ہے جس کی تلافی زمانہ مابعد میں ناممکن ہے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق اس غلط خیال کے قائم ہو جانے کا ایک بڑا سبب یہ ہے۔ کہ لوگوں کے نزدیک تعلیم صرف اس کا نام ہے کہ بچہ کتابوں کے ذریعہ سے باقاعدہ علم حاصل کرے۔ چونکہ بالکل ابتدا میں یہ صورت ممکن نہیں۔ اس لئے وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ ابھی تعلیمی زمانہ کی ابتدا نہیں ہوئی لیکن یہ صحیح نہیں حقیقت یہ ہے کہ تعلیم صرف کتابی تعلیم کا نام نہیں۔ معلومات و حقائق کا حصول جس طریق سے اور جس ذریعہ سے بھی ہو اس کا نام علم ہی رکھا جائیگا۔ آج کنڈر گارٹن کے طریقے سے سینکڑوں معلومات اور بعض بہتم بالشان علوم کے ابتدائی مسائل نہایت سہل اور دلنشیں طریقے سے طلبہ کو سکھائے جاتے ہیں اور وہ کھیل کھیل میں معتدبہ معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔ اور ان کے دماغ پر ذرا بھی بار نہیں پڑتا ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ چونکہ ابھی ہندوستان میں ترقی یافتہ ممالک کی طرح تعلیم کا عام رواج نہیں ہے۔ اس لئے یہ وسائل ہر شخص کو میسر نہیں آسکتے۔ اور تعلیم کے جدید اصول و آئین سے ہر بچہ متمتع نہیں ہو سکتا لیکن بایں ہمہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ باوجود فقدان اسباب و وسائل والدین کے ہاتھ میں بہت کچھ ہے۔ اور ان کو بچہ کی تعلیم کا انتظام مد نظر ہو۔ تو وہ گرد و پیش کے قدرتی مناظر کے ذریعہ سے بچہ کو حقائق اشیاء کی تعلیم دے سکتے ہیں۔ اور اس طریقہ سے بچہ کے خزانہ معلومات میں اضافہ کر کے اس کی دماغی و ذہنی ترقی کے اسباب فراہم کر سکتے ہیں۔ جس سے بچہ میں تعلیم کی صحیح استعداد اور غور و فکر کی قوت پیدا ہو سکتی ہے۔

یہ نیلا نیلا آسمان چمکتا ہوا سورج روشن اور خوشنما چاند جگمگاتے ہوئے ستارے لطیف و روح پرور ہوا، سرد و لذت بخش پانی، سرسبز و شاداب باغات مختلف پھلوں اور پھولوں کے خوشنما اشجار بارش کا نظر فریب منظر، دریا کی روانی، پرندوں کا چہچہانا، بجلی کی چمک، بادل کی کڑک، سپیدۂ سحری اور رات کی تاریکی اور اسی طرح کے سینکڑوں دلکش اور نظر فریب مناظر ہیں کہ بچہ آغوش مادر سے باہر آنے کے بعد ان کو حیرت سے دیکھتا ہے۔ اور ان کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے بے چین ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا والدین کا فرض نہیں۔ کہ وہ ان چیزوں کی حقیقت سے بچہ کو آشنا کریں اور بتائیں۔ کہ سب کچھ کیا ہے اور کیوں ہے؟ صحیفۂ کائنات ہمارے سامنے کھلا ہوا ہے اور قدرت کی نیرنگیاں اور صناعیاں ایک ایک پتہ اور پنکھڑی سے عیاں ہیں۔ موجودات کا ہر ذرہ سبق آموز ہے۔ کیا اس صحیفہ سے بڑھکر کوئی کتاب ہو سکتی ہے۔ جس کے ذریعہ سے ہم بچہ کو تعلیم دے سکیں اور حقائق اشیاء سے باخبر بنا سکیں۔

جب انسان اس دنیا میں آیا تو یہاں بجز دستِ قدرت کی صناعی اور گلکاری کے اور کچھ نہ تھا۔ اس وقت تک انسان نے کارخانۂ قدرت میں تصرف کا حوصلہ نہیں کیا تھا۔ لیکن آخر کار اس نے رفتہ رفتہ ہر چیز کو جانا بوجھا۔ اس کے خواص کو معلوم کیا اور اسکو اپنے کام میں لایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صحیفۂ کائنات کی ہر چیز کو سمجھنے کی کوشش کرنا انسان کا ایک فطری جذبہ ہے۔ چنانچہ اسلام نے بھی تفکر و تدبر کی تعلیم دی ہے۔ اور انسان کو حکم دیا ہے۔ کہ وہ کل اس کائنات کے ایک ایک ذرّہ پر غور کرکے ہر چیز کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ اور اس طرح وہ ان معلومات کے ذریعہ سے اس اعلیٰ و برتر ہستی اور علت العلل کے وجود کا اعتراف کرے۔ جو اس کائنات کو ایک حیرت انگیز نظام کے ساتھ چلا رہا ہے۔ چنانچہ خدا کے ایک برگزیدہ پیغمبر اور حقیقت شناس انسان نے جس کا مقدس نام ابراہیمؑ تھا۔ اسی صحیفۂ کائنات کے مطالعہ سے اس بلند و برتر ہستی کا پتہ چلایا۔ اور اس حقیقت مستور کو پہچانا۔ جس کے مظاہر تو عام ہیں لیکن خود کوتاہ بین انسان کی نظروں سے اوجھل ہے۔ پس کون کہہ سکتا ہے۔ کہ صحیفۂ فطرت کا مطالعہ اور کارخانۂ قدرت کا مشاہدہ ایک بے معنی اور غیر ضروری چیز ہے۔ اور صرف کتابی تعلیم کا نام تعلیم ہے۔

دُعا

(از جناب ڈاکٹر محبوب عالم صاحب قریشی لدھیانوی)

یارب حریصِ دولتِ دُنیا نہ کر مجھے
محروم سرخروئے عقبیٰ نہ کر مجھے

سودا ہو میرے سر میں فقط تیرے عشق کا
اپنے سوا کسی کا نہ دیوانہ کر مجھے

میری یہ زندگی ہو مسرت کی زندگی
رنج و غم و ملال سے بیگانہ کر مجھے

ہے آرزو کہ بھر دے مرا دامن مراد
مایوس دیکھ اے میرے خدایا نہ کر مجھے

محبوب مانگتا ہے شب و روز یہ دُعا
محتاج اس جہاں میں کسی کا نہ کر مجھے

ایجادات واختراعات

علوم وفنون پر اسلام کے احسانات

الکیمیا کا مورخ گبن لکھتا ہے۔ کہ علم کیمیا اپنے ارتقا اور اصلیت کے اعتبار سے اہل عرب کی ایجاد ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے قرع انبیق ایجاد کیا۔ تیزاب ایجاد کئے۔ نائٹرک ایسڈ۔ نائٹرو ہیڈرو کلورک ایسڈ۔ پوٹاس۔ ایمونیا۔ نائٹریٹ آف سلور کلورائیڈ آف مرکزی وغیرہ کیمیا وی مادے نکالے۔ سلفیورک ایسڈ الکحل جیسی چیزیں دریافت کیں۔ زہروں کو دواؤں میں تبدیل کیا۔ غاز گیس) کی خاصیتیں دریافت کیں (رومن ایمپائر جلد ۵ انٹلکچول ڈویلپمنٹ آف یورپ جلد اول صہ ۴۰۵)

علم جغرافیائی۔ عیسائی مورخ جغرافیہ دان مسٹر سلطبرون لکھتا ہے۔ کہ کولمبس سے پہلے عرب کی جماعتیں دریاؤں کے ذریعے سفر کرتی تھیں اور عجیب وغریب مکانات اور زمینوں کی تلاش بحر اطلانتک میں کرتی پھرتی تھیں" (آئینہ عرب صہ ۹۱ مصنف ڈاکٹر گستاولی بان)

اخلاق ڈاکٹر لیبان و موسیو بارتھیلس سینٹ ہلیر کہتے ہیں۔ کہ عربوں کی معاشرت اور تقلید نے یورپ کے امرا کی عادتوں کو درست کیا اور انہیں بہتر انسانی اخلاق وعادات سکھائے" (تمدن عرب صہ ۲۲ ۵

عملی میکینکس۔ ڈاکٹر لیبان فرماتے ہیں۔ عربوں نے عملی میکینکس کے آلات ایجاد کر کے یورپ کو ان کا استعمال کرنا سکھایا جو آج امریکن اور یورپین آج کام میں لا رہے ہیں۔

علوم وفنون کی اشاعت جان کلارک رڈپاتھ فرماتے ہیں۔ کہ" علوم وفنون حرب عربوں نے پھیلائے" (انسائیکلو پیڈیا آف یونیورسل ہسٹری جلد ۱ صہ ۱۴۵)

تمام علوم یونانی۔ مسٹر ہنیڈ کہتے ہیں۔ کہ تمام علوم یونانی کا بڑا حصہ جو اصلی ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے۔ وہ پہلے پہل ہم کو عربوں نے عنایت کیا۔ (ہسٹورینیس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد نمبر ۸ صہ ۲۷۶)

یورپ کے استاد۔ پروفیسر رینالڈ سن نکلسن لکھتا ہے کہ" مسلمانوں نے مختلف شعبہ ہائے علم میں قیمتی اضافے کئے لیکن ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے بڑی فیاضی سے یورپ کو اپنے علوم وفنون سکھائے"۔ (لٹریری ہسٹری آف دی عربز صہ ۲۵۹

ہندو اور انگریز اہل علم کے خیالات

اسی بارے میں پروفیسر بی۔ ایل وسوانی ایم اے لکھتے ہیں۔ کہ اسلام نے یورپ کی فلاح وبہبود میں ایک بڑا حصہ لیا۔ اسلام کی قائم کردہ غرناطہ یونیورسٹی میں یورپ کے اطراف وجوانب سے مسیحی طلبا شامل ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک طالب علم آخر کار یورپ کے منصب جلیلہ پر مامور ہوا"۔

یورپ جس زمانے میں جاہلیت میں گرفتار تھا۔ اسپین کے مسلمان عالم سائنس اور لٹریچر کی مشعل کو لے کر آگے بڑھے اور یورپ کو طبی ریاضی فلسفہ اور دیگر علوم کا درس دینے لگے۔ اس کے آگے صنعت وحرفت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"جہازوں کی ساخت، باغات کی پرورش، پہلوں کے تحفظ، شیشے لوہے اور پیتل کے ظروف کی ساخت کی طرف ان لوگوں کا خاص رجحان تھا برکیٹ سازی چمڑہ کا کام، روئی کے کپڑے تیار کرنے اور ہاتھ سے بننے کا بڑا رواج تھا۔ ریشمی بیلیں اور کاغذ بہت اچھا تیار ہوتا تھا۔ جڑاؤ اور لکھائی کے کام میں بھی وہ لوگ بڑے ماہر تھے"۔ "مسلمان بادشاہوں نے بے شمار کتب خانے قائم کئے۔ جابجا لیبارٹریاں قائم کیں۔ فن موسیقی نے بھی یورپ کی افسانہ نگاری اور لٹریچر کو نیا رنگ دیا۔ فلسفہ یونان کا ترجمہ تفصیل وایجاد کی تصحیح وتردید کر کے مسلمان فلسفیوں نے وہ خدمت انجام دی جس کا جسقدر شکریہ ادا کیا جائے کم ہے"۔ "دنیا کی موجودہ تہذیب صرف اسلام کی بدولت ہے۔ اسلام نے ایشیا کی تہذیب کی مشعل کو اونچا کر رکھا تھا۔ یورپین زیادہ تعلیم حاصل کرنے کیلئے مسلمان استادوں کے پاس گئے"۔ "تمام دنیا کا مسئلہ اسی صورت سے حل ہو سکتا ہے کہ قومیں اس کو (اسلام کو) اچھی طرح سمجھیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کریں"۔ (از پیام پرش ص‌۱۷) مسٹر باسورتھ سمتھ کسقدر صاف الفاظ میں حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں

اگر پوچھا جائے کہ افریقہ بلکہ کل دنیا کو مسیحی مذہب نے زیادہ فائدہ پہنچایا یا اسلام نے؟ تو جواب میں کہنا پڑیگا۔ کہ "اسلام نے اگر اسلام نہ ہوتا۔ تو مشرق، مغرب دونوں میں گمراہی پھیل جاتی۔ انسان گمراہی کے اندھیرے میں بھٹکتے پھرتے"۔ یہ ہیں مسٹر باسورتھ کے لفظوں میں اسلام کے دنیا پر احسانات۔ اب مسلمانوں کے دستور اور قوانین کی بابت بھی سن لیجئے جن سے آج دنیا متمتع ہو رہی ہے۔ بابو بپن چندر پال فرماتے ہیں "اسلام نے ہمیں جدید آئین سے روشناس کیا۔ نئے نئے طریقہ ہائے انتظام بتائے۔ حکومت کے جدید اغراض ومقاصد سے واقف کیا"۔ (وکیل)

آخر میں سروجنی نائیڈو کے وہ دلپذیر خیالات نقل کرتے ہیں۔ جو انہوں نے لٹریچر زبان اور معاشرت کی خدمات کے متعلق مسلمانوں کے بارے میں ظاہر فرمائے ہیں آپ فرماتی ہیں کہ

"عرب فوجیں یلغار کرتی ہوئی فرانس کے دروازے پر پہنچی تھیں تو کیوں؟ کس لئے؟ فتح وظفر ودولت کی غرض سے نہیں۔ ملک گیری اسلام کا عارضی مقصد تھا۔ اس کا اصلی مقصد تھا حریت آزادی کی اشاعت عمومی اور غلامی کا استیصال۔ آج کل ہم ملکی طاقت کیلئے مرتے ہیں۔ اور علاقوں اور زمینوں کا رونا روتے ہیں۔ مگر اسلام کا مطمح نظر کوئی صوبہ یا ملک یا خطہ نہ تھا۔ بلکہ اس کا مقصد ساری دنیا کی نجات تھا۔ اور مسلم داعی یہی دھن لے کر ملکوں ملکوں مارے مارے پھرتے تھے۔ عربوں نے صرف ملک کی زمینیں فتح نہیں کیں۔ بلکہ دل ودماغ فتح کئے ہیں۔ انہوں نے قوموں کے لٹریچر اور خیالات کو متاثر کیا۔ زبان فارسی کو اسقدر شیریں نازک ولطیف اور خوبصورت کس نے بنایا؟ اسی آریائی وسامی اختلاط وامتزاج نے۔ انہی عربوں کے فیضان نے فارسی کو حافظ اور خسرو جیسے شعرا کی دولت بخشی۔ مسلمان بھائیو! ہمارے وہم وخیال کو حقیقت کا جامہ تمہیں نے پہنایا۔ ہمارے افکار وتخیلات میں حرکت اور جان تمہیں نے ڈالی۔ آؤ ہم تم اگلے ارتاریخی شکوہ وشکایات کو دلوں سے محو کر دیں۔ برائیاں بھلا دیں۔ اور ان احسانات کو یاد کریں۔ جو اسلام نے ہماری زبان اور لٹریچر پر کئے ہیں"۔

آپنے (مسلمانوں نے) دنیا میں علوم وفنون کی بے شمار خدمات انجام دی ہیں۔ اخلاق مردانگی اور فیاضی ہمیشہ آپ کی قومی خصوصیات رہی ہیں۔ آپنے ہم ہندوؤں کی طرح اشاعت علوم میں کبھی بخل روا نہیں رکھا۔ آپ ہمیشہ بنی نوع انسان کی تعلیم وتربیت کی فکر میں رہے ہیں"۔ (وکیل ۲۶ / جنوری ۱۹۱۸ء) یہ غیر مسلم حضرات کی زبانی دنیا پر اسلام کے احسانات کی فہرست کا ایک مجمل سا خاکہ ہے۔ (ماخوذ)

بلدیہ امرتسر اور نوآبادیات

اگرچہ ان حالات پر جو خداوندان بلدیہ کے حسن انتظام کے صدقہ میں باشندگان نوآبادیات کیلئے بلائے بے داماں بن کے رہ گئے ہیں خیالات کا اظہار "نازک مزاج شاہاں تاب سخن ندارند" کا مصداق ہے۔ اگرچہ ان حاملان قانون و مدعیان صحت و صفائی کی ان بے آئینیوں پر جن کی وجہ سے نوآبادیات کے رہنے والوں کی پچاس فیصدی کمائی حکیموں اور ڈاکٹروں کی نذر ہو جاتی ہے خامہ فرسائی گستاخی پر محمول کی جائیگی لیکن ہم یہ معلوم کرنے کیلئے مجبور ہیں کہ آخر یہ ٹیکس کس غرض کے لئے وصول کئے جاتے ہیں۔ بلدیہ کس مرض کی دوا ہے۔ یہ دفاتر اور یہ عملہ کن مقاصد کی انجام دہی کے لئے ہے۔ اگر پبلک کے آرام و آسائش کا وہ کوئی انتظام نہیں کر سکتی۔ تو یہ دھمکیاں کس برتے پر دی جاتی ہیں۔ یہ ممبر کن خدمات کے لئے ووٹ لیتے ہیں۔ اور کیا کرتے ہیں۔

بیرون دروازہ مہاں سنگھ کی نوآبادیات کئی سال سے اپنی تکالیف کا اظہار کر رہی ہیں۔ یہاں کے بازاروں اور کوچوں کی حالت بد سے بدتر ہو کے رہ گئی ہے۔ گندے پانی کے نکاس کا کوئی انتظام نہیں جا بجا گڑھے ہیں اور ان میں حشرات الارض کی کثرت تعفن و بدبو سے دماغ مختل ہو رہے ہیں مختلف النوع عوارض سے خلق خدا تنگ ہے۔ مگر علمبرداران قوانین بلدیہ بلدیہ ہال کی آرام کرسیوں پر بیٹھ کر فرامین جاری کر دیتے ہیں۔ یہی ان کی خدمات اور یہی ان کے کارہائے نمایاں ہیں۔ اور بس! ہم پوچھتے ہیں اور باصرار پوچھتے ہیں۔ کہ اگر بلدیہ کا قانون انہی امور تک محدود ہے اور وہ پبلک کی صحت و صفائی و آرام و آسائش کے انتظامات سے قاصر ہے تو پھر اُسے "چھ گھنٹہ میں مکان مسمار کر دو" کے حکم دینے کا کیا حق ہے۔ وہ اس قسم کے فضول نوٹسوں کے اجراء سے پبلک کے مجروح دلوں پر نمک پاشی کرنے کی کس طرح مجاز ہے۔ باشندگان نوآبادیات میونسپلٹی کی اس بے اعتنائی اور اس سخت گیری سے سخت نالاں اور بیحد پریشان ہیں جو شخص خود بے راہرو اور گم کردہ صراط مستقیم ہے۔ وہ دوسروں کی راہنمائی کیا کرے گا۔ جو اپنے فرائض مفوضہ سے قاصر ہے۔ وہ دوسروں سے کیا امید کر سکتا ہے۔ جو خود کسی کے کام کا نہیں۔ وہ اوروں سے کیوں متوقع ہو۔ ایں چہ بوالعجبی است!

اسی پر بس نہیں۔ خدا کے فضل سے جہاں ارکان بلدیہ فرض شناس واقع ہوئے ہیں۔ وہاں اہلکاران دفاتر بھی اپنی ذمہ داری خوب محسوس کرتے ہیں۔ ذیل کا واقعہ اس بات کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ کہ ان کی دفتری کارروائی بہر نوع قابل داد اور لائق ستائش ہے۔

مستری اللہ دتا شریف پورہ کے نام میونسپلٹی کے دو نوٹس بدیں مضمون موصول ہوئے۔ کہ:-

"اطلاع دی جا چکی ہے۔ کہ عمارت مذکورہ کو مسمار کر دو۔ مگر باوجود اطلاع دی جانے اور میعاد اطلاع گزر جانے کی تعمیل نہیں کیا گیا ہے۔ لہذا بمنظوری جنرل کمیٹی مورخہ ... بذریعہ اطلاع نامہ ہذا حسب منشا زیر دفعہ ۲۲۰۔ ایکٹ ۳ سنہ ۱۹۱۱ء تم کو اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ میعاد چھ گھنٹہ کے اندر تعمیل نہ کیا گیا۔ معرفت ملازمان میونسپلٹی تعمیل مضمون اطلاع نامہ

جاری شدہ کے مطابق کیا جائے گا۔ خرچ آپ سے وصول کیا جائے گا۔

گردہ ٹکڑہ ہائے زمین جن پر مکان کا تعمیر کیا جانا بیان کیا جاتا ہے۔ اور جن کی عمارتیں مسمار کر دینے کا حکم ہوتا ہے ملاحظہ کئے گئے تو معلوم ہوا۔ کہ ہنوز دونوں ٹکڑے بدستور سفید زمین کی صورت میں پڑے ہیں۔ اور وہاں کوئی عمارت موجود نہیں۔ یہ ہے اہلکاران بلدیہ کی روشن ضمیری کہ وہیں بیٹھے بٹھائے جفر و نجوم کے زائچہ یا لدنی علم سے معلوم کر لیتے ہیں۔ کہ فلاں ٹکڑہ قابل نوٹس ہو گیا ہے۔ کیوں نہ ہو۔ وزیر چنیں شہریار چناں۔

تلاش و تجسس کی ضرورت نہیں ایک سطحی نظر ڈالنے سے بلدیہ کی بہت سی کارروائیاں الم نشرح ہو سکتی ہیں۔ جو آئین و قوانین کی شرمندہ احسان نہوں۔ لہٰذا ہم ذمہ داران بلدیہ کو نیک نیتی کے ساتھ مشورہ دیں گے۔ کہ وہ اپنے فرائض محسوس کریں۔ دفتری حالات درست کرنے کی جانب فوری توجہ دیں۔ اور پبلک کی دل آزاری کا کوئی پہلو اختیار نہ کریں۔ ہم اپنے ان ممبران کو جو ان آبادیات کی نمائندگی کے دعویدار ہیں مطلع کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ اگر ان کی یہی روش قائم رہی۔ اور ان کی سود مہری کا یہی عالم رہا۔ تو آئندہ انتخاب پر انہیں یہاں سے کسی ایک ووٹ کی امید بھی نہ رکھنی چاہیئے۔

باشندگان نو آبادیات بلدیہ اور ارکان بلدیہ کے چرکوں کی زیادہ دیر تک تاب نہیں رکھتے۔ وہ اپنی تکالیف کے سدباب کا خود کوئی چارہ کار تلاش کرنے کے لئے مجبور ہونگے۔

محکمہ صفائی کے چند افراد کا تقرر باشندگان نو آبادیات کے زخموں کا صحیح علاج نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مسٹر راز ولن ہیلیتھ افسر کی آمد ان کا اخلاق۔ ہمدردانہ گفتگو اور رواداری سے ہمیں اپنے شہری ہونے کا شبہ ضرور ہو جاتا ہے۔

اخیر پر ہم پھر ذمہ داران بلدیہ کو مشورہ دیتے ہیں۔ کہ اگر ان کے بس کی بات ہے تو نوٹس بازی کے مشغلہ کو فوراً روک دیں۔ اور کسی مستحسن و مناسب کارروائی سے خلق خدا کی دلجوئی کر کے اپنے فرائض سے عہدہ برا ہونے کی سعی کریں۔

خوب مے شناسم

بے شک دکھاؤ حضرت تسبیح کے دانے گن گن
ہاں رات رات لوٹو۔ دکھلاؤ زہد دن دن
پھبتا نہیں ہے صاحب اسلام گرچہ تم میں
ہے آپ ہی کے دم سے توحید زندہ لیکن
من خوب مے شناسم پیرانِ پارسا را

Editor:

Mohammad Ali Raunaq.

Annual Subscription Rs. 5/- Single Copy Annas 4.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

القریش امرتسر

جلد ۱۸ | بابت ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۲ء | نمبر ۱۱

حمد و ثناء

(از جناب ڈاکٹر محبوب عالم صاحب قریشی لدھیانوی)

یارب! کریم ہے تو بخشش ہے کام تیرا
ضرب المثل جہاں میں ہے لطفِ عام تیرا

بندے تیرے ادب سے لیتے ہیں نام تیرا
رکھتے ہیں اپنے دل میں سب احترام تیرا

پروردگار تو ہے سارے جہاں کا خالق
کرتی ہے ذکر خلقت ہر صبح و شام تیرا

ادنیٰ ہو یا ہو اعلیٰ چھوٹا ہو یا بڑا ہو
جھکتا ہے تیرے آگے بن کر غلام تیرا

ہر چیز میں ہے مولا تیرا وجود لیکن
دیکھا گیا ہے اکثر دل میں قیام تیرا

ہر امتحاں میں ہم کو حاصل ہو کامیابی
فضل و کرم ہو نازل ہم پر مدام تیرا

محبوب گا رہا ہے توحید کے ترانے
غنچے چٹک رہے ہیں سن کر کلام تیرا

نعت شریف

شیخ غلام حسین صاحب شاکر صدیقی بلند پایہ ناظم اور مشہور شعرا میں سے ہیں۔ القریش کے صفحات کو آپکے کلام بلاغت نظام سے مزین ہونے کا ہمیشہ فخر حاصل رہا۔ ذیل کی نعت آپ کے رشحاتِ قلم سے ہے۔ آپکا کلام "سعادت دارین" کے نام سے عنقریب کتابی شکل میں شائع ہونیوالا ہے۔ اہل ذوق انتظار کریں۔

اٹھی حرا سے موج جو نورِ قدیم کی!
دنیا نے اس میں دیکھ لی رحمت رحیم کی

سرمہ فلک کی آنکھ کا ہے اُسکی خاکِ پا
یہ شان ہے غلام رسولِ کریم کی!

طوافِ آستانِ محمدؐ ہے چرخِ پیر
تعظیم حق نے فرض کی اس کے حریم کی

یوں کہہ رہی ہیں اسکی وہ دشمن نوازیاں
تصویر تھا جہاں میں وہ خلقِ عظیم کی

جو کر رہی ہے احد و احمدؐ میں امتیاز
اے چشمِ شوق دیکھ وہ گھنڈی ہے میم کی

اوس اس پہ ایک اشکِ ندامت نے ڈال دی
ٹھنڈی سی بجھ کے رہ گئی نارِ جحیم کی!

"تو عینِ ذات بنگری و در تجلی"
محروم اس ادا سے تھی جرأت کلیم کی

ہے بہرہ یابِ زلفِ محمدؐ سے جو دماغ
پروا نہیں ہے اسکو شمیمِ نعیم کی

اعجاز اُس کے خنجرِ ناخن کا دیکھنا
اُس نے فلک کی چیز زمیں پر دو نیم کی

مجھ سے کہا یہ لطفِ شفاعت نے مہر سے
امید ہے وہ عرصۂ امید و بیم کی

رحمت نے وجہِ عشقِ محمدؐ سے بخش دی
آنسو میں سر کو آب ہے دُرِّ یتیم کی

مٹی مری اڑا کے وہ یثرب کو لیچلے
میں کر رہا ہوں منتِ شاکر نسیم کی

کچھ اپنی نسبت

ان جرائد و رسائل کو جنہیں کسی قوم فرقہ یا گروہ سے نسبت ہے۔ اپنے مخصوص مقاصد کی وجہ سے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں ان حالات سے سابقہ پڑا ہو۔ اور ان میں سے وہ جو کسی بے حس و بے پروا قوم سے متعلق ہوں اپنی زندگی کچھ ایسی پریشانیوں اور تلخ کامیوں سے بسر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جن کی صراحت و وضاحت سے زبان قلم قاصر ہے۔

"القریش" ایک خاص قوم کا آرگن ہونے کی وجہ سے مخصوص المقاصد ہے اور یہی وجہ ہے کہ اٹھارہ سال کی طویل مدت میں بھی یہ بقدر محدود الاشاعت ہے کہ اس عرصہ میں اسے کبھی سکون و اطمینان نصیب نہیں ہوا اس کا تفصیلی تذکرہ تحصیل حاصل ہے۔ بارہا دردمندان قوم سے ذکر آچکا لیکن اس کا نتیجہ معلوم۔

۱۹۳۲ء "القریش" کے لئے خدا جانے کیسا سال ہے۔ کہ اس میں اسے گوناگوں تکالیف و پریشانیوں کے علاوہ کچھ ایسے ناگزیر حالات پیش آگئے۔ کہ وہ سال گذشتہ کی شان بھی قائم نہیں رکھ سکا۔ بلاشبہ بازار معیشت تنگ ہے وہ آسائشیں نہیں رہیں۔ لیکن قومی ضروریات سے غفلت تو موت کے مترادف ہے۔ متحدہ مساعی اور متفقہ کوششیں نحوستوں کا بہترین چارہ کار قرار پا چکا ہے۔ لہذا دنیا میں زندہ اور عزت سے زندہ رہنے والی اقوام کے لئے اس زریں اصول پر عامل ہونا لازم ہے اور جو بے پرواہ ہیں۔ ان کا حشر زمانہ بتا رہا ہے۔ کہ کیا ہوا اور کیا ہوگا۔ اس مسئلہ پر ہم کسی صراحت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

القریش کی اشاعت جن عوارض کے تحت اس سال میں باقاعدہ نہیں رہ سکی۔ اس کا تذکرہ ہم آئندہ اشاعت میں کریں گے۔ اور بتائیں گے کہ ہم کس عقدہ کی گرہ کشائی پر اپنا وقت عزیز صرف کرتے رہے ہیں۔ خدا کا فضل ہمارے شامل حال ہو۔ قوم کو ہماری آواز سننے کے لئے گوش حق نیوش عطا ہوں۔ اور خدائے برتر و اکبر توفیق دے کہ ہم زندگی کی فرصت میں کوئی نیک کام کر جائیں۔ وباللہ التوفیق
ناظرین کرام اگر ضرورت سمجھیں اور مناسب خیال کریں۔ تو اپنے قومی آرگن کے لئے کچھ سعی کریں۔ ورنہ خیر! خدا خود میر سامان ہے۔ وہ کسی کی محنت ضائع نہیں جانے دیتا۔ ہماری سعی و جہد ضرور بارآور ہوگی۔ اور القریش کی تکالیف کا آخر سدباب ہو سکے گا۔
انشاء اللہ تعالیٰ!

اگر بنظر تعمق دیکھا جائے۔ تو دیگر قومی رسایل و جرائد جو القریش کی طرح مخصوص المقاصد اور مخصوص قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسقدر کسمپرسی کی حالت میں نہیں بلکہ وہ بعض حالتوں میں شاندار زندگی بسر کرتے ہوئے بہترین طریق پر فرائض مفوضہ انجام دے رہے ہیں کشمیری، کشمیر مسلم گجر، مسلم راجپوت وغیرہم ہفتہ وار ہیں اور قوم کی حمایت و اعانت سے خوب کام کر رہے ہیں۔ لیکن قریش کا آرگن ماہوار ہے اور وہ بھی مذبذبین بین ذالک کا مصداق۔

واقعات و حوادث

مسلمانوں کے جاہ وجلال اور عروج و اقبال کا ستارہ ڈوب جانے کے بعد صرف چند ممالک باقی ہیں۔ جو آزادی کی فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ ان میں ٹرکی کا پایہ بہت بلند ہے ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ترکوں کے لئے یہ آزادی مفید ثابت ہوتی۔ اور وہ مذہب و اخلاق کا کوئی قابل ستائش نمونہ پیش کرتے۔ جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد کو تازہ کر دیتا۔ اور غلام ملکوں کے مسلمانوں کو شمع راہ کا کام دیتا۔ مگر افسوس روز بروز وہاں کے باشندوں کی مذہبی اور اخلاقی بے حسی بڑھتی جاتی ہے۔ اور پچھلے دنوں تو اس بے حسی کا ایسا شرمناک منظر دیکھنے میں آیا ہے جس پر ہر درد مند اور غیور مسلمان کو آنسو بہانے چاہئیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کچھ عرصہ ہوا مسیحی ممالک کی طرح ترکی میں بھی حسن کا مقابلہ ہوا۔ اس حیا سوز مقابلہ میں سابق شیخ الاسلام اور سابق خلیفہ اسلام کی بیٹیاں بھی شریک تھیں۔ جن میں سے سلطان حمید الدین خاں سادس سابق خلیفہ اسلام کی بیٹی اول آئی جسے ملکہ حسن کا خطاب ملا۔

اللہ اللہ کیا انقلاب زمانہ ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ایک اندھے صحابی سے پردہ کر لیتی ہیں۔ اور پردہ کا سبب پوچھنے پر جواب دیتی ہیں۔ کہ وہ نابینا ہیں۔ میں تو نابینا نہیں ہوں۔ آخر میری نظر ایک نامحرم پر کیوں پڑے؟ اسی رسول فداہٗ ابی وامی کے نائب اور خلیفہ کی پوتیاں آج حسن کے اس حیا سوز مقابلہ میں شریک ہو رہی ہیں جس کے تصور سے غیرت لرزہ براندام ہو جاتی ہے۔ حیا کانپ اٹھتی ہے۔ جیئت تھرا جاتی ہے اور پھر اسی پر بس نہیں۔ بلکہ اخبارات میں ان کی نیم عریاں تصاویر شائع ہو رہی ہیں۔ سینما سٹیج پر مظاہرہ حسن کرنے کی دعوتیں دی جا رہی ہیں۔ اور اشتیاق آمیز خطوط آ رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم بے حیائی کے ان مظاہروں کی پر زور مذمت کرتے ہیں۔ اور انہیں حد درجہ نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر ترک اسی رفتار سے مغرب پرستی کی طرف قدم بڑھاتے رہے تو وہ دن دور نہیں جب ان کی وابستگی اسلام کے لئے باعث ننگ ہو گی۔ کاش اب بھی مصطفےٰ کمال پاشا یہ سوچ لیں۔ کہ ترقی کا حقیقی راز مغرب کی تقلید میں نہیں۔ اسلام کی پابندی و پیروی میں مضمر ہے۔

قسطنطنیہ میں ایک یونیورسٹی قدیم الایام سے قائم ہے جس کا نام "دار الفنون" ہے۔ موجودہ حکومت ٹرکی نے اس کی اصلاح کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہی۔ چنانچہ حکومت ٹرکی نے اب مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ کہ قسطنطنیہ کی صرف ایک یونیورسٹی کی بجائے تین یونیورسٹیاں قائم کی جائیں۔ جن میں سے ایک پایۂ تخت انگورہ میں ہو دوسری قسطنطنیہ اور تیسری دیار بکر میں یا کسی اور مقام پر تعمیر کی جائے۔

جدید یونیورسٹی کا قیام امریکہ اور یورپ کی جدید ترین یونیورسٹیوں کے ٹھوس اصولوں پر عمل میں آئے گا۔ اور اس یونیورسٹی کو ترکی کے ماہرین تعلیم کی زیر نگرانی کر دی جائے گی۔ اب حکومت ترکی کو امید ہے۔ کہ یہ یونیورسٹی تھوڑے عرصہ میں حیرت انگیز نتائج برآمد ہوں گے۔

گاندھی جی کے برت کے زیر اثر ہندوؤں اور اچھوتوں میں جو مفاہمت ہوئی ہے۔ اس نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے بھی ایک زبردست تحریک پیدا ہوگئی ہے۔

گاندھی جی کے برت توڑنے پر ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور، اور پنڈت مالویہ نے اس بات کا اظہار کیا تھا۔ کہ اب ہندوؤں اور مسلمانوں میں بھی سمجھوتا ہوجانا چاہیئے۔ ان کا یہ کہنا تھا۔ کہ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مسٹر چھاگلا۔ ڈاکٹر سید محمود پیران سیاسی کا اشارہ پاتے ہی صلح پر آمادہ ہوگئے۔ اور اپیلیں شائع کرنی شروع کردیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد، مسٹر محمود نے بمبئی میں مولانا شوکت علی، مولانا عبدالمجید سندھی اور دیگر ارکان خلافت سے گفت وشنید کی سردست نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ کوشش یہ ہورہی ہے کہ جلد تر ایک آل پارٹیز کانفرنس مدعو کی جائے۔ تاکہ آئندہ گول میز کانفرنس سے پہلے آپس میں فرقہ وار تصفیہ ہوجائے۔ خیال اچھا ہے لیکن مسلمانوں کو احتیاط سے اس میدان میں قدم رکھنا چاہیئے۔ تاکہ وہ بھی اچھوتوں کی طرح ایک زبردست اکثریت میں جذب نہ ہوجائیں۔

عراق گیارہ برس کی سیاسی جدوجہد کے بعد برطانی انتداب سے آزاد ہوگیا۔ اور اسے جمعیتہ الاقوام کا ممبر بنایا گیا۔ بغداد میں یوم آزادی کی تقریب نہایت جوش مسرت سے منائی گئی۔ ہز میجسٹی شاہ فیصل نے ایک گارڈن پارٹی میں شرکت کے موقع پر جو صدر بلدیہ کی طرف سے دسیع پیمانہ پر دیگئی۔ تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

مَیں آج خدا کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو مستحق مبارکباد سمجھتا ہوں۔ کہ گیارہ سال کی سیاسی جدوجہد کے بعد انتداب منسوخ کرانے اور اقوام سے یہ بات تسلیم کرانے میں کہ ہم آزاد اور خود مختار ہوگئے ہیں۔ ہم نے یہ کامیابی کسی ایک شخص کی کوشش سے حاصل نہیں کی۔ بلکہ یہ ہماری اجتماعی مساعی کا نتیجہ ہے۔

امید ہے کہ عراق آزادی کی فضا میں رفتہ رفتہ وہ عروج حاصل کریگا۔ جو اسکی ہمسایہ اسلامی سلطنتوں کو حاصل ہے۔

پنجاب یونیورسٹی کی تحقیقاتی کمیٹی عنقریب کام شروع کرنے والی ہے۔ مسٹر اینڈرسن سابق ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم اس کے صدر ہیں۔ ڈاکٹر ولی محمد (یو۔پی) اس کے ممبر بنے بمنعفی ہوگئے ہیں۔ ان کی جگہ علامہ عبداللہ یوسف علی لاہور تشریف لائے ہیں۔ ممبروں میں مسٹر ڈولہ وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کا اضافہ کیا گیا ہے۔ غالباً یہ تقرر یونیورسٹی کی نمائندگی کے لحاظ سے عمل میں آیا ہے۔

مسلمانوں کو شکایت ہے۔ کہ وہ ایک آریہ سماجی یونیورسٹی ہے۔ اور ہندو گھبرا رہے ہیں۔ کہ اس کو فرقہ وار یونیورسٹی بنانے کی کوشش کی جارہی ہے کمیٹی سے توقع ہے کہ وہ تحقیقات کرکے ایسی سفارشات کریگی۔ کہ یہ علمی ادارہ نہ آریہ سماجی رہے اور نہ اسلامی یونیورسٹی بنے بلکہ حقیقی معنوں میں پنجاب یونیورسٹی کہلائے جس میں تمام اقوام کے حقوق و مفاد مساویانہ طریق پر محفوظ ہوں۔

خدا خدا کر کے امرتسر کی انجمن اسلامی نے کروٹ لی۔ اور مسلمانان امرتسر کی تعلیمی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایم۔ اے۔ او ہائی سکول کو ۱۹۳۳ء سے انٹرمیڈیٹ کالج بنا دینے کی تجویز کی ہے۔ چنانچہ انجمن کے اجلاس منعقدہ ۲۳ اکتوبر میں یہ قرار داد پاس کی گئی ہے کہ۔ مدت مدید سے امرتسر میں اسلامی کالج کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ کئی دفعہ چندوں کی فہرستیں کھولی گئیں۔ مضامین شائع ہوئے لیکن ارکان انجمن نہ معلوم کن مجبوریوں کی وجہ سے خاموش رہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب انہیں مسلمانوں کی اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے عملی قدم اٹھانے کی توفیق ہوئی ہے۔ خدائے بزرگ و برتر ان کے عزائم میں برکت دے۔ آمین!

سید مراتب علی شاہ رئیس لاہور نے اپنے مکان پر لاہور کے ایک یتیم خانہ کے یتیموں کو طعام کیلئے مدعو کیا۔ جس وقت بچے کھانا کھانے لگے۔ تو ان میں سے دو بے اختیار رو پڑے۔ اور شاہ صاحب سے بیان کیا۔ کہ ہمارے والدین زندہ ہیں اور ہم فلاں جگہ کے رہنے والے ہیں۔ یتیم خانہ کے منتظمین ہمیں دھوکہ دیکر لے آئے ہیں۔ اور انہوں نے زبردستی ہمیں رکھا ہوا ہے۔ خدا کیلئے ہمیں والدین کے پاس پہنچا دیا جائے۔ شاہ صاحب کو تحقیق سے اسی وقت معلوم ہو گیا کہ بہت سے بچے اسی طرح اغوا کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے پولیس کو طلب کر کے معاملہ اس کے سپرد کر دیا۔ یہ کس قدر تکلیف دہ اور الم ناک واقعہ ہے کہ معصوم بچوں کو ان کے والدین سے جدا کر دیا جائے اور یتیم خانہ کے نام پر بچوں کے اغوا کے اڈے بنائے جائیں۔ افسوس ہے کہ غرض کے غلام بد معاشوں نے یتیموں کی پرورش اور حفاظت کے پردہ میں قوم کو لوٹنے کا ایک ڈھنگ بنا رکھا ہے۔ شرم!

قوم کی بدقسمتی کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو گا۔ کہ اس کی مایہ ناز ہستیاں اٹھتی چلی جا رہی ہیں۔ اور زعماء ملت یکے بعد دیگرے اپنی جگہیں چھوڑ رہے ہیں۔ سر مہاراجہ صاحب محمود آباد کا درد فراق ابھی دل سے گیا نہ تھا کہ اس سال دوسری زبردست ہستی سر علی امام نے بھی داغ مفارقت دیکر قوم کو سوگوار بنا دیا۔ اور ۲۲ اکتوبر ۲ بجے دن کو دل کی حرکت بند ہو جانے سے انتقال فرمایا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" اس اچانک حادثہ نے قوم کے قلب میں جو گہرا زخم پہنچا دیا ہے وہ مدتوں مندمل نہ ہو گا۔ آپ کی ولادت سنہ ۱۸۶۹ء میں ہوئی اور اپنے آبائی وطن قصبہ نیورا میں پیدا ہوئے اور تعلیم ختم کر کے بیرسٹری شروع کی۔ کچھ ہی دنوں میں ایک مدبر روشن خیال، بیدار مغز، لائق قانون دان مانے گئے اور ہندوستان کی سیاسی دنیا میں وہ جگہ پائی جس کے خالی ہونیکا تمام دنیا میں ماتم ہے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں موصوف کو کلکتہ ہائیکورٹ میں سٹینڈنگ کونسل مقرر کیا گیا اور لارڈ سنہا کے مستعفی ہونے پر وائسرائے کے ایگزیکٹو کونسل کے ممبر مقرر ہوئے اور اس عہدہ پر تقریباً ۶ سال تک متمکن رہے۔ آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے سنہ ۱۹۱۲ء میں بہار کو ایک علیحدہ صوبہ بنایا گیا۔ ریٹائر ہونے پر پٹنہ ہائیکورٹ میں جج مقرر ہوئے مگر آپ نے زیادہ عرصہ تک کام نہیں کیا۔ مستعفی ہو کر سنہ ۱۹۱۸ء سے سنہ ۱۹۲۰ء تک ریاست حیدر آباد دکن میں صدارت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز رہے اور برار کی واپسی کیلئے قابلقدر کوششیں فرمائیں اور حسن خدمات کے صلہ میں نواب موید الملک کا خطاب پایا۔ اس کے بعد پٹنہ ہائیکورٹ میں دوبارہ پریکٹس شروع کی پھر اپریل سنہ ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس کی شرکت کیلئے ولائت روانہ ہوئے۔ اور بوجہ علالت زیادہ حصہ نہ لے سکے۔ ہندوستان کی واپسی پر بھی آپ کی صحت خراب تھی اور آپ تعطیلات دیوالی میں آرام لینے کی غرض سے رانچی تشریف لے گئے تھے۔ جہاں کم و بیش ۶۲ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

ہم کو اس حادثہ عظمیٰ میں آپ کے جملہ پسماندگان سے دلی ہمدردی ہے۔ خدا مغفرت کرے۔ آمین!

ہدایاتِ عارفانہ

(از جناب نواب قادر نواز جنگ بہادر۔ حیدر آباد دکن)

ایک عارف سے کسی مردِ خدا نے یہ کہا　　مجھ کو انساں کی طرح جینے کی تدبیر بتا

زندگی یوں تو گذرتی ہے بُری ہو کہ بھلی　　پر نہیں اصل میں کچھ حاصل سعیِ بیجا

مجھ کو منظور ہے ایک ایسا نظامِ اخلاق　　جس سے حاصل ہو رہِ دولتِ دین و دنیا

سُن کے عارف نے کہا تجھ کو ہے مطلوب وہ چیز　　جو کہ ہے عالمِ عرفاں میں بہت بیش بہا

تیرے مقصد کے لئے چند ہدایات ہیں بس　　یہی اکسیر ہیں گر ان پہ عمل تُو نے کیا

اپنے ہمسایہ سے کر لطف و محبت کا سلوک　　خواہ مسلم ہو کہ ہندو ہو کہ گبر و ترسا

دوسروں سے وہی برتاؤ ہے لازم تجھ کو　　کہ جو تجھ سے کبھی ہوتا تو گوارا ہوتا

بھائی کی طرح جو دشمن کو بھی اپنا سمجھے　　وہی انسان ہے اعلیٰ وہی عارف سچّا

جس کے دل میں نہ کدورت ہو نہ نفرت نہ غضب　　ہے یقیناً اسے حاصل شرفِ قربِ خدا

تجھ پہ لعنت جو کرے خیر طلب ہو اس کا　　دے بھلائی سے بدی اور عداوت کا صلہ

عارفِ حق ہے تو دل میں بھی نہ لا شر کا خیال　　سب سے نیکی کا عمل کر کہ یہ ہے فرض تیرا

نہ کر دوست میں اور دشمنِ جاں میں کچھ فرق　　نیک ہوں یا کہ ہوں بد سب سے بہ احساں پیش آ

جھوٹ سے رکھ نہ کبھی ثمرۂ شیریں کی اُمید　　راست گو بن کہ یہ ہے مسلکِ مردانِ خدا

بات کا اپنی رہے تجھ کو سدا پاس و لحاظ　　ہاں تری ہاں رہے اور نا ہو بہرصورت نا

اپنے بھائی کی مصیبت پہ ترا دل ہو ملول　　تو رہے مسکنت و رنج میں ساتھی اسکا

درد کو سب کے سمجھ اپنے ہی آلام کے مثل　　حاجتِ غیر ہو بالکل تری حاجت گویا

ہو طلبگار نہ جھگڑے کا نہ فتنہ کا کبھی　　تیری مطلوب رہے آشتی و صلح سدا

مردِ عارف کی یہ پہچان ہے مشہور انام　　کہ عدو کو بھی پہنچتی نہیں اس سے ایذا

عفو کر دیتا ہے ہر مجرم و ظالم کا قصور　　انکسار و کرم و حِلم و سخا کا پتلا

خاکساری سے ہے جس شخص کی فطرت کا خمیر　　اس نے ہرگز نہ کبھی اپنے کو برتر سمجھا

مہربانی کی نظر سب پہ سدا رکھتا ہے　　مانگتا ہے وہ عدو تک کے لئے نیک دُعا

ساتھ اچھوں کے ہی کرتا نہیں اچھا برتاؤ　　وہ بدی کے بھی عوض نیک ہی دیتا ہے صلا

ذاتِ باری ہی کی توفیق پہ ہے اس کو وثوق　　منحصر ہیں اسی مرکز پہ امورِ دنیا

کر کے تقریر یہ اس عارفِ کامل نے تمام　　طالبِ رہِ حقیقت سے بالآخر یہ کہا

سیدھا رستہ ہے یہی منزلِ مقصود کی سمت　　اس پہ چل کر تجھے مل جائے گا مطلوب ترا

فاعل و طاری و ساری جو خدا کو سمجھے　　غور سے دیکھ تو ہے بس وہی عارف پکّا

وہ موحد ہے اسے پختہ یقیں ہے اس پر　　مالک و قادر و فاعل ہے حقیقت میں خدا

مختصر یہ کہ جو ہے حاملِ عرفاں قادر　　ان ہدایاتِ حسن پر وہی عامل ہوگا

تاریخ ستیاگرہ کا خونی ورق

(از ترتیب مسٹر عبد الرحمٰن بی۔ ایس۔ سی کلرک دفتر انجمن حمایت اسلام)

ذیل میں ان قاتلانہ حملوں کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔ جن کے متعلق عام خیال ہے کہ وہ سیاسی نقطہ نظر سے کئے گئے ہیں:۔

(۱) ۱۷ دسمبر ۱۹۲۸ء کو مسٹر جے پی ساندرس اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ (پروویشنری) پولیس ہند کو لاہور کے نزدیک گولی سے ہلاک کر دیا گیا تین ہندوستانی بھگت سنگھ۔ راجگرو اور سکھ دیو لاہور میں ۲۳ مارچ ۱۹۳۱ء کو پھانسی پر لٹکائے گئے۔

(۲) دسمبر ۱۹۲۹ء کو دہلی کے نزدیک ریلوے لائن پر بم رکھ کر وائسرائے ہند کی سپیشل ٹرین اڑا دینے کی کوشش کی گئی۔ (۳) اپریل ۱۹۲۹ء میں لیجسلیٹو اسمبلی کے چیمبر میں بم پھینکے گئے۔ (۴) یکم فروری ۱۹۳۰ء کو مسٹر لوئس ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کو گولی سے ہلاک کر دینے کی کوشش کی گئی۔ (۵) ۲۵ اگست ۱۹۳۰ء کو سر چارلس ٹیگارٹ کمشنر پولیس کلکتہ پر بم پھینکے گئے۔ (۶) (ا)۔ اگست ۱۹۳۰ء میں مسٹر الیف۔ جی لوئن انسپکٹر جنرل پولیس بنگال کو ڈھاکہ کے نزدیک گولی سے ہلاک کر دیا گیا۔ (ب) مسٹر ای ہڈسن سپرنٹنڈنٹ آف پولیس مجروح ہوئے۔ . . . . . .

(۷) (ا)۔ ۸ دسمبر ۱۹۳۰ء کو لفٹننٹ کرنیل سمپسن انسپکٹر جنرل جیل خانجات بنگال کو اپنے دفتر میں ونیش چندر گپتا نے گولی سے ہلاک کر دیا اور قاتل مذکور کو پھانسی کی سزا دی گئی۔ ب۔ مسٹر جے ڈبلیو نیلسن مجروح ہوئے۔ اور دو حملہ آوروں نے خودکشی کر لی۔ (۸) ۲۳ دسمبر ۱۹۳۰ء کو سر جیوفری ڈی مونٹ مورنسی گورنر پنجاب پر لاہور میں یونیورسٹی کے کانووکیشن کے موقعہ پر گولی چلائی گئی جس کی وجہ سے وہ صرف مجروح ہوئے۔ ان کے حملہ آور ہری کشن کو پھانسی دی گئی۔ (۹) (ا)۔ فروری ۱۹۳۱ء میں کپتان بارنس اسسٹنٹ کمشنر پشاور کے نزدیک چارسدہ کے مقام پر گولی چلائی گئی۔ حملہ آور حبیب نور ایک ہندو کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ ب۔ کپتان بارنس پر دوسرا حملہ کرنے کی کوشش اپریل ۱۹۳۱ء میں کی گئی۔ (۱۰) اپریل ۱۹۳۱ء میں مسٹر جیمز پیڈی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مدناپور کو گولی کا نشانہ بنایا گیا جس کی وجہ سے دوسرے دن ان کی موت واقع ہو گئی۔ (۱۱) ۲۴ جولائی ۱۹۳۱ء کو مسٹر جی آر ہیکسٹ مارے گئے۔ اور مسٹر ای ایم شیہان کو بمبئی کی طرف سفر کرتے ہوئے ٹرین میں زخمی کر دیا گیا۔ (۱۲) ۲۲ جولائی ۱۹۳۱ء سر ارنسٹ ہاٹسن قائمقام گورنر بمبئی پر جبکہ وہ پونا کالج کا معائنہ کر رہے تھے گولی چلائی گئی۔ مگر گولی کو پاکٹ بک نے روک دیا گیا۔ اس طرح گورنر مذکور کا بچنا حیرت انگیز ثابت ہوا۔ (۱۳) ۲۷ جولائی ۱۹۳۱ء آر آر گارلک ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج علی پور کو اپنی عدالت کے کمرہ میں گولی سے ہلاک کر دیا گیا۔

(۱۴) ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو مسٹر الیگزینڈر کمشنر ڈھاکہ ڈویژن پر ایک نوجوان نے ٹنگیل ضلع میمن سنگھ کے مقام پر گولی چلائی جس کی وجہ سے وہ خفیف طور پر مجروح ہوئے۔ (۱۵) ۳۰ اگست ۱۹۳۱ء کو خان بہادر احسان اللہ انسپکٹر آف پولیس کو چٹاگانگ میں ایک سولہ سالہ ہندو نے فٹ بال کے میچ کے موقعہ پر گولی سے ہلاک کر دیا۔ (۱۶) ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء مسٹر لینہ لی جارج ڈرنو مجسٹریٹ و کلکٹر کو ڈھاکہ کے ایک بازار میں دو بنگالی نوجوانوں نے دن دہاڑے گولی چلا کر بری طرح سے زخمی کر دیا۔

تالیفِ قلوب کا راز

(از جناب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی)

آج ہندوستان کے مسلمان نازک ترین لمحوں میں سے گذر رہے ہیں۔ لیکن جہاں ہمارے لئے مایوسی کی تصویریں نظر آرہی ہیں۔ وہاں تشفی کی صورتیں بھی موجود ہیں۔ ارباب ایمان کو اپنی کوششوں کی نسبت اپنے مذہب کی حقانیت پر زیادہ وثوق کرنا چاہیئے۔

مسلمانوں کی مردم شماری

حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضور نے حکم دیا۔ کہ مسلمانوں کے نام لکھے جائیں۔ بخاری میں ہے کہ اسوقت ایک ہزار مسلمانوں کے نام درج ہوئے۔ ایک صحابی کہتے ہیں۔ کہ جب ہماری جمعیت ایک ہزار تک پہنچ گئی۔ تو ہم نے محسوس کر لیا۔ کہ اب ہم دنیا سے ہرگز دب نہیں سکتے اگر وہی صحابی آج کے دن دیکھتے۔ کہ اہل اسلام کی تعداد چالیس کروڑ تک پہنچ چکی ہے تو وہ بہت محظوظ ہوتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان ایک ہزار کے مقابلہ میں موجودہ چالیس کروڑ نفوس کی کوئی ہستی نہیں۔ کیونکہ ہماری روحانیت اور اخلاقیت سخت پستی میں ہے۔ جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ تو آپ نے فاران کی چوٹی سے توحید کا نعرہ بلند کیا۔ اس وقت دنیا بھر میں کوئی ایسا متنفس نہ تھا۔ جو آپ کا ہمنوا ہوتا۔ مگر اس کے بعد آپ کی روحانی قوت کی برکت سے رفتہ رفتہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہے اور مسلمانوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا۔ آخر تین سال کے بعد قریش نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ اور جب آیہ وَانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو آپ نے اپنے تمام اقربا کو جمع کیا۔ اور کوہ صفا کی بلند چوٹی پر کھڑے ہوکر باآواز بلند فرمایا۔ کہ اگر میں آپ لوگوں سے کہوں کہ ایک زبردست غنیم آپ پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔ تو کیا میری تصدیق کروگے؟ حاضرین نے کہا بیشک ہم تصدیق کریں گے کیونکہ ہم نے آج تک کوئی غلط بات آپ کے منہ سے نہیں سنی۔ آپ کی راستبازی شروع سے مسلم ہے" فرمایا کہ بس سمجھ لو کہ اگر تم نے اسلام کی صداقت و حقانیت پر یقین نہ کیا۔ تو تم پر تباہی و بربادی چاروں طرف سے مسلط ہو جائیگی۔ ابولہب نے یہ سنکر بدکلامی شروع کر دی۔ چنانچہ سورۂ تبت یدا نازل ہوئی جس میں رفعت اسلام کی پیشگوئی کا تذکرہ ہے۔ انجام کار آپ کی روحانی تعلیمات کا یہ اثر ہوا۔ کہ کسریٰ کی سلطنت کے پرزے اڑ گئے۔ ایران پامال ہو گیا۔ تکبیر کی آواز اندلس کی پہاڑیوں سے جا ٹکرائی۔ آج یورپ ان واقعات و حالات کی تحقیق کر رہا ہے۔ کہ مسلمانوں نے اس سرعت سے کیونکر ترقی کی۔ اور کس طرح آناً فاناً ساری دنیا پر چھا گئے۔

ختم رسالت

دنیا میں کوئی اہم قوم کوئی اہم ملک ایسا نہیں۔ جہاں ہادی و نذیر نہ بھیجے گئے۔ بعض ضعیف روائتوں میں انبیائے کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی ہے۔ جن میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تھے۔ میں اسوقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ کہ رسالت آپ پر ختم ہوئی یا نہیں۔ مگر یہ بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ دنیا میں کوئی پیغمبر اس وقت نہیں بھیجا گیا۔ جب تک کہ پہلے نبی کی تعلیمات مسخ نہ کردی گئی ہوں یا پہلی کتابیں اور صحیفے محرف نہ ہو چکے ہوں۔ پس جس پیغمبر کی

تعلیمات زندہ ہیں۔ جس کی کتاب کا ایک حرف تک نہیں بدلا۔ جس کو کتاب دائمی سنت دائمی دیگئی۔ سیرت دائمی دعوت دائمی عطا فرمائی گئی۔ ایسے کامل نبی اور دائمی شریعت کے ہونے ہوئے ہمیں کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ہم ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے بیس تیس پیغمبروں سے زیادہ کے نام نہیں جانتے پیغمبروں کے اس جم غفیر کا نام تک مٹ جانا خود اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ دائمی شریعت لیکر نہ آئے تھے۔ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے انبیاء خاص خاص قوموں کے لئے مبعوث کئے گئے۔ مگر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کی قوموں اور ہر زمانہ کے لئے بھیجے گئے۔ وَمَا ارسلناک الا رحمۃ للعلمین۔ غرض آپ کا پیغام ہر زمانہ کیلئے اور دنیا کے ہر گوشے کے واسطے ہے۔

کیا اسلام تلوار کا مذہب ہے؟

بعض لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ پیغمبر عربی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تلوار کا مذہب لے کر آئے۔ میں اس حقیقت کو بے نقاب کر دینا چاہتا ہوں۔ اہل علم جانتے ہیں۔ کہ جب آپ آغاز کار میں مکہ معظمہ میں تھے۔ تو تیرہ برس تک اپنا ہاتھ تلوار کے قبضہ میں نہیں رکھا۔ بلکہ آپ ہر وقت کفار کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ آپ کے جسم اطہر کو بارہا مجروح وخون آلود کیا گیا۔ آپ کے عہد ہمایوں کے جو حالات غزوات وسیریات کی صورت میں نظر آتے ہیں وہ آپ کی زندگی کے ضمنی واقعات ہیں۔ وہ محض اس لئے ہیں۔ کہ آپ نے اسلام کو تلوار کی مدد سے بچانے کی کوشش فرمائی ایک ایک غزوہ کا حال پڑھ جاؤ۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ آپ کو جسقدر احوال پیش آئے ہیں۔ وہ قریبًا تمام کے تمام اپنے قبیلہ قریش کے ساتھ تھے۔ جزیرۂ عرب آبادی میں ہندوستان سے کم ہو تو ہو۔ لیکن وسعت میں اس سے کسی طرح کم نہیں۔ میں پوچھتا ہوں۔ کہ کیا سارا جزیرہ عرب تلوار کے زور سے فتح ہوا؟ اگر یہی خیال ہو تو بتاؤ۔ کہ عمان اور یمن کو مسخر کرنے کے لئے کونسی فوج بھیجی گئی۔ جب اسلام کی صداقت کا عرب میں شہرہ ہوا۔ تو حالت یہ تھی۔ کہ ہزار ہزار آدمی ایک ایک دن میں مسلمان ہوتے تھے۔ امیر المومنین علی رضؓ کی تعلیم وتبلیغ سے یمن والے ایک دن میں مسلمان ہوگئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے قیصر وکسریٰ کے دفتر الٹ دیئے تھے۔ مگر وہ حضرت علی کی طرح یمن کا دل فتح نہ کر سکے۔ یمن کی حکمت مشہور ہے۔ حکمت یمانی ایمانی حکمت کا خزینہ ہے۔ حجاز جو سرچشمہ ہدایت ہے وہ کبھی جہالت کا گہوارہ تھا۔ مگر یمن ہمیشہ سے علم وحکمت کا علمبردار ہے۔ پس آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اہل یمن نے اسلام کی خوبیاں دیکھے بغیر کبھی اسلام قبول نہیں کیا۔ اسی طرح عمان اور مسقط کا بڑا علاقہ صرف چند روز میں حضرت عمرو بن العاص کی تبلیغی جد وجہد سے مسلمان ہوا تھا۔

تخت کسریٰ کا حشر

جن دنوں حضور خواجہ ہر دوسرا علیہ التحیۃ والسلام نے کسریٰ کے نام دعوت نامہ بھیجا۔ تو کسریٰ نے حضور کا نامۂ مبارک چاک کر دیا جب حضور کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا جس طرح میرے نامے کے پرزے کئے گئے۔ اسی طرح سلطنت کسریٰ پارہ پارہ ہوجائے گی۔ ان دنوں فیروز دیلمی ایران کی طرف سے یمن کے گورنر تھے کسریٰ نے فیروز دیلمی کو لکھا۔ کہ ہمارے قریشی غلام مدعی نبوت (جناب محمد رسول اللہ) کو گرفتار کر کے ہمارے حضور میں بھیجدو۔ مگر قبل اس کے کہ کسریٰ کا نامہ پہنچے۔ فیروز شرف اسلام سے مشرف ہوگئے۔ اور جب

یمن پر مسلمانوں کا تسلط ہوا۔ تو وہی فیروز وہاں کے گورنر مقرر کئے گئے۔ اور زمانہ نے دیکھ لیا کہ کسریٰ سلطنت کس طرح آناً فاناً معرض زوال میں آکر علم اسلام کے سایہ میں آگئی کارلائل نے ایک نہایت مزیدار بات لکھی ہے۔ وہ ان لوگوں سے جو اس بات کے قائل ہیں۔ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ سوال کرتا ہے کہ اگر اسلامی لشکر نے خلق خدا کو جبراً مسلمان بنایا۔ تو بتاؤ۔ کہ اس لشکر کے سپاہیوں کو کس نے جبر و اکراہ کرکے حلقہ اسلام میں داخل کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت العمر اپنے ہاتھ سے کسی کو قتل نہیں کیا۔ پس بتاؤ۔ کہ خالد بن ولید جیسے سپہ سالار اور عمرو بن العاص فاتح مصر کو کس نے تلوار سے مسلمان بنایا تھا۔ کیا ان حضرات نے سید خلائق صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف سے کلمۂ توحید پڑھا تھا۔ تمام اکابر صحابہ فتح مکہ سے قبل اسلام لا چکے تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے ہاتھ میں ضرور تلوار دی تھی۔ مگر وہ تلوار لوہے کی اور معدنی نہ تھی۔ بلکہ محمد رسول اللہ کی سیرت اخلاق حسنہ۔ طہارتِ نفس۔ سچائی۔ دیانت۔ امانت کی تلوار تھی۔

سید المرسلین کی جامعیت

دنیا بھر کے مشاہیر کے سوانح حیات پڑھ جائیے۔ آپ کو ایسی جامعیت کبریٰ دنیا میں کسی ہستی میں نظر نہ آئے گی۔ کاملیت وجامعیت کے لحاظ سے اجتماع خصائل کی حیثیت سے آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں دنیا کے کسی ہیرو کا نام پیش نہ کرسکیں گے۔ مشاہیر عالم میں کوئی بادشاہ تھا۔ کوئی سپہ سالار تھا۔ کوئی فاتح تھا۔ کوئی پیغمبر تھا۔ کوئی مقنن و حکیم تھا۔ لیکن آپ اپنے وقت میں بادشاہ بھی تھے مقنن بھی تھے۔ حکیم اور ریفارمر بھی تھے۔ اور اخلاق حسنہ کا بہترین نمونہ پیش کرتے تھے۔ ایک ہی وقت میں آپ پر نپولین کا بھی دھوکا ہوتا تھا۔ ارسطو کا بھی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کا بھی۔ غرض مادرِ گیتی آپ کی ذات اقدس کے سوا کوئی فرزند پیدا نہیں کرسکی جو تمام متضاد صفات کا مجموعہ اور تمام حیثیات کا جامع ہو۔ ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ارشادات

— زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ خدا کی یاد کے سوا زیادہ باتیں کرنا دل کو سیاہ کردیتا ہے اور خدا سے زیادہ دور وہ شخص ہے جس کا دل سیاہ ہو۔ (مسلم)

— میری امت کی چار عادتیں زمانہ جاہلیت کی ہیں افسوس کہ لوگ انہیں نہیں چھوڑتے۔ (۱) اپنی خاندان کا فخر کرنا۔ (۲) دوسروں کی نسل میں عیب جوئی کرنا۔ (۳) ستاروں سے مینہ مانگنا (یعنی انکی گردش پر انحصار کرنا) اور (۴) مردوں پر نوحہ و بکا کرنا۔ (مسلم)

— اللہ کے نزدیک روز قیامت کو بہت برا وہ شخص ہوگا جس کی ... سے ڈر کر لوگوں نے اس سے ملنا چھوڑ دیا۔

— میری ساری امت امن وعافیت میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو اپنے پوشیدہ عیب یا گناہ خواہ مخواہ دوسروں پر ظاہر کرتے ہیں۔ (بخاری)

شمع رسالت کے پروانے

(از جناب چوہدری دلاور خاں صاحب)

آغاز اسلام میں جب مسلمانوں پر کفار کے جور و ستم حد سے زیادہ ہو گئے۔ اور دشمنان ملت نے فدائیان توحید پر عرصۂ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا۔ تو اس وقت کے واقعات اور حالات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اصحاب رسول کس قدر حوصلہ اور استقلال اپنے اندر رکھتے تھے۔ وہ صبر و استقامت کے سر بفلک پہاڑ تھے جن کو دنیا کی کوئی طاقت صراط مستقیم سے منحرف نہ کر سکتی تھی۔ ان مظالم و شدائد پر جو ان پر روا رکھے گئے۔ تاریخ باوجودیکہ ان واقعات کو چودہ صدیاں گذر چکی ہیں۔ پھر بھی نوحہ زن ہے۔ اور جان نثاران ملت بیضا کے ایثار کی داد دے رہی ہے۔ رسول اللہ کے پیاروں کو اسقدر تکالیف دی گئیں کہ تاریخ ان کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ ذیل میں ہم چند ایک تاریخی عقائد پیش کرتے ہیں۔ جن سے عیاں ہو سکتا ہے کہ انہوں نے دشمنوں کی ایذا رسانیوں کا مقابلہ کس شان سے کیا۔

(۱) حضرت بلالؓ

آپ حبش کے رہنے والے تھے۔ آپ کو حضرت ابو بکر صدیق رضہ نے کفار قریش کی غلامی سے نجات دلائی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضہ آپ کو "سید" یعنی سردار کہ کر پکارا کرتے تھے۔ جب رؤسائے قریش کو یہ معلوم ہوا۔ کہ آپ بھی شمع توحید رسالت کے پروانے بن چکے ہیں انہوں نے آپ کو انتہا درجے کی اذیتیں دینی شروع کیں۔ چنانچہ آپ کو گرم ریت پر ننگے بدن لٹا کر آپکے سینے پر وزنی پتھر رکھکر کہا جاتا تھا کہ اے بلال رضہ! محمدؐ کی رسالت سے انکار کر۔ مگر آپ تھے کہ کفار کی ہر ضرب پر احد احد کا نعرہ لگاتے تھے۔ اور زبان حال سے یہ کہتے تھے کہ اے نادانو تم بلال رضہ کے جسم کو گھسیٹ سکتے ہو لیکن اس جذبے کو نہیں گھسیٹ سکتے۔ جس میں حبیب خدا کی محبت جلوہ گر ہے۔ آخر کار رؤسائے قریش آپ کو تکلیفیں دیتے دیتے تنگ آ گئے۔ مگر وہ رب السموات کے پرستار کو لات و منات کا شیدائی نہ بنا سکے کاش! کہ ہم میں بھی آج بلال کا ولولہ پیدا ہو جائے۔ اور ہم صحیح معنوں میں اس شعر کے مصداق بن جائیں ؎

اگر تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں ؛ زندگی مثل بلال رضہ حبشی رکھتے ہیں

(۲) حضرت خبیب رضہ

حضرت خبیب کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اور آپ کے پہلو میں نیزہ چبھو کر پوچھا گیا۔ کہ کیا تم اب بھی محمدؐ کو اللہ کا رسول مانتے ہو مگر آپ یہی جواب دیتے رہے کہ خواہ تم مجھکو پارہ پارہ کر دو۔ میرے دل سے رسول اللہ کی محبت نہیں نکل سکتی۔ یہی وہ ایمان ہے جس کے اظہار کا صحیح موقع منبر نہیں بلکہ سولی ہے۔ ؎

از وعظ علم برکش از راز چہ مے لافی ؛ وعظ است و سر منبر راز است و سر دارے

اسی دلولے کو اردو کے ایک شاعر نے یوں ادا کیا ہے ؎

ملے کیا کیا مزے عشق نبیؐ میں دار پر چڑھکر ❊ بھلا وہ بات اے واعظ کہاں مسجد کے منبر میں

(۳) حضرت عثمان

جب عثمان رضؓ کو خود ان کے والد کھجور کے پتوں میں لپیٹ کر درخت کی دہونی دیتے تھے۔ مگر جن کے وجود باوجود پر آتش دوزخ حرام ہو چکی تھی۔ وہ ان دہونیوں کی کیا پرواہ کرتے تھے۔ انہوں نے اس تکلیف کی ذرا بھر پرواہ نہ کی۔ اور رسول اللہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا

ہجرت۔ جب کفار کا ظلم حد سے گذر گیا۔ اور مسلمان اعلائے کلمتہ الحق کے موقعوں سے محروم کر دیئے گئے۔ تو رسول خدا صلعم کے ارشاد کے مطابق صحابہ رضؓ کی ایک جماعت نے ملک حبش کی طرف ہجرت کی۔ یہ ملک ایک عیسائی بادشاہ نجاشی کے زیر حکومت تھا۔ یہ ہجرت ماہ رجب ۵ھ نبوت میں ہوئی۔ حبش کی جانب مسلمانوں نے مداخلہ ہجرت کی۔ پہلی ہجرت میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ جامع الناس الی القرآن حضرت عثمان رضؓ معہ اپنی زوجہ محترمہ کے جو رسول مقبولؐ کی صاحبزادی تھیں۔ شریک ہجرت تھے۔ حبش پہنچکر ان کو معلوم ہوا۔ کہ آنحضرتؐ سے کفار کی صلح ہو گئی ہے۔ اور مکہ معظمہ میں پھر امن وامان قائم ہو گیا ہے۔ یہ لوگ شوال کے مہینے واپس آگئے۔ یہاں پہنچکر معلوم ہوا۔ کہ یہ خبر غلط تھی۔ لہذا یہ لوگ پھر عازم حبش ہو گئے۔ اب انکی تعداد ۸۰ نفوس عالیہ پر مشتمل تھی۔ جن میں حضرت رضؓ بھی شامل تھے۔ یہ مہاجرین اس وقت لوٹ کر آئے۔ جب رسول اکرمؐ غزوہ خیبر میں مشغول تھے۔ فتح خیبر کے بعد حضور پُر نور نے ان کو بھی مال غنیمت سے حصہ دیا۔ اور نوازا۔

دوسری ہجرت کے موقعہ پر کفار مکہ نے نجاشی بادشاہ حبش کو اسلام کے خلاف اکسانے اور اپنے ڈھب پر لانے کی غرض سے بہت سے قیمتی تحفے بھیجے۔ ان کا منشا یہ تہا۔ کہ وہ ان مظلوم بیکس اور بیوطن مسلمانوں کو حبش سے نکال دے۔ اور انہیں بت پرستوں کے حوالے کر دے۔ جب قریش کا قاصد شاہ حبش کے دربار میں پیش ہوا۔ تو کہنے لگا "اے بادشاہ تیرے دیس میں خفیہ سازشیں کرتے ہیں۔ اور تیرے دینی دشمن ہیں" مختصر یہ کہ انہوں نے مہاجرین کے خلاف طرح طرح کے افترا باندہے۔ اور ہر طرح سے یہ کوشش کی کہ شاہ حبش ان کو وہاں ٹھکنے نہ دے۔ بادشاہ منصف مزاج تہا۔ ان کے بھرے میں نہ آیا۔ بلکہ اس نے اصل حقیقت کو معلوم کرنے لئے مہاجرین کو طلب کیا۔ جب یہ اللہ کے بندے نورانی شکلوں والے دربار شاہی میں آئے۔ تو بادشاہ نے کہا۔ کہ بتاؤ تمہارے پاس ان الزامات کا کیا جواب ہے۔ اس پر مہاجرین کے سردار حضرت جعفر رضؓ کہڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی کفر شکن تقریر میں یہ ارشاد فرمایا۔

"اے بادشاہ نہ ہم امن وامان کے دشمن ہیں اور نہ مفسد نہ ہم سازشی ہیں نہ باغی نہ چور ہیں نہ ڈاکو نہ قاتل ہم کسی کے مفرور غلام بھی نہیں۔ اصلیت یہ ہے۔ کہ جن اشخاص نے ہمارے خلاف آپ کے کان بھرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم بھی انہی کے ہم مذہب تھے۔ پتھر کی مورتیوں کو پوجتے تھے۔ شجر وحجر کی پرستش کرتے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ پرلے درجے کے اوباش تھے۔ عیش بد خلقی بے رحمی اور بے حیائی کا کوئی کام ہم سے بچا ہوا نہ تہا۔ ہم لوٹ کھسوٹ اور جدال وقتال میں یگانہ زمانہ تھے۔ یہ حالت تھی۔ کہ خدا نے ہمارے حال پر رحم فرمایا۔ ہم میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ جو ہم کو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے۔ بری باتوں سے روکتا ہے

اور یہ اسی کا لطف عمیم ہے۔ کہ ہم نے سب بے حیائیاں اور برائیاں ترک کر دی ہیں۔ اب ہم شجر و حجر کے پرستار نہیں ہیں۔ بلکہ خدائے واحد کے عابد ہوگئے ہیں۔ اسی کو قادر مطلق مانتے اور ہر شریک اور ساجھی سے پاک اور منزہ تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارا قصور اگر کوئی ہے تو یہ ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں۔ ربنا اللہ۔ کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ اور ہمیں لات و منات و عزیٰ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں"

دوسرا سوال۔ کفار قریش کی انگیخت پر دوسرا سوال یہ کیا گیا۔ کہ بتاؤ تم حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ محترمہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو۔ اس کے جواب میں حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ جن کو سنکر اہل دربار پر محویت اور رقت طاری ہوگئی۔ سناٹا چھا گیا۔ اور کیفیت یہ ہوئی۔ کہ بادشاہ اور درباری سنتے تھے۔ اور روتے تھے۔ یہاں تک کہ بادشاہ معہ درباریوں کے مسلمان ہوگیا۔ اور کفار قریش کے منصوبے خاک میں مل گئے ؎

نہ کچھ پیری چلی بادِ صبا کی
بگڑنے پر بھی زلف اس کی بنا کی

قریش کا وفد ناکام لوٹا۔ اور مہاجر اپنے مقصد میں شاد کام اور فائز المرام ہوئے۔ کیا ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اس الزام کو صحیح خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ اسلام کی اشاعت تلوار کے زور سے ہوئی؟

اس وقت بھی مسلمانوں کو کئی ایک مصائب و نوائب نے محصور کر رکھا ہے۔ اور ان کی نجات اسی میں ہے۔ کہ وہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح صبر و استقامت کے مجسمے بن جائیں۔

اے اللہ! ہم کو توفیق دے کہ ہم تیرا نام اچھال سکیں۔ اور تیرے حبیب کے پیغام کو ہر جگہ پھیلاویں! آمین ؎

مشکلیں اُمّتِ مرحوم کی آساں کر دے ٭ مورِ بے مایہ کو ہمدوش سلیماں کر دے
جنس نایاب محبت کو پھر ارزاں کر دے ٭ یعنی ہم دیر نشینوں کو مسلماں کر دے

قریش کی نمائندہ جماعت ندوۃ القریش کے مقاصد

(۱) تبلیغ و اشاعت اسلام
(۲) انسداد رسومات قبیحہ
(۳) تعلیمی، معاشرتی، اقتصادی اور زراعتی ترقی کے وسائل پر عمل
(۴) اتحاد و یگانگت، اخوت و مروت، صلہ رحمی و ایثار، استقلال و ثبات، حسن اخلاق،
(۵) احسان، ہمدردی و رواداری کی خو پیدا کرنا۔
(۶) اعمال حسنہ سے روابط و ضوابط باہمی مستحکم استوار کرنا۔
(۷) قومی تنظیم
(۸) غیر مستطیع مستحقین کی مناسب امداد و اعانت

چندہ داخلہ عہ۔ چندہ ممبری سالانہ ۸عہ پیشگی یکمشت

اب مسلمانوں میں وُہ اگلی سی جولانی کہاں

(نتیجۂ فکر جناب محمد عبدالحق صاحب خورشید)

آہ مسلم تجھ میں اگلی سی مسلمانی نہیں　　جذبۂ ذوق شجاعت شوق قربانی نہیں

ہیں کہاں وُہ شیر ملّت اور جانبازانِ قوم　　ہیں مسلماں نام کے ہم ہیں مسلمانی نہیں

چھا گئی کیوں دل پہ اب کفر و ضلالت کی گھٹا　　ہائے مسلم کیا ہوا وہ نُورِ ایمانی نہیں

وہ کہاں ہیں دی جنہوں نے جان ملّت کیلئے　　آج تک پیدا ہوا جن کا کوئی ثانی نہیں

نام حق پر شیرِ ملّت ہو گئے تھے سینہ سپر　　اب مسلمانوں میں وُہ اگلی سی جولانی نہیں

لذّتِ فانی پہ دنیا کے نہ ہو نا داں نثار　　قبر میں دارا کے سر پر تاج سلطانی نہیں

صدق سے سجدے میں سر رکھ مانگ لے اللہ سے　　کیا ترے پیشِ نظر آیات قرآنی نہیں؟

جذبۂ ملّت حمیّت اور عزت قوم کی　　کیا ہوئی احباب کیا جائے پشیمانی نہیں؟

بے تکلّف آئیں وہ خورشید دعوت عام ہے
جن کے دل میں پر تَوِ توحید یزدانی نہیں

اُولوالعزم شخصیتیں

دنیا نے اُن لوگوں کی ہمیشہ عزت کی ہے۔ جو اپنی ذاتی محنت اور سعی و ہمّت سے ادنیٰ درجہ سے ترقی کر کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے ہیں ایسے لوگوں کی زندگی کے حالات دوسروں کے لئے قابل تقلید ہوتے ہیں۔ اور ان میں ہمّت و حوصلہ اور عزم و جوش پیدا کرتے ہیں۔ عموماً جب کسی قوم کا عہد عروج و اقبال ہوتا ہے۔ تو اس میں ایسے ہزاروں شخص پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو اپنی ذاتی سعی سے بڑے درجے تک پہنچتے ہیں۔

سنتے ہیں۔ کہ یہ دور کبھی مسلمانوں پر بھی گذر چکا ہے آج تو یہ باتیں خواب و خیال ہیں۔ لیکن جیسا کہ "کانفرنس گزٹ" میں مسطور ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ اس دنیا میں یہ واقعہ بھی پیش آچکا ہے کہ عرب کی ایک بادیہ نشین قوم نے جو ابتدا میں اوہام میں مبتلا اور علوم و فنون سے بیگانہ تھی صحرائے عرب سے نکل کر دنیا کو تہ و بالا کر دیا۔ علوم و فنون میں اسقدر ترقی کی۔ کہ دنیا نے ان کی فضیلت و برتری کا اعتراف کیا۔ دنیوی جاہ و حشمت اور شوکت و ہیبت اس مرتبہ پر تھی۔ کہ دنیا صدیوں تک ان سے لرزتی رہی۔ اسی دور عروج و ترقی میں ایسے بڑے بڑے اور بلند مرتبہ انسان ان میں پیدا ہوئے کہ وہ جس قوم میں بھی پیدا ہوتے، اس کے لئے فخر کا باعث ہوتے۔ ان میں بڑے بڑے علماء بھی تھے۔ شاعر بھی تھے طبیب بھی تھے۔ بلند ہمت و قسمت آزما سیاح بھی تھے اور وہ غلام بھی تھے جو تخت حکومت پر بیٹھے اور وہ ادنیٰ درجہ کے بلند حوصلہ انسان بھی تھے۔ جنہوں نے اپنے

زور بازو اور حسنِ تدبیر

سے ممالک فتح کئے۔ اور تاج حکومت سر پر رکھا قاعدہ ہے کہ ہر قوم اپنے یہاں کے ایسے تاریخی انسانوں پر فخر کرتی ہے۔ ان کے کارناموں اور یادگاروں کو محفوظ رکھتی اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتی ہے۔ اور یہ بھی دستور ہے کہ قوم میں ولولہ اور امنگ پیدا کرنے کے لئے ایسے جلیل القدر انسانوں کے حالات بار بار بیان کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب ہندوستان کے مسلمانوں کی پستی اور افسردہ دلی انتہا کو پہنچ گئی۔ تو بعض بزرگان قوم نے یہاں بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ اسلام کے دور ماضی کے سب سے بڑے داستان گو علامہ شبلی نعمانی مرحوم تھے۔ انہوں نے اسلام کے تاریخی انسانوں کے حالات ایسے آب و رنگ سے پیش کئے کہ ہر طرف سے صدائے تحسین و آفرین بلند ہوئی۔ انہوں نے جب خلیفہ مامون الرشید عباسی کے حالات پر اپنی مشہور کتاب المامون لکھی تو۔

عہد عباسی کے جاہ و جلال کا مرقع

آنکھوں کے سامنے آگیا۔ اور خود سر سید مرحوم نے بے ساختہ داد دی۔ یہ سب کچھ ہوا مگر نتیجہ ہیچ۔ مسلمان ایسے افسردہ و شکستہ خاطر ہو چکے تھے۔ کہ ان داستانوں نے بھی ان پر کوئی اثر نہیں کیا۔ اور وہ جس جگہ پر تھے۔ وہیں رہے۔

غرض ۴۰۔۵۰ سال تک یہ دور رہا کہ اسلاف کے حالات پر کتابیں اور مضامین لکھے جاتے تھے۔ اخبار وں اور رسالوں میں بھی اسی قسم کی باتیں ہوتی تھیں کہ مسلمانوں نے یہ کیا اور وہ کیا اور وہ ایسے تھے۔ مگر آخر تا بکے چند روز بعد لکھنے والے اور پڑھنے والے ان باتوں سے سیر ہو گئے اور گرد و پیش کے حالات نے لوگوں کو مجبور کیا کہ جو تازہ مشکلات و مصائب برابر پیش آ رہی ہیں۔ اور ملکی حالات میں مسلسل جو تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ ان پر اپنی توجہ مبذول کریں۔

تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلاف کے حالات جس مقصد سے لکھے جاتے تھے۔ عموماً لوگوں نے یہ حالات اس مقصد سے نہیں پڑھے عام لوگوں کی ذہنیت یہ ہے۔ کہ وہ اسلاف کے واقعات کو مافوق الفطرت کارنامے سمجھتے ہیں۔ اس لئے

اسلاف کی پیروی یا تقلید کا جذبہ

ان میں نہیں پیدا ہوتا وہ سمجھتے ہیں کہ نہ اب وہ زمانہ ہے نہ وہ حالات ہیں۔ نہ وہ اسباب میسر ہیں۔ کہ جو کام ہمارے اسلاف نے کئے تھے۔ وہ ہم بھی کر سکیں بہت سے لوگ اس خیال کے بھی ہیں۔ جو سمجھتے ہیں کہ ہمارے اسلاف پر خدا کا خاص لطف و کرم تھا۔ ہم لوگوں کو یہ مرتبہ کہاں حاصل ہے۔ جو ایسے ایسے بڑے بڑے کام انجام دے سکیں۔ ان خیالات کا یہ نتیجہ ہے کہ لوگوں کا ذہن کبھی اس طرف منتقل ہی نہیں ہوتا کہ جو کارنامے ہمارے اسلاف کے کتابوں میں لکھے ہیں۔ وہ آج بھی ممکن العمل ہیں۔ اور ہم بھی کوشش کر کے کسی بلند مرتبہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ اس لئے وہ جو کچھ پڑھتے ہیں۔ دلچسپی کے لئے پڑھتے ہیں جس طرح کہ عام طور پر افسانے دلچسپی کے لئے پڑھے جاتے ہیں۔

لوگوں کو اس ذہنیت پر نظر کرتے ہوئے یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کہ بجائے اسلاف کے سوانح لکھنے کے موجودہ عہد کے مشاہیر اسلام کے حالات لکھے جائیں۔ اور یہ حالات ہر قسم کے مشاہیر کے ہوں۔ یعنی علماء و فقراء، شعرا، مورخین، امراء و سلاطین وغیرہ سب کے حالات لکھے جائیں۔ مگر یہ لوگ وہی ہوں۔ جو انیسویں یا بیسویں صدی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا تو زندہ موجود ہیں۔ یا وفات پا چکے ہیں۔ مگر ان کی وفات پر اتنا زمانہ گذرا ہے۔ کہ ان کے دیکھنے والے ملنے والے بھی موجود ہیں۔ یا دس پانچ برس تک پہلے موجود تھے۔ ان مشاہیر کے حالات لکھنے سے یہ فائدہ ہوگا۔ کہ لوگ محسوس کریں گے۔ کہ موجودہ زمانہ میں موجودہ حالات اور مشکلات کے اندر بھی بڑے بڑے لوگ ہر شعبہ میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں۔ کہ وہ بھی سعی و جد و جہد سے ایک بڑا رتبہ حاصل نہ کر سکیں۔ موجودہ عہد کے مشاہیر کے حالات پڑھ کر لوگوں کو یہ معلوم ہوگا۔ کہ اس زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ

بلند ہمت لوگوں کی مدد و رہنمائی

کرتا ہے۔ اور اس کی رحمت کے دروازے اب بھی کھلے ہوئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ایک حد تک تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ اس لئے آج امیر تیمور صاحبقراں یا شیر شاہ اور شہنشاہ بابر کے پیدا ہونے کی توقع نہیں ہے۔ لیکن رضا خاں اور شاہ نادر خاں تو آج بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ عہد یورپ کی ترقی اور عروج کا ہے اور اس وقت ان اقوام کی ترقی کے کمال و شباب کا زمانہ ہے

بحر و بر پر ان کا اقتدار قائم ہے۔ اور ہر قسم کے وسائل ان کو میسر ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ایشیائی اقوام زوال و انحطاط کے دور سے گذر رہی ہیں۔ اور عموماً محکومی کی حالت میں ہیں۔ اس لئے مشبہ یہ توقع نہیں کی جا سکتی۔ کہ حکمران اور عروج یافتہ قومیں اپنے عالمگیر اقتدار اور کثرت وسائل کی بنا پر جو کام کر سکتی ہیں۔ وہ ہم بھی کر سکیں گے۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں۔ کہ ہم ترقی کی کسی منزل تک بھی نہ پہنچ سکیں۔ یہ مانا کہ بحالت موجودہ ہم میں پرنس بسمارک۔ گلیڈ سٹون سرایڈورڈ گرے۔ اور مسٹر لائڈ جارج جیسے مدبر نہیں پیدا ہو سکتے۔ کیونکہ ہم کو وہ ماحول میسر نہیں ہے۔ لیکن با ایں ہمہ اس دور تنزل میں بھی ہم میں سر سالا جنگ اول۔
سر سید احمد خاں۔ جمال الدین افغانی اور عصمت پاشا جیسے بلند ہمت لوگ پیدا ہوئے۔ جن کی اولوالعزمی اور تدبر کے اغیار بھی معترف ہیں۔

مقصد یہ ہے۔ کہ موجودہ دور زوال میں بھی ترقی کا دروازہ بند نہیں ہے۔ اس زمانہ میں بھی

ہر فن کے ارباب کمال

پیدا ہوئے اور اپنی مناسبت طبع و ذوق فطری کے مطابق انہوں نے کسی نہ کسی شعبہ حیات میں ترقی کی مثلاً اگر شاعری کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اسی زمانہ میں غالب۔ مومن۔ امیر۔ داغ۔ حالی۔ اکبر اور اقبال جیسے شعرا پیدا ہوئے جو اپنے اپنے طرز میں صاحب کمال ہیں۔ اور ارباب سخن ان کے فضل و کمال کے معترف ہیں۔
علماء و فضلا کے گروہ میں مولانا فضل حق مولانا عبدالحق خیرآبادی۔ مولانا محمد قاسم صاحب دیوبندی۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی۔ مفتی محمد عبدہٗ مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحب۔ مولانا محمد فاروق چریا کوٹی۔ مولانا محمود حسن دیوبندی۔ مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری۔ علامہ شبلی نعمانی رحمتہ اللہ علیہم جیسے علماء پیدا ہوئے جن میں سے ہر بزرگ اپنے اپنے فن میں یکتائے روزگار اور صاحب کمال تھا۔

اسی طرح ارباب سیاست و حکومت کی جماعت میں بھی موجودہ عہد میں ایسے اولوالعزم و قسمت آزما مشاہیر پیدا ہوئے۔ جن کو دنیا نے جانا اور مانا۔ مثلاً امیر عبدالرحمٰن خاں۔ غازی انور پاشا۔ مصطفےٰ کمال پاشا۔ شہنشاہ رضا خاں۔ سلطان ابن سعود۔ جنرل نادر خاں شاہ افغانستان۔ سعد زاغلول پاشا اور محمود شوکت پاشا۔ ان میں سے ہر شخص کی زندگی پر غور کرو تو معلوم ہوگا۔ کہ اس نے محض اپنی قوت بازو اور صحیح فہم و دانش سے یہ مرتبہ حاصل کیا۔ بالکل تازہ واقعہ جو ہمارے ملک سرحد پر گذرا۔

جنرل نادر خاں کی حیرت انگیز داستان

ہے جو بالکل بے یار و مددگار اپنے دو بھائیوں کے ساتھ ہندوستان آتے ہیں۔ اور دہلی و لاہور سے گذرتے ہوئے پشاور میں جا کر ٹھیرتے ہیں۔ ان کے پاس دولت ہے نہ اسلحہ ہیں، نہ فوج ہے، دوسری طرف حالت یہ ہے کہ دشمن پوری قوت کے ساتھ افغانستان پر قابض ہے اور سارے وسائل اس کے قبضہ میں ہیں۔ اور تمام ملک میں فتنہ و فساد برپا ہے۔ جنرل نادر خاں اپنے بھائیوں کے ساتھ آہستہ سے افغانستان میں داخل ہوتے ہیں۔ چند ماہ تک طرح طرح کی خبریں اڑتی ہیں۔ کبھی زخمی ہوتے ہیں، کبھی گرفتار ہوتے ہیں۔ کبھی

مرتے ہیں۔ تمام دنیا حیرت و انتظار کی حالت میں چشم براہ ہے کہ اس ڈرامے کا کیا انجام ہوتا ہے۔ آخر کار ایک دن سارے عالم میں برق کی زبان سے یہ پیام پہنچتا ہے کہ جنرل نادرخاں فاتحانہ حیثیت سے کابل میں داخل ہو گئے۔ اور اب وہ افغانستان کے واحد حکمران اور بادشاہ ہیں۔

ہم نے یہ چند نام تمثیلاً پیش کئے ہیں۔ ورنہ اس تنزل کے زمانہ میں بھی دنیائے اسلام میں سینکڑوں انسان ایسے موجود ہیں جنہوں نے زندگی کے کسی نہ کسی شعبہ اور علم و فن کی کسی نہ کسی شاخ میں کمال حاصل کیا ہے بے شبہ موجودہ زمانہ میں یورپ کے زبردست سیاسی و ملکی اقتدار اور مستحکم تسلّط کے مقابلہ میں کسی قوم کا سیاسی اقتدار حاصل کرنا دشوار ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بعض شعبے ایسے بھی ہیں۔ کہ ان میں ترقی کرنے کیلئے جو وسائل و اسباب آج حاصل ہیں پہلے کسی کو میسّر نہ تھے۔

مثلاً موجودہ زمانہ میں علوم و فنون کے حاصل کرنے علمی تجربات کرنے اور کسی فن کے مطالعہ کو وسیع کرنے کے جو وسائل حاصل ہیں پہلے کس کو نصیب تھے۔ پہلے جو کتابیں نایاب یا نادر الوجود تھیں۔ آج عام طور پر ملتی ہیں۔ البتہ

دستبرد حوادث

نے جن کو فنا کر دیا۔ اُن کا ذکر نہیں۔ مطابع نے ہر زبان اور ہر علم و فن کی کتابوں کو دنیا کے تمام بازاروں میں پھیلا دیا ہے۔ اور ہر شخص جو کسی خاص فن میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہو۔ ان کتابوں سے استفادہ کر سکتا ہے۔ سفر کے وسائل اسقدر آسان اور راستے ایسے پُرامن ہیں۔ کہ ایک ہندوستانی نوجوان طلب علم کے لئے یورپ، امریکہ اور جاپان تک آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔ برخلاف اس کے زمانہ ماضی میں علم کا حاصل کرنا جسقدر مشکل اور جاں گداز تھا۔ اگر اس کا حال دیکھنا ہو تو نواب صدر یار جنگ بہادر کی مشہور کتاب علمائے سلف دیکھئے جس سے اندازہ ہو گا۔ کہ تحصیل علم کی راہ میں کسقدر موانع تھے۔ مثلاً افلاس اور وہ بھی اس حد تک کہ نان شبینہ تک میسّر نہیں۔ مگر ابرو پر شکن نہیں۔ وہی ہمت ہے وہی حوصلہ ہے اور علم کی وہی تشنگی ہے۔ جو ایک مطمئن انسان کو ہو سکتی ہے پھر اس تنگدستی کی حالت میں پیادہ سفر بھی ہے۔ کوہ و بیابان، بے آب و گیاہ میدان اور پُر خوف رستے طلب علم کے لئے ہمّت و خوش دلی سے طے کئے جا رہے ہیں اور

علم کی طلب صادق

اس درجہ تک پہنچ گئی ہے۔ کہ کسی ایک مسئلہ کے دریافت کرنے یا ایک حدیث کے سیکھنے کے لئے صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی ہو رہی ہے مگر قدم کو لغزش نہیں ہے۔ پائے استقلال کو جنبش نہیں۔

ان سب مصائب پر مزید مصیبت یہ ہے۔ کہ کتابیں کمیاب ہیں۔ آج کل کی طرح بازاروں میں نہیں ملتی ہیں۔ اس لئے اپنے ہاتھ سے لکھی جاتی ہیں۔ ورنہ عام طریقہ یہ ہے۔ کہ استاد املاء کے طریقہ پر پڑھاتا ہے۔ یعنی لکھوا دیتا ہے اور سینکڑوں طلبا دوات قلم لئے بیٹھے ہیں اور لکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد پھر لکھے ہوئے کا یاد کرنا اور محفوظ رکھنا ہے اور یہ بھی کوئی معمولی کام نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ موجودہ زمانہ میں تحصیل علم میں اس قسم کی دشواریاں نہیں۔ بلکہ صاحب استطاعت لوگوں کے لئے تو ہر قسم کا سامان راحت و آسائش تعلیم گاہوں میں موجود ہے۔ مثلاً ماہرِ فن اساتذہ دار الاقامہ، کتاب خانہ اور مختلف علمی فنون کے تجربہ کیلئے ضروری

آلات وغیرہ علمی ترقی وحصول تجارت کیلئے یہ آسانیاں پہلے کس کو میسر تھیں۔ اگران وسائل اور ذرائع کے مہیا ہونے پر بھی علوم کے مختلف شعبوں میں چند ماہرین فن نہ پیدا ہوں توحیف ہے۔ اسیطرح

کسب دولت کے وسائل

بھی اس زمانہ میں بہت ہیں۔ گذشتہ زمانہ میں جو چیزیں محض بیکار اور بے قیمت تھیں۔ آج وہ نہایت کارآمد اور بیش قیمت ہیں ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مصرف ہے اور وہ مختلف تبدیلیوں کے بعد ایک مفید وکارآمد چیز بن جاتی ہے۔ زمین کی قدرتی پیداوار میں اب ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ جس سے کوئی کام نہ لیا جاتا ہو۔ مثلاً اس زمانہ میں کوئلہ۔ لوہا اور مٹی کا تیل تجارتی اور صنعتی دنیا میں عجیب انقلاب کا باعث ہوا ہے۔ گویا اس زمانہ میں انسان نے یہ سیکھ لیا۔ کہ صانع ہستی نے جو کچھ پیدا کیا ہے انسان اس سے کسطرح کام لے سکتا۔ اور ان قدرتی نعمتوں سے کس طریقے سے متمتع ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ

سامان تجارت کے نقل وحمل کی آسانیاں

جو آج حاصل ہیں۔ وہ پہلے کہاں تھیں۔ کروڑوں روپیہ کا مال تجارت لئے ہوئے مال گاڑیاں ہزاروں میل کی مسافت قطع کررہی ہیں۔ اور دخانی جہاز تجارتی مال لئے اور سمندر کا سینہ چاک کرتے ہوئے یورپ سے ایشیا کو اور ایشیائی ممالک سے امریکہ کو جارہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک ملک کے تازہ پھل دوسرے ملک کے بازاروں میں بے زحمت پہنچ جاتے ہیں۔ اب نہ تبادلۂ زر میں وہ دشواریاں ہیں۔ نہ مال کی قیمت بھیجنے میں وہ مشکلات۔ بینکوں نے کاروبار تجارت میں وہ آسانیاں پیدا کردی ہیں۔ جو پہلے خواب وخیال میں بھی نہ آسکتی تھیں۔ ان وسائل کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ آج یورپ وامریکہ میں ہزاروں آدمی بے قیاس دولت کے مالک ہیں۔ اور ان کے کاروبار کا جال تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔

غرض علوم کے چشمے بہ رہے ہیں۔ زمین اپنی دولت کے خزانے اگل رہی ہے گویا ؏

برق وباد ومہ وخورشید وفلک درکارند

اب یہ انسان کی کوشش واولالعزمی پر منحصر ہے۔ کہ وہ اپنی ہمت مردانہ سے کام لےکر اور ان وسائل سے فائدہ حاصل کرکے بڑے لوگوں کی صف میں جگہ حاصل کرے۔ اور دنیا کی تاریخ میں اپنا نام ثبت کرجائے۔ یا اپنی پست ہمتی اور تنگ نظری کی بدولت حشرات الارض کی مانند زندگی کے دن گذارے۔ زمانہ کی شکایت کرے۔ ابنائے زمانہ کا گلہ مند رہے۔ تقدیر کا شکوہ کرے۔ نارسائی بخت پر ماتم کرتا رہے اور اسی طرح آہ وزاری اور نالہ وفریاد کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہوجائے۔ اور کسی کو یہ معلوم بھی نہ ہو۔ کہ وہ کب اس دنیا میں آیا۔ کیا کرتا رہا۔ اور کب رخصت ہوا۔ (ماخوذ)

عرب طبیعت کے فطری جوہر

بدوی سیرت پر ایک اجمالی نظر

(۱)

اوراق سابق اس حقیقت کی پیش پا افتادگی پر گواہ ہیں۔ کہ جزیرہ نمائے عرب کا بیشتر حصہ قدرت کی سخت گیری یا اپنے باشندوں کی غفلت شعاری کے باعث صدہا سال تک ایک ایسی بنجر سرزمین سمجھا جاتا رہا جس میں کبھی کسی فصل کے بونے کا خیال لاحاصل تھا۔ اور جس کا پیوند سمندر اور صحرائے زمانہ کی تہذیب شائستگی سے جدا کر رکھا تھا۔ پھر کیا یہ اجتماع ضدین نہیں ہے کہ اسی بھائیں بھائیں کرتے ہوئے ویرانے میں ایک ایسی قوم پائی جائے۔ جس کے ذہن رسا کی مخفی قابلیتیں بآسانی تمام ایک ایسے نظام زراعت کے قیام اور ترقی کی طرح ڈالیں۔ جو ہر قدیم و جدید قوم کے زراعتی کارناموں پر سبقت لے جائے۔ جو حیرت انگیز جر ثقیلی آلات کی موجد ہو۔ جو علم ہندسہ کے سب سے زیادہ دقیق اور غامض مسئلوں کو حل کرے۔ جس نے فن عمارت میں تخییل ترتیب تفصیل اور تکمیل کے لحاظ سے لطافت پاکیزگی حسن اور آرائش کی وہ شان پیدا کی ہو جس کی نظیر روئے زمین پر نہیں ملتی جس نے بڑے بڑے مستحکم شہروں کے طویل جنگی محاصرہ کے ساتھ فن عرب کی ان پیچیدہ اور دقیق شعبوں میں اعلیٰ درجہ کا کمال بہم پہنچایا ہو۔ جو جنگی کامیابی کا لازمہ ہیں۔ جس نے سلطنتوں کی بنیاد رکھی ہو اور دنیا کو سبق دیا ہو۔ کہ سلطنتیں قائم کرکے برقرار کس طرح رکھی جاتی ہیں۔

ان گوناگوں کمالات میں سے کسی ایک میں بھی طاق ہونے کیلئے ایک طویل و مدید تلمذ کی ضرورت ہے لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ قدرت کی کسی خلعت کو عرب کے ناموزونی قامت کی شکایت نہ تھی۔ عربی دماغ کی ہمہ گیر نکتہ رسی نے بغیر کسی سابقہ تجربہ یا تعلیم کے تمدن کے ان تمام شعبوں کو اسطرح اپنا کر لیا۔ کہ گویا یہ تمام باتیں ابتدا ہی سے اس کا فطری موضوع تھیں۔ ادبیات میں بھی یہ روشنی طبع مطلع الانوار بن کر چمکتی ہے۔ اول اول ادب میں عرب صرف شاعری کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جو طبقے سب سے زیادہ روشن خیال متصور ہوتے تھے۔ ان تک کا مذاق تاریخ سے ناآشنا تھا۔ اور کوئی ایسا مواد موجود نہ تھا جس پر صحیح معنوں میں لفظ تاریخ کا اطلاق ہو سکے۔ نسب کے وہ شجرے جو عربوں کے لئے مایۂ ناز تھے۔ مقامی یا قبائلی شہرت رکھنے والے حبشیوں کے ناموں اور بتوں کی ایک غیر محدود اور اکتا دینے والی فہرست سے بڑھکر حقیقت نہ رکھتے تھے۔ لیکن انہیں اکھڑ اور جاہل عربوں کی غارت گر جماعتوں نے جس ملک میں جاکر علم حکومت بلند کیا۔ ایک عظیم الشان عقلی ہلچل ڈال دی۔ ان کے کمالات انہیں تک محدود نہ تھے۔ بلکہ اغیار و اجانب کو بھی انہوں نے اپنے جیسا ہی باکمال بنا دیا۔ ان کے فیضان عام نے سرراہ ایک سبیل لگا رکھی تھی۔ جس سے دوست دشمن یکساں سیر کام ہوئے۔ اپنے ذاتی کارناموں کے علاوہ جن کی عظمت سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ انہوں نے اپنی رعایا اور اپنے باجگزاروں کی ذہنی قوتوں کو بڑھانے

اور پھیلانے میں اپنی پوری سرگرمیاں صرف کر دیں۔ بنی نوع انسان کے پاؤں میں قرنہا قرن سے جہالت اوہام پرستی اور غلامی کی جو بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کی ہمدردانہ کوششوں سے کٹ گئیں۔ اس ظلمت کدہ نکبت و مذلت سے نکلنے کے لئے جس شخص کی طرف سے بھی کوئی جد و جہد عمل میں آئی۔ اس کی انہوں نے دستگیری کی۔ تلقین و تدریس اور نمونہ و مثال سے انہوں نے ہمیشہ ایسے لوگوں کے رشک کو ابھارا۔ او ان کی مساعی کا صلہ دیا۔ خونریز میدانوں میں جو کامیابیاں ان کے حصہ میں آئیں۔ اور وسیع کشوروں اور سلطنتوں کی تسخیر سے جو اقتدار انہیں نصیب ہوا۔ وہ اگرچہ بہت کچھ قابل فخر ہے۔ لیکن ان کے تاج شہرت کا دل آویز ترین طرہ وہ فتح الفتوح ہے۔ جو انہیں اقلیم علم میں حاصل ہوئی۔ زمانہ حال کے ادبیات کی لطیف ترین اصناف میں اس جوہر عقلی کا نور صاف جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ بکیشیو کے ناول، سر ڈیٹیز کے افسانے۔ والٹیر کا فلسفہ نیوٹن کی پرنسپیہ، شکسپیر کے ناٹک سب کو الف ابجد سے لیکر تا بیے تمت تک پڑھ جاؤ۔ ہر ایک میں تمہیں عربی دماغ کا اعجازی نقش نظر آئے گا۔ یہ وہ نقش ہے۔ جو زمانہ حال کے تمدن کی داستان کا طراز سرورق ہے جس کی نگار آرائیاں نہ شرمندۂ زوال ہیں نہ رہین فنا۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ یہ عالمگیر نتائج کسی فوری تحریک کا ماحصل ہیں۔ یا محض بخت و اتفاق کا کرشمہ ہیں۔ ان کا ظہور طویل اور مدید زمانوں کے دوران میں مسلسل اور متدرج ترقیوں کے بعد ہوا ہے۔ قدرت کے وہ نہ ٹلنے والے قانون جنہوں نے انسان کی کتاب مقدر کا شیرازہ باندھ رکھا ہے۔ اس امر کے متقاضی ہیں۔ کہ بہت سی متقارب الجنس شکلیں ایک درمیانی حالت میں سے گذرتی ہوئی غیر محسوس طور پر بتدریج ایک دوسری میں ضم ہوتی چلی جائیں۔ اور بالآخر افراد اور اقوام کی ذہنی و جسمانی خصوصیات میں اصولی تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ فن تعمیر کی نشو و نما کی طرح ارتقائے نسل کی رفتار بھی بطئی مگر متدرج ہوتی ہے۔ کسی عمارت کی بنیاد اور اس کی بالائی تعمیر کا باہمی تعلق ظاہر ہے۔ اگرچہ اول الذکر بادی النظر میں نگاہ سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس عرب جاہلیت کے وحشی شیوخ قبائل اور بغداد و قرطبہ کے ذی اقتدار اور روشن ضمیر خلفا میں ایک بون بعید ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کیا عباسی اور کیا اموی دونوں کے دونوں کا سلسلہ نسب ان بدوی قزاقوں سے جا ملتا ہے۔ جو ہر سال مکہ کے کاروانوں کو لوٹا کرتے تھے۔ زمانہ ماقبل تاریخ کی بھدی اور ان گھڑ تعمیر اور ایتھنز کی بے نظیر عمارات کی استادانہ صنعتی شان میں بظاہر کوئی وجہ مشابہت نہیں پائی جاتی لیکن اس میں کلام نہیں کہ انہیں بد وضع اور ناتراشیدہ پتھر کی لاٹوں سے جن میں فن تعمیر کی کوئی نزاکت یا لطافت نہ پائی جاتی تھی ان شاندار ستونوں کی ابتدا ہوئی۔ جو عہد قدیم کے یونانی اور رومانی مندروں کا سرمایہ آرائش تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کے عہد میں عربوں نے جس تیز رفتار سے ترقی کی۔ اس کو مد نظر رکھکر ہمیں مجبوراً تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ عربوں کے بت پرست آبا و اجداد نہ صرف اعلیٰ درجہ کی دماغی قابلیتوں سے متصف تھے۔ جنہیں بظاہر ایک وحشیانہ زندگی کی ذلتوں اور ضلالتوں سے کوئی لگاؤ نہیں۔ بلکہ ان میں سیاسی نظم و نسق کی طرح ڈالنے اور ان تمام فنون و صنائع سے عملی کام لینے کی حیرت انگیز استعداد موجود تھی۔ جو بنی نوع انسان کے لئے سود مند ہیں۔ یہ استعداد عربوں کی فطرت میں صدہا نسلوں تک پرورش پانے کے بعد ایک غیر محسوس اور نامعلوم طریقہ پر صورت پذیر ہوئی اور مدتوں بحالت جمود رہ کر اپنے وقت پر نمودار ہوئی۔ یہ ایک ایسا محیر العقول واقعہ ہے۔ جو شوق تحقیق کیلئے اپنے جیب و داماں میں ہزاروں بوالعجبیوں کا سرمایہ رکھتا ہے۔ اور جس کی سابق یا بعد کے زمانوں میں چراغ لیکر ڈھونڈنے سے بھی کوئی مثال نہیں ملتی۔

خسروِ دکنؒ کی ہندو رعایا نوازی

مہاسبھائی پروپگنڈا کا دندان شکن جواب

برٹش انڈیا میں صرف کلیسائے انگلینڈ کے متعلقہ معابد و مقابر اور مذہبی امور کے نظم و نسق کیلئے اکلیز یاسٹکل ڈپارٹمنٹ اور چیارٹی کمشنر سرکاری طور سے مقرر ہیں۔ ہندو راجہ و مہاراجوں کے یہاں ہندو رعایا کے مذہبی معابد و دہرم سالہ و گئوسالہ اور مذہبی امور کے نظم و نسق کیلئے باقاعدہ طور پر دفاتر موجود ہیں۔ مگر مسلم رعایا کے معابد و مقابر اور مذہبی امور کے نظم و نسق کی طرف سے برٹش انڈیا اور ہندو مہاراجگان کی طرف سے جسقدر بے التفاتی برتی جاتی ہے اور برتی جارہی ہے۔ اس سے ہندوستان کا ہر فرد بشر واقف ہے بخلاف اسکے سلطنت اسلامیہ آصفیہ صانہا اللہ عن الشرور والفتن کی جانب سے مختلف المذاہب رعایا کے مابین خوشگوار تعلقات پیدا کرنے اور قائم رکھنے کے لئے اور غیر مسلم رعایا کے اوقاف کے حفاظت اور انکی معاشہائے مشروطی کی نگرانی اور ان کے مراسم مذہبی کو عمدگی سے انجام دلانے کیلئے اور انکی عمارتہائے مذہبی کی نگرانی اور انکی تعمیر و ترمیم میں انتہائی دستگیری کرنے کیلئے ایک اہم سررشتہ " امور مذہبی " قائم ہے۔ جو کہ مسلم اور غیر مسلم کی بلا رو رعایت خدمات انجام دیتا ہے۔

واقفین پر یہ امر پوشیدہ نہ ہوگا۔ کہ اعلیحضرت خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کے مذہبی ادارے کس احسن طریقہ سے غیر مسلموں کی مذہبی خدمات انجام دیتے ہیں آج ہم باشندگان ہند کے سامنے بطور نمونہ مملکت اسلامیہ آصفیہ کے عطیات کے ان چند اعداد کو پیش کرتے ہیں۔ جو کہ مملکت آصفیہ میں بسنے والے ہنود کو ان کی مذہبی خدمات کے صلہ میں دیئے جاتے ہیں۔ جن کے ملاحظہ سے ناظرین کو معلوم ہو جائیگا۔ گنتی کے دو چار مہاسبھائی نفوس جو کہ حکومت اسلامیہ آصفیہ کے خلاف پروپگنڈا کر رہے ہیں۔ ان کی حقیقت کیا ہے۔

مملکت اسلامیہ آصفیہ پندرہ اضلاع پر مشتمل ہے۔ جن کے دیول و دھرم سالوں کے خدمات کی انجام دہی کیلئے ہندوؤں کے نام (۱۱۸۱) جاگیرات اور دو لاکھ ایک ہزار نو سو ستاون ایکڑ تین بگہ زمین کے علاوہ باون ہزار چار سو اٹھاون روپیہ تیرہ آنے دو پائی نقد دیا جاتا ہے۔

ہندوؤں کے مذہبی خدمات کی انجام دہی کیلئے منجانب علاقہ دیوانی ۴۴۵ ہنود کو جاگیرات عطا کی گئی ہیں۔ اور خود حضور پرنور خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کے علاقہ کی جانب سے (۸۵۲) ہنود کو ان کے مذہبی خدمات کے انجام دہی کیلئے جاگیرات عطا کی گئی ہیں۔

بحکم فرمانروائے مملکت اسلامیہ آصفیہ مسلم جاگیرداران مملکت اسلامیہ آصفیہ نے اپنے یہاں کے بسنے والے اہل ہنود میں سے (۴۰۴) ہندوؤں کو ان کی مذہبی خدمات کے انجام دہی کیلئے جاگیرات عطا کی ہیں۔

خاص تہوار دسہرہ کیلئے سلطنت اسلامیہ آصفیہ کی جانب سے (۴۷۳) روپیہ سالانہ نقد دیا جاتا ہے۔ ہندو معمولدار سالانہ چورا ما اور معاوضہ بلا خدمت کی تعداد (۹) ہے۔ جن کو (۱۲۰۸۴) روپیہ ۳ ر ۶ پائی نقد دیا جاتا ہے۔

ہندو امراء کو سلطنت اسلامیہ آصفیہ کی جانب سے (۱۲۹۶) مواضعات اور (۶۰) مزرعات عطا کئے گئے ہیں۔ جو کہ (۸۳۱۷۹) مربع میل اور (۲۵۹۰) بیگہ اور (۵) بام میں پھیلے ہوئے ہیں۔

سلطنت اسلامیہ آصفیہ کی جانب سے ہندوؤں کو مدد معاش وغیرہ کے ضمن میں (۱۳۱۵½) مواضعات دے گئے ہیں۔ جسکا محاصل ۲۰۹۶۳۶ روپیہ ۳ ۔ ۹ پائی ہے۔

ہندو وظیفہ خواران خیرات ومبرات درعایتی کی تعداد (۲۳۸) ہے۔ جن کو (۷۶ ۴۵) روپیہ سالانہ دیا جاتا ہے۔ ان چند اعداد کے ملاحظہ فرمانے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ حضور پُر نور اپنی مملکت اسلامیہ آصفیہ میں بسنے والی ہندو قوم کو کس فراخ دلی کے ساتھ ان کے مذہبی رسوم کی انجام دہی کیلئے عطیات دیتے ہیں اور کس رواداری کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کہ جسکی نظیر میں کسی ہندو مہاراجہ کا نام پیش نہیں کیا جا سکتا۔

حکومت اسلامیہ آصفیہ کی طرف سے جو عطیات بیرون ممالک محروسہ سرکار عالی ہنود کو دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

(۱) بابو پرتاپ رائے چند مصر کو کتاب مہا بھارت کے ترجمہ کی امداد میں للعمہ (۲) مسٹر گوردیال سنگھ کو (سمہ) روپیہ بطور وظیفہ دوامی (۳) انعام آل سکرٹری لبرٹری سوسائٹی ورکشاپ کلکتہ کو (السمہ) (۴) جینتی تیرتھ سوامی دیدھوا (اعہ) (۵) ہیرتھا سوامی آف لاہور اچاریتو ہند (الہ سما) (۶) بی یم ملا باری سیوا سادی بمبئی (عمہ) (۷) ڈاکٹر ہیرن کرشنا آرجی سکرٹری سدان سبھا سماج (عمہ) (۸) جہانگیر بومن جی پنڈت سکرٹری گوکھلے میموریل فنڈ (عمہ) (۹) رسوا بھارتی کلکتہ (الہ روپیہ)

(۱) معاش قضات موضع کروڑ خردسدی پیٹھ ضلع سیدک بنام چندر راؤ جاری ہے۔ (۲) موضع ڈیگل تعلقہ پالم ضلع پربھنی و موضع اسلام پور موضع دہاؤنی موضع بیل گاؤں موضع گیٹ پیپری موضع منتھیلہ واکسٹر گاؤں موضع سائن کھیڑا کے معاش قضات باجی راؤ دیسمکھ کے نام جاری ہے۔ (۳) موضع سبیدا پور تعلقہ گیورائی کے اسلامی درگاہ کی معاش (۳) ایکڑ (۲۹) بیگہ مانا جی پٹیل کے نام جاری ہے۔ (۴) سمنا پور تعلقہ بیڑ درگاہ دادا ملک کی معاش (۹۷) ایکڑ (۱) بیگہ الیاجی ولد پنڈیا راج کے نام جاری ہے۔ (۵) قصبہ بنڈے بملی تعلقہ شاہ پور ضلع گلبرگہ کی درگاہ حضرت جلال الدین شاہ صاحبؒ کی معاش (۷۰) بیگہ سورامیا ولد سر لنگیا کے نام جاری ہے۔ (۶) موضع انت دارم ضلع محبوب نگر کی درگاہ حضرت پیراں شاہ صاحب کی معاش رقمی (سماللہ) راجہ بلیکرام کے نام جاری تھی جس پر اب نرو بائی قابض ہے۔

مملکت اسلامیہ آصفیہ میں غیر مسلموں کو جسقدر بھی حقوق و مراعات حاصل ہیں۔ اس کے لگ بھگ بھی مسلمانوں کو حاصل نہیں۔ مگر پھر بھی بیرون مملکت اسلامیہ آصفیہ کے بسنے والے چند شوریدہ پرست آریہ سماجی و مہا سبھائی ہیں کہ وہ حکومت اسلامیہ آصفیہ پر تعصب کا الزام لگائے جاتے ہیں۔

(ابو المکارم محمد عبد البصیر)

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

اَلنَّجَات

دُوسرا باب

اعمال

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۷) مکروہ وہ ہے۔ کہ جس کے کرنے کو دل نہ چاہے۔ خواہ یہ کراہیت خود بخود ہو اور خواہ بحکم شریعت گو یا بہر صورت ناقابل تعمیل ہے۔

(۸) مباح وہ ہے۔ جو وقف عام ہو اور کوئی بھی اس میں مزاحم نہ ہو۔ یہ آٹھوں صورتیں مجوزہ فقہائے اسلام کی احتیاطاً ذکر کردی گئی ہیں۔ تاکہ حضرات مخاطبین اور ناظرین کو پوری پوری آگاہی حاصل ہو اور کوئی کسی قسم کا وہم و گمان اور شک و شبہ باقی نہ رہے۔

ایک حدیث شریف کے مضمون سے بھی سات صورتیں متعلق امن عامہ پائی جاتی ہیں۔ عن ابی ہریرۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یارسول اللہ وما هن قال الشرک باللہ والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق واکل الربو واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف و قذف المحصنات المومنات الغافلات۔ متفق علیہ
(اعراض — جہاد — تہمت — عورات پردہ نشین)

(۲) اوامر۔ وہ امور ہیں۔ جو کرنے کے قابل ہیں اور ضرور ہی کرنے چاہییں۔

نواہی۔ وہ امور ہیں جو کرنے کے ناقابل ہیں۔ اور ضرور ہی نہ کرنے چاہییں۔

(۳) صالح۔ وہ امور ہیں۔ کہ جن کے پورا کرنے میں سراسر خوبیاں اور برکات موجود ہیں۔

غیر صالح۔ وہ امور ہیں۔ کہ جن کے کرنے میں سراسر برائیاں اور قباحتیں موجود ہوں۔

(۴) جائز۔ وہ امور ہیں۔ کہ جن کے کرنے میں کوئی مزاحمت اور حق تلفی نہ پائی جائے۔

ناجائز۔ وہ امور ہیں کہ جن کے کرنے میں کوئی مزاحمت یا حق تلفی پائی جائے۔

(۵) حلال وہ امور ہیں۔ جو ہر طرح سے اپنا ذاتی استحقاق رکھتے ہوں۔ اور ان کے کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ پائی جائے۔ اور

ناقابل ردّ ہوں۔

حرام۔ وہ امور ہیں۔ کہ جن میں کوئی ذاتی استحقاق ہرگز نہ ہو۔ اور بدوں کسی رکاوٹ کے استعمال نہ ہوسکیں۔ اور دور و نزدیک کبھی نہ کبھی قابل ردّ ہوں۔

(۶) **محمود**۔ وہ امور ہیں۔ کہ جن میں بذاتہ سراسر خوبیاں ہی خوبیاں ہوں۔

مذموم۔ وہ امور ہیں کہ جن میں بذاتہ سراسر برائیاں ہی برائیاں ہوں۔

(۷) **مردود**۔ وہ امور ہیں جو نفرین مجسّم ہوں۔

مقبول۔ وہ امور ہیں جو تحسین مجسّم ہوں۔

اب اس وقت اعمال کے صالح یا غیر صالح اور مقبول یا مردود ہونے کے متعلق دو موٹے اصول ایسے بیان کئے جاتے ہیں۔ کہ جن سے ہر ایک شخص نیک و بد میں باآسانی تمیز کرسکے۔

اول اصل یہ کہ شریعتِ اسلام نے جن امور کو کرنے کے لئے جائز قرار دیدیا ہے۔ ان کو بخوشی خاطر کرنا چاہیئے۔ اور جنہیں ناجائز قرار دیدیا ہے انہیں نہ کرنا چاہیئے۔ اس میں ہرگز وہم و گمان کو دخل نہ دینا چاہیئے۔ کہ شریعتِ غرّا نے یہ کام کرنے کا اور یہ کام نہ کرنے کا کیوں حکم دیدیا ہے۔ کیونکہ طبیب جب کسی بیمار کیلئے کوئی نسخہ بدمزہ اور تلخ تجویز کرتا ہے۔ تو وہ اس کے اجزاء اور وزن اور ترکیب کو پہلے ہی سے حسب تشخیص مرض بیمار کے لئے مناسب حال اور صحت افزا تجویز کرتا ہے۔ پس بیمار کو بلا تامل وہ نسخہ استعمال کرنا چاہیئے۔ اور ساتھ ہی حسب فرمانِ طبیب مشفق پرہیز بھی لازمی ہے۔ نہ یہ کہ اس نسخہ میں حجتیں نکالے اور کہے کہ فلاں دوا زیادہ وزن کی اور فلاں کم وزن کی یا فلاں فلاں تلخ دوائیں اس نسخہ میں کیوں ڈالی گئیں ہیں۔ میں اسے تو ہرگز استعمال ہی نہیں کرتا۔ البتہ خوش ذائقہ اور شیریں دوائیں ہوں تو ضرور استعمال کروں گا۔

پس وہ بیمار یہ نہیں جانتا۔ کہ خوش ذائقہ اور شیریں دوائیں اس کے مخالف ہیں۔ جو ضرور اس کی مرض کو بڑھائینگی۔ طبیب مشخّص مرض نے جو اور جسطرح نسخہ تجویز کیا ہے اگرچہ وہ بدمزہ ہے۔ مگر بہیر شیریں وارد کے حکم سے مرض کو زائل کرنے والا ہے۔

لہذا مریض کو چاہیئے۔ کہ اسی نسخہ مجوزہ طبیب کو توکّل بخدا استعمال کرنا شروع کردے۔ انشاءاللہ شفا ہوجانے کی قوی امید ہے۔ اگر پرہیز اور طرزِ عمل میں کچھ فرق نہ آیا۔ تو بفضلہ تعالیٰ شفا ہو ہی جائے گی۔

اسی طرح سے جو جو احکام شریعتِ اسلام نے کرنے یا نہ کرنے کیلئے تجویز کئے ہیں۔ وہ انسان کی امراض کو تشخیص کرنے کے بعد فطرت کے ترازو میں وزن کرکے تجویز کئے ہیں۔ اور اس پر سابقہ تجربوں کی مہر صحت بھی لگی ہوئی ہے۔ پس ہمیں بغیر کسی شک و شبہ کے ان احکام کی تعمیل اسی طرح ہی سے کرنی چاہیئے۔ کہ جس طرح سے شریعتِ غرّا نے حکم دیا ہے۔ نہ یہ کہ اس پر ہزار ہزار شبہات اور شکوک وارد کئے جائیں۔

دوسرا اصل جس کی مستقل معیار ہر وقت ہر انسان کے پاس موجود ہے۔ اسطرح پر ہے کہ جس کام کو اوروں سے چھپا کر کرنے

کی ضرورت پڑے وہ بالکل غیر صالح اور ناجائز ہے۔ ہرگز اسے نہ کرنا چاہیئے۔ اور جس کام کو اوروں سے چھپا کر کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ وہ صالح اور جائز ہے۔ اسے بطیب خاطر کرنا چاہیئے۔ مگر اس کلیہ کے اندر ایک استثنا بھی ہے۔ جو بیوی میاں کو بعض جائز امور اوروں سے چھپا کر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

ان امور پر کہ جنہیں شریعت حقہ نے اوامر اور نواہی سے نامزد کیا ہے۔ صحبت کا ایک بڑا بھاری اثر پڑتا ہے۔ اگر ہم اسی کلمہ پر گمان کرلیں کہ نیکی اور بدی کا اندازہ خدا ہی کی طرف سے ہے۔ تو پھر نبوت فضول ٹھیرتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک

پس ہمیشہ اچھی اور نیک صحبت اختیار کرنا چاہیئے۔ اور بد صحبت سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ عطر فروش کی صحبت سے خواہ مخواہ اور بدوں کسی قصد کے دماغ صاف اور معطر ہو کر کئی امراض دور ہو جاتے ہیں۔ اور برخلاف اس کے آتش باز اور بارود ساز کی صحبت سے خواہ مخواہ اور بدوں کسی قصد کے دماغ مکدّر اور خراب ہو کر کئی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند ٭ صحبتِ طالح ترا طالح کند

حکماء نے جو کہ فقہا سے زیادہ نکتہ رس ہو گذرے ہیں۔ اعمال کے صالح اور غیر صالح ہونے کی تشریح اور طرح پر کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ احوال موجودات کے علم کو حکمت کہتے ہیں۔ جیسا کہ اوسط درجہ کی سمجھ کے لوگ کسی چیز کی ماہیّت کی نسبت حقیقتاً علم حاصل کرسکتے ہیں۔

پھر حکمت کی دو قسمیں ہیں علمی اور عملی۔ ان میں سے علمی کی پھر تین قسمیں ہیں۔ الٰہی۔ ریاضی۔ طبعی اور عملی کی پھر تین قسمیں ہیں تہذیب الاخلاق۔ تدبیر منزل۔ سیاست مدن۔

حکمت عملی کی تعریف علم باحوال نفسِ ناطقہ کی کی ہے۔ اسمیں سے جسقدر ہر ایک شخص کے متعلق فرداً فرداً علم ہے۔ اسے تہذیب الاخلاق کہتے ہیں۔ اور جسقدر وہ علم بالاشتراک خانہ داری کے متعلق ہے۔ اسے تدبیر منزل سے نامزد کیا ہے اور جسقدر وہ علم بالاشتراک امصار واقالیم کے متعلق ہے۔ اسے سیاست مدن کہا جاتا ہے یعنی حکمت عملی وہ علم ہے۔ کہ جس سے وہ امور جانے جاتے ہیں۔ کہ جن کا وجود ہم انسانوں کی قدرت اور اختیار میں ہے۔ یا مختصراً یوں ہے۔ کہ جن کا تعلق انسانوں کے فعل و عمل سے ہے۔ اگر وہ عمل و فعل کسی ایک ہی انسان کے شخصی وجود سے متعلق ہے۔ اور اس کی بھلائی یا برائی محض اسی کی ذات تک ہی محدود ہے تو اسے تہذیب الاخلاق کہتے ہیں۔ اور اگر باہم مشترک ایک ہی گھر کے اندر زندگی بسر کرنے والوں سے متعلق ہے۔ تو اسے تدبیر منزل سے نامزد کیا ہے۔ اور اگر ایک ہی شہر یا ایک ہی ملک یا ایک ہی حکومت کے اندر رہنے والوں سے متعلق ہے تو اسے سیاست مدن کہا جاتا ہے۔

ان تینوں اقسام تہذیب الاخلاق۔ تدبیر منزل سیاست مدن کی تشریح اور تفصیل اسطرح پر بھی کی ہے۔ کہ بالعموم افعال دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو فرداً فرداً ہر ایک شخص کی ذات سے متعلق ہیں انہیں تہذیب اخلاق کہا جاتا ہے اور دوسرے وہ جو نوع انسان کے جملہ افراد سے بالاشتراک متعلق ہیں انہیں تدبیر منزل اور سیاست مدن کہا جاتا ہے۔ یعنی جسقدر وہ افعال ہر ایک گھر کے رہنے والوں سے باہم متعلق ہیں۔ تدبیر منزل ہے اور جسقدر مملکت داری سے متعلق ہیں وہ سیاست مدن ہے۔ (باقی آئندہ)

میری سرگذشت

نمبر ۱۶

کوچۂ ہسوی سے چل کر "جاہان" پہنچا۔ جہان "نام" کے سوائے کوئی مستقل آبادی نہیں۔ دامن کوہ کے نیچے دو تین گھرانے خیمہ زن تھے۔ میرا ہمراہی حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے پڑپوتے کا ملازم تھا۔ پنجابی الوطن اور بروہی زبان سے نابلد۔ کوئی مرد موجود نہ تھا۔ اس لئے گدان سے باہر بیٹھی ہوئی ایک بروہی عورت سے مجھے مجبوراً بروہی زبان میں یہ پوچھنا پڑا کہ یہ کس کا گھر ہے اس نے برجستگی سے بروہی زبان میں جواب دیا کہ "ایک پہلوان کا" میں نے سمجھا کہ اس کے شوہر کا گھر ہے۔ اس لئے میں نے اس سے کہا کہ ہم آپ کے مہمان ہیں۔ جس پر جرأت کے ساتھ اس نے یہ کہا کہ "خدا آپ کو لائے" اور ساتھ ہی مہمان خانہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ عربوں کی طرح بروہی اقوام کی مہمان نوازی بھی ضرب المثل ہے۔ اور جھالاوان میں بنوامیہ اور بنوعباس کے عہد حکومت کی یہ ایک نہ مٹنے والی یادگار اب تک موجود ہے۔ بروہی اقوام کی نقل مکانی۔ بدووانہ طریق بودوماند۔ طرز لباس۔ سیاہ کمبلوں کے خیمے۔ اونٹ اور بھیڑوں کے گلے اور پانی کے کنارے اقامت یہ سب باتیں عرب حکومت کے تاثرات کا نتیجہ ہیں۔

مہمان خانہ کیا تھا۔ سرکنڈوں اور گھاس پھوس سے ڈھنپا ہوا ایک چھوٹا سا جھونپڑا تھا جس میں بمشکل تمام تین چار آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ اور اس میں کھڑا نہیں ہوا جا سکتا تھا۔ اتنے میں اسکا شوہر بھی آیا۔ ملکی دستور کے مطابق اس نے "حال احوال" اور مزاج پرسی کی رسم ادا کی۔ اور پھر ہمارے اونٹ کے لئے چارہ لایا۔ اس کا نام خیر محمد مسیانی تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ رات کو کچھ تقاطر بھی ہوا۔ اگلے دن گاجان پہنچا۔ اور ایک روز قیام کیا۔ سردار یوسف خاں کے نائب میر محمد زرک زئی نے بیل پٹ سٹیشن تک میری سواری کے لئے سانڈنی کا انتظام کر دیا۔

۴ر مارچ ۱۸۹۵ء کو موضع طلار (تلہار) اور گھمار کی بستی کی راہ سے قریۂ جلال خاں میں آیا۔ تلہار وڈیرہ غلام علی خاں تمنداربلیدی کی بستی کہلاتا ہے۔ اور یہ وہی مقام ہے۔ جسے ۱۴ر مارچ ۱۸۹۴ء کو میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اور جس کی بے سقف مسجد میں میں نے معہ اپنے بدرقہ غلام علی بلوچ (ملازم سردار یوسف خاں) کے رات بسر کی تھی۔ یہ جگہ بیل پٹ سٹیشن سے ۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ موضع جلال خاں ایک درمیانہ سا گاؤں ہے۔ جو شہر بھاگ سے قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر رودخانہ بولان بائیں کنارے پر واقع ہے اور سطح سمندر سے ۲۰۰ فٹ بلند۔ جولاہوں کی یہاں متعدد کھڈیاں ہیں۔ یہاں کے کھیس بہت مشہور ہیں۔ کھدر بھی بنا جاتا ہے۔ اگر ان کو فروغ دیا جائے تو ملکی صنعت کا یہ ایک چھوٹا سا کارخانہ بن سکتا ہے۔ گاؤں کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے سایہ دار درخت ہیں اور سرکردہ کا نام وڈیرہ جلال خاں مغیری ہے۔

۵ر مارچ ۱۸۹۵ء کو بھاگ۔ بلی اور موضع شوری کی راہ سے قبل دوپہر بیل پٹ سٹیشن پر پہنچا۔ اور پلیٹ فارم پر قدم رکھتے ہی

سب سے پہلے بے ساختہ جو کلمہ میرے منہ سے نکلا۔ وہ یہ تھا۔ کہ الحمدللہ۔ کہ میں نے شائستگی کی سرزمین پر قدم رکھا!"

شہر بھاگ ہزہائینس خان قلات کا سرمائی صدر مقام ہے اور آپ کے نائب کا ہیڈ کوارٹر رودخانہ ناڑی کے کنارہ پر واقعہ ہے۔ اور بلحاظ آبادی علاقہ کچھی کا سب سے بڑا شہر ہے۔ آبادی گنجان دکانات کافی۔ یہ ایک خصوصیت کے قابل بات ہے۔ کہ ہندوؤں کے نہ صرف مذہب اور جان و مال ہی کی حفاظت کی جاتی ہے۔ بلکہ تجارت پر بھی ان کو کلی تصرف حاصل ہے۔ ہندوؤں کی یہاں ایک دہرم سالہ ہے جو بلندی میں خان قلات کی "میری" (محل) سے بھی سر نکالتی ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کی رواداری کی یہ عدیم النظیر مثال ہے۔ مگر تجارت میں ایسی غفلت اقتصادی پہلو کے لحاظ سے کسی دن ان کو لے ڈوبے گی۔ شہر کے گرداگرد خام فصیل ہے۔ اور اندرون شہر ایک طرف کو خان قلات کا محل ہے۔ جسے میری (M i R i) کہتے ہیں۔ ۱۴ر مارچ ۱۸۹۴ء کو میں نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا جبکہ ندی میں پانی بہت زیادہ تھا۔ اور میری سواری کا اونٹ بمشکل تمام گذر سکا تھا۔

قریہ بلی محض ویران اور غیر آباد ہے جس کے مکانات کی صرف بلاسقف دیواریں ہی کھڑی ہیں۔ اور کوئی آبادی نہیں۔ موضع شوریں صرف پانچ چھ گھر آباد ہیں۔ یہ ایک عجیب مطابقت ہے۔ کہ ۱۴ر مارچ ۱۸۹۴ء کو بیل پٹ سٹیشن سے روانہ ہو کر جس راہ سے بذریعہ شتر سواری ۲۲ر مارچ ۱۸۹۴ء کو میں زیدی پہنچا۔ اسی زیدی سے ۲۸ر فروری ۱۸۹۵ء کو روانہ ہو کر اسی راہ سے بذریعہ شتر سواری ۵ر مارچ ۱۸۹۵ء کو واپس بیل پٹ سٹیشن پر آیا۔ اور ۱۶ر مارچ ۱۸۹۵ء کی صبح کو سبی۔ جہاں سب سے پہلے جناب قبلہ والد محترم کی قدمبوسی کا انتخار پایا۔ پھر پولٹیکل ایڈوائزر صاحب سے ملا۔ اور میری یکسالہ جانبازانہ ڈیوٹی اپنے اختتام کو پہنچی۔

موجودہ شہر سبی (Sibi) سنسکرت زبان کے لفظ "سوی" (Sivi) سے مشتق ہے۔ اور عام خط و کتابت میں سیوی ہی مروج جسے انگریز اب سبی کہتے ہیں۔ اور سطح سمندر سے ۴۴۳ فٹ بلند ہے۔

تاریخ میں شہر گنڈاوہ کی طرح سیوی بھی زمانہ قدیم سے رونما ہو چکا ہے۔ تصرف انگریزی سے پیشتر یہ صوبہ قندھار کے ماتحت تھا اور اسے افغانستان کا ضمیمہ خیال کیا جاتا ہے۔

۱۸۷۸ء میں جب یہ علاقہ حکومت انگریزی میں داخل ہوا۔ تو اسوقت سیوی میں سوائے پرانے قلعہ کے جو وہ بھی شکستہ اور خراب حالت میں تھا۔ اور کوئی مکان یا آبادی نہ تھی۔ اور عمال انگریزی نے ضرورتاً اسی قلعہ میں رہائش اختیار کی تھی۔ مابعد جب ریلوے سٹیشن اور پوسٹ آفس وغیرہ بنائے گئے۔ تو ان کو سیوی ہی کے نام سے نامزد کیا گیا۔ اس لئے موجودہ شہر جدید کا نام بھی سیوی ہی مشہور ہوا۔ جس وسیع قطعہ اراضی پر اب موجودہ شہر سیوی آباد ہے۔ اس کے بازار اور کوچے کوٹ مٹھن واقعہ ضلع ڈیرہ غازی خاں کے نمونہ پر ہیں۔ جو کھلے اور فراخ ہیں۔ شہر کے چاروں بازار جہاں ایک دوسرے کو قطع کرتے ہیں۔ وہاں ان کے سرے پر آبادی اور رونق کا بھی کافی سامان ہے۔ چنانچہ شرقاً ایجنٹ گورنر جنرل کا بنگلہ اور باغ۔ غرباً مکانات تحصیل اور پولیس۔ شمالاً مارکیٹ اور جنوباً قافلہ سرائے۔

شہر کے غربی جانب اندرون شہر برلب سڑک اینگلو ورنیکلر مڈل سکول ہے۔ جہاں ۸ر جنوری ۱۸۹۲ء سے لیکر ۱۳ر مارچ ۱۸۹۴ء

تک میں سیکنڈ ماسٹر رہا۔ معائنہ سکول کیلئے کوئی انسپکٹر مقرر نہ تھا۔ مقامی اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مہتمم تھا۔ تحصیلدار منصف اور نائب تحصیلدار ساتویں جماعت تک کے لئے سالانہ امتحان کے کام پر مامور ہوتے۔ آٹھویں جماعت کے امتحان کا تعلق پنجاب یونیورسٹی سے تھا۔ سنٹر بہاولپور یا ملتان تھا۔

یہاں سردیوں میں میلہ اسپان اور شاہی جرگہ کی وجہ سے دو تین مہینے خوب رونق رہتی ہے۔ شہر کے غربی اور شرقی جانب علیحدہ علیحدہ دو دو تالاب ہیں۔ جن میں سے ایک پینے کے پانی کے لئے اور دوسرا اہالیان شہر کے نہانے کیلئے ہے۔ واٹر ورکس کا ہنوز انتظام نہیں ہے۔

علاقہ جہالاوان میں ہندوؤں کی پوزیشن یہ ہے کہ انگریزوں کی آمد سے پہلے قبائلی علاقوں میں ہندو صرف درآمد برآمد تجارت کیلئے ایک مفید ایجنٹ سمجھا جاتا تھا۔ جو ملکی قبائل میں ان کی اجازت سے رہتا تھا۔ اور قبائلی گروہوں کے ساتھ اپنی حفاظت کی غرض سے وابستہ۔ اب تک بھی ہندو اپنی قومیت بیان کرنے کی بجائے اکثر اپنے آپ کو اُن قبائلی گروہ کے نام سے بیان کرتا ہے۔ جس کے ساتھ کہ وہ وابستہ ہے۔ ہندو کی زمانہ شناسی کی یہ عدیم النظیر مثال ہے۔ اور مسلمانوں کی بے تعصبی اور رواداری کا روشن پہلو یہ ہے کہ بلوچوں بروہیوں اور افغانوں میں ایک "غیر تحریر" قاعدہ تھا۔ کہ ان کے حملوں اور بالمقابل مدافعت میں عورتیں، بچے اور "ہندو" محفوظ رکھے جاتے تھے۔ سابقہ ایام میں ہندو دکاندار قبائل کے ادنیٰ متعلقین میں شمار کئے جاتے تھے۔ اور وہ ہر جگہ اجازت کے ساتھ رہ سکتے تھے۔ البتہ زیادہ مشہور شہروں میں ان کو جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ جس کے معاوضہ میں ان کو حکومت کی براہ راست حمایت حاصل ہوتی تھی۔ دیگر مقامات میں یا تو وہ سالم قبیلہ کی حفاظت میں ہوتے یا سردار قبیلہ یا کوئی صاحب رسوخ ان کی حفاظت کا متکفل ہوتا۔ جن کو وہ شادی اور دوسری مقررہ تقریبات پر تحفے دیا کرتے۔ ہندو سرخ پگڑی یا سرخ پاجامہ امتیازی لباس کے طور پر پہنتے۔ اور زیادہ سے زیادہ چھوٹے سے قد کے گدھے کی سواری کی خواہش کر سکتے تھے۔ وہ عموماً جائداد منقولہ تصور کئے جاتے تھے۔ اور اس موقعہ پر ایک دلچسپ جھگڑا پیدا ہو جاتا تھا۔ جب ایک قبیلہ کسی خاص طور پر مفید ہندو کو اغوا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ تصویر کا ایک ہی رخ ہے۔ جس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے۔ کہ اگرچہ ہندو بوجہ اپنے بت پرستانہ مذہب کے خیالاً بہت ہی حقیر سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن تجارتی امور میں زیادہ مفید ہونے کے لحاظ سے وہ زیادہ ضروری بھی خیال کئے جاتے ہیں۔ اسی لئے ان کی مکمل حفاظت کی جاتی ہے اور وہ کسی گرفت یا کمی کھچی سے بری ہیں۔

قبیلہ کے کسی آدمی کے ساتھ جھگڑا ہونے کی صورت میں وہ اپنے محافظ یا معتبر کے پاس منصفانہ سماعت اور فیصلہ کیلئے رجوع کر سکتے تھے۔ ان کی مستورات کی عزت کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ اور یہی نہیں کہ ان کے رسم و رواج میں دخل نہیں دیا جاتا تھا۔ بلکہ ان کے بت پرستانہ مذہب کو بھی برداشت کیا جاتا تھا۔ اور اسلام قبول کرنے کے متعلق تعلیم اسلام کے مطابق کہ لا اکراہ فی الدین ان پر کوئی جبر نہ تھا۔ ان کی قابلیت کے لحاظ سے ان کے متمول بننے میں کوئی چیز مانع نہ تھی۔

عام طور پر ہندوؤں اور مسلمانوں میں کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوتا تھا کیونکہ ایک دوسرے پر کوئی حملہ نہیں کرتا تھا۔ اور قبائلی تمدن میں ہر ایک اپنی مناسب جگہ لیتا تھا۔ باہمی معافی اور تحمل کے ساتھ دونوں فریق ایک غیر معمولی موافقت کے ساتھ رہتے تھے۔ یہ صورت حال اب تک بھی علاقہ جہالاوان میں موجود ہے۔ جسے میں نے بچشم خود دیکھا۔

ہندؤوں کے لباس کے متعلق امتیازی نشان کے موجد مسلم فرمانروایان عرب نہیں ہوئے۔ بلکہ ۷۱۲ء میں جب قائد اعظم غازی محمد قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے سندھ کو فتح کیا جس میں موجودہ بلوچستان بھی شامل تھا۔ تو اسوقت فتح سندھ سے بہت مدت پیشتر ہی مملکت سندھ چار چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں بٹی ہوئی تھی۔ چنانچہ راجہ کچھ نے جو برہمن مذہب کا پابند تھا۔ لوہانہ اور راجپوت راجاؤں کے خلاف جو بمعہ اپنی رعایا کے بدھ مذہب کے پیرو تھے۔ سخت اور کڑے احکام جاری کر رکھے تھے۔ کہ جنگ میں شامل ہونے کے سوائے وہ کبھی تلوار نہ لیں۔ ریشمی کپڑے نہ پہنیں۔ اور اس گھوڑے پر سوار نہ ہوں۔ جس پر زین کسا ہوا ہو۔ ننگے پاؤں کتوں کو ساتھ لے کر چلیں۔ تاکہ وہ پہچانے جاسکیں۔ انہیں ننگے سر رہنے کا حکم تھا۔ بیاہ شادیوں کے موقعہ پر انہیں سرخ پگڑی یا ٹوپی پہننے کا اختیار نہ تھا۔ یہی نہیں۔ بلکہ ان کی بیویوں کو "نتھ" پہننے کی بھی اجازت[1] نہ تھی۔ اور یہ نتیجہ تھا برہمنی مذہب اور بدھ مذہب کی باہمی دشمنی اور عداوت کا۔

[1] دیکھو۔ کچھ نامہ۔ (قاضی) نظیر حسین فاروقی بسنوفی (ریٹائرڈ)

طلبگار عشق

ڈر موت کا نہیں مجھے پروائے غم نہیں سوز تپ فراق کا مطلق اَلم نہیں
کچھ خوفِ نوکِ تیرِ نگاہِ صنم نہیں فکرِ شکستِ خاطر وقفِ ستم نہیں
جاں دادۂ مظالم تیغ امید ہوں
یعنی ادائے یار کا میں بھی شہید ہوں

یا رب مجھے بھی لذت الفت نصیب ہو کیف سرورِ جام محبت نصیب ہو
اس دل میں چاہتا ہوں کہ چاہت نصیب ہو ذوقِ کشاکشِ غمِ فرقت نصیب ہو
روشن ہو خانۂ دلِ پژمردہ داغ سے
سینہ تمام نور بنے اس چراغ سے

سختی کشِ ملالِ شبِ انتظار ہوں خوں کردۂ فراقِ بُتِ گلعذار ہوں
مجروح و کشتۂ ستمِ روزگار ہوں یعنی خود اپنی آرزوؤں کا مزار ہوں
میں کیا ہوں یادگار تمنائے مُردہ ہوں
شمعِ شبِ فراق کی صورت فسردہ ہوں

میں ہوں مقیم دشت میں یا کوہسار میں یا ہوں کنار کشت میں یا مرغزار میں
یا محوِ سبزۂ چمنِ پُر بہار میں پر دل ہے قید عقدۂ گیسوئے یار میں
منت پذیر در وہ نہیں آج کل سے میں
شیدائے حسن یار ہوں روزِ ازل سے میں

(واقف)

کتب خانہ القریش کی بےنظیر کتابیں

تین خاص نمبر

القریش کے مندرجہ ذیل تین خاص بیحد دلچسپ اور قابل دید ہیں

نبی نمبر ۸/ یعنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی منظوم ومنثور واقعات دلکش پیرایہ میں تفصیل کے ساتھ دئیے گئے ہیں۔

صدیق نمبر ۸/ حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری منظوم ومنثور دلآویز پیرایہ میں بیحد دلچسپ اور بہترین دل ودماغ کا نتیجہ قابلقدر چیز ہے

نظام نمبر ۸/ دولت آصفیہ کی مختصر تاریخ اور دکن کے موجودہ فرمانروا کے فضائل شہریاری کا مبسوط تذکرہ دولت آصفیہ اور سرکار انگریزی کے تعلقات دوستی کی ابتدا علاقہ کرناٹک یعنی ۱۷۶۵ء سے اس وقت تک کے جستہ جستہ حالات۔

ہر سہ نمبروں کی مجموعی قیمت ایک روپیہ (عہ ر)

ایسٹرن لٹریچر کمپنی دہلی کی مشہور ومعروف دلچسپ اور مفید ترین کتابیں ضرور منگائیے

شادی سے پہلے ۸/	شادی کے بعد ۸/	درازیٔ عمر ۸/	ماں باپ کا اثر اولاد پر ۸/
عورت کے سو کام ۸/	احکام اسلام کی پابندی ۸/	میر تقی میر ۸/	رباعیات رشید ۸/

المشتہر: مہتمم کتب خانہ متعلقہ "القریش" شریف پورہ امرتسر

وزیر ہند پریس واقعہ ہال بازار امرتسر میں محمد علی رونق پرنٹر کے اہتمام سے چھپا۔ اور
محمد علی رونق پبلشر نے دفتر القریش واقعہ شریف پورہ امرتسر سے شائع کیا
ایڈیٹر محمد علی رونق

Editor:—

Mohammad Ali Raunaq.

Annual Subscription Rs. 3/- Single Copy Annas 4.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

جلد (۱۸) | بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۲ء | نمبر (۱۲)

سنہ ۱۹۳۲ء اور ہم

خدائے بزرگ و برتر کا شکر ہے کہ سنہ ۱۹۳۲ء کا سال جو القریش کے لئے بیحد مہیب اور نہایت پریشان تھا اس افراتفری میں ختم ہوا۔ یہ القریش کی زندگی کی اٹھارہویں منزل تھی اور واقعات پیش آمدہ کچھ اس قسم کے حوادث سے گھرے ہوئے تھے کہ ان سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی توقع نہ تھی۔ اور کوئی امید نہ تھی کہ رسالہ جاری رہ سکیگا۔ لیکن مسبب الاسباب کا انتہائی فضل و کرم ہے کہ حوصلہ شکن ابتلا جوں توں گزر گئے اور منازل مشکلہ طے ہو گئیں۔ الحمد للہ علیٰ احسانہٖ

قوم کی بے پرواہی، بے اعتنائی، سرد مہری، اور بے حسی پر رونا "آنکھیں کھونا" کے مصداق ہے لہٰذا اس بے ثمر ترانہ کو ہم چھیڑنا نہیں چاہتے۔ خدا جس قوم کو بے حال اور جس گروہ کو تباہ کرنا چاہے اس کے لئے تدبیریں کبھی کارگر نہیں ہوتیں اس کے دماغ بیکار، کان بہرے اور زبان گنگ ہو جایا کرتی ہے۔ امیر اور صاحب نصاب افراد کی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی ہے اور وہ تن آسانی کے سوا حیات انسانی کا کوئی مقصد نہیں سمجھتے۔ بعینہٖ جس قوم کی یہی حالت ہو اس سے کوئی توقع ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ بنابریں سنہ ۱۹۳۲ء کے حالات کی پریشان کن تفصیل اور آئندہ سال کے لئے کوئی پروگرام پیش کرنے کی کوئی خواہش اور کوئی التجا پیش نہیں کرنا چاہتے۔ جس مسبب الاسباب نے گذشتہ گوناگوں مصائب و نوائب کے قلع قمع کے لئے اسباب مہیا کر دئے ہیں۔ اگر القریش کا جاری رہنا اسے منظور ہوا تو آئندہ بھی وہ اپنی کریمی و رحیمی شامل حال کر کے ہمارے عزائم کو اور مستحکم و استوار کر دیگا۔

جن برادران گرامی کی توجہ ان حالات میں ہمارے شامل حال رہی ہے ہم ان کا بصدق دل شکریہ ادا کرتے ہیں اور

امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی اپنی برادرانہ نوازشات سے ہمیں تشکر اور امتنان کا موقعہ دیتے رہیں گے وباللہ التوفیق!

انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ اشاعت سے القریش انیسویں سال میں قدم رکھے گا اور اگر خدا کو منظور ہوا تو اپریل آئندہ سے اسکی ظاہری و باطنی، صوری و معنوی حالت میں آپ نمایاں تبدیلی دیکھیں گے۔ حجم بڑھا دیا جائیگا اور بوقلموں دلچسپیوں کا اضافہ ہو جائے گا۔

ہماری مساعی اگر بارور ہوئیں اور ہماری دعاؤں کو بارگاہ صمدی میں قبولیت حاصل ہوئی تو اس کس مپرسی کی حالت میں بھی القریش ہفتہ وار کرنے کی تمنا پوری ہو جائیگی اور اس پر بھی ماہانہ ایڈیشن شاندار حیثیت میں الگ شائع ہوتا رہیگا ناظرین کرام اور کچھ نہیں تو بخشوع و خضوع ہمارے لئے دعا ہی کر دیں کہ خدا ہمیں ان ارادوں میں کامیاب کرے۔

۱۹۳۲ء میں "القریش" کی اشاعت کا تواتر گو قائم نہیں رہ سکا لیکن مضامین جس قدر اس جلد میں شائع ہوئے ہیں بفضل خدا ان سب کا معیار ادب و تاریخ کے لحاظ سے بلند رہا ہے حجم، کتابت و طباعت بھی معمولی نہیں رہی۔ ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ جلد بحالت مجموعی اپنی گذشتہ جلدوں سے .... کسی طرح کم نہیں ہماری آرزوؤں ہماری تمناؤں اور قومی ضرورتوں پر اگر ناظرین کرام توجہ دیتے ہوئے "القریش" کی توسیع اشاعت میں کچھ مدد کر دیتے اور مالی کمزوری سدِّ راہ نہ ہوتی تو نہ صرف تواتر اشاعت ہی قایم رہ سکتا بلکہ القریش اپنے اس پروگرام کو جو قومی فلاح و اصلاح اور ارتقاء و ترقی کے لئے اس کے پیش نظر تھا بوجوہ احسن انجام دینے میں کامیاب ہو جاتا۔ اور آج ہم ترقی و کامیابی کی راہ میں ایک اور قدم بڑھانے کے قابل ہو جاتے۔ مگر افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہو سکا۔ بارگاہِ ایزدی میں دعا ہے کہ وہ قادر و توانا اپنا فضل شامل حال کرے اور نحوستوں کے بادل قوم کے سر سے چھٹ جائیں۔ آمین ثم آمین۔

مارچ گذشتہ سے "بزم قریش" کا عنوان بعض مجبوریوں کی نذر کرنا پڑا اور خاص اطلاعات جو اس ضمن میں شائع کیجاتی تھیں وہ بھی شائع نہ ہو سکیں خصوصاً قومی رفتارِ ترقی اور اسی کی نمائندہ جماعت "ندوۃ القریش" کے حالات پر کسی قسم کی روشنی نہیں ڈالی جا سکی۔ اس کا سبب بھی وہی علت ہے جس کا اجمالی ذکر سطور بالا میں آچکا ہے۔

ناظران کرام میں سے جن برادران کا سال خریداری اس اشاعت کیساتھ ختم ہوتا ہے وہ مہربانی کر کے بواپسی ڈاک اِل آیندہ سال کیلئے اپنا زر چندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا کر مشکور کریں۔ اور جو صاحب کسی وجہ سے آئندہ اس سلک میں منسلک نہ رہنا چاہیں یعنے خریداری جاری رکھنے میں جن کے لئے کوئی امر مانع ہو وہ بذریعہ پوسٹ کارڈ دفتر کو اپنے ارادہ سے مطلع کر دیں تاکہ وی پی کے اجراء کی زحمت اور پھر اس کی واپسی پر نقصان اور دلشکنی نہ ہو جو احباب اس نیت سے کہ وی پی آنے پر واپس کر دیں گے خاموش رہیں گے وہ انتہائی بے مروت سمجھے جائیں گے۔ امید ہے کہ اخلاق و رواداری کو اس ضرب سے بچا لیں گے۔

مسلمان اور ماہ رمضان

فغاں ہیں آہ ہیں۔ شیون ہیں۔ نالے ہیں
سنائیں درد دل طاقت اگر ہو سننے والے ہیں

آج دین و مذہب مصائب کے نرغے میں ہے۔ گلشن اسلام پامال خزاں ہونے کو ہے۔ دنیاوی ابتلاء کا سلسلہ بڑھتا جاتا ہے جو گھڑی گذرتی اور جو ساعت آتی ہے قہر مواخذۂ الٰہیہ کی بجلیاں برساتی آتی ہے مگر پھر بھی مسلمان ان حوادث و وقائع سے عبرت حاصل نہیں کرتے بلکہ اپنے مذہب اپنے دین اور اپنے آئین کے مسلمہ اور سچے اصولوں سے بے بہرہ اور غافل پڑے ہیں۔ اتحاد سے انکار احکام الٰہی سے فرار ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ رسوم مذموم کی کثرت، تقلید حق کی قلت اور بھی دم بخود کئے دیتی ہے۔ غرض یہ کہ ہماری حالت واقعی اس شعر کی مصداق ہو گئی ہے کہ ؎

کفر روتا ہے میرے اسلام پر — دیکھ لو یہ ہے مسلمانی میری

اب ماہ رمضان کی آمد آمد ہے جس کی فرضیت کے متعلق صریح حکم خداوندی ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ۔ فرضیت کے ساتھ اس بات کو بھی مشرح کر دیا کہ امت محمدیہ پر یہ کوئی جدید بوجھ اور نیا بار نہیں ڈالا گیا بلکہ یہ اصول قدیم ہی سے چلا آتا ہے کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ اور ساتھ ہی اس امر کی بھی توضیح و تشریح کر دی کہ ہم نے حصول مفاد ذاتی کی خاطر اس کو فرض نہیں کیا بلکہ تمہیں پرہیزگار، متقی و متدین بنانے کے لئے جیسا کہ فرمایا لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۔

یہ تو ہوا اس کا حکم فرضیت اب ذرا اس کی فضیلت سنئے جو حسب ذیل احادیث سے خوب واضح ہو جائیگی۔

(۱) مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

(۱) یعنی جس نے رمضان کے روزے اس کی حقیقت اور فرضیت مان کر اللہ کی خوشنودی اور ثواب کیلئے رکھے تو اسکے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں

(۲) مَنْ صَامَ یَوْمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بَعَّدَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہٗ مِنَ النَّارِ سَبْعِیْنَ خَرِیْفًا

(۲) یعنی جس نے ایکدن کا روزہ اللہ کے واسطے رکھا تو اللہ تعالیٰ اسکو دوزخ سے ستر برس کی راہ پر دور کریگا۔

(۳) اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَھَنَّمَ وَصُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ

(۳) یعنی جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور سب شیاطین زنجیروں سے جکڑے جاتے ہیں

(۴) اِنَّ الصَّائِمِیْنَ یُوْضَعُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَائِدَۃٌ تَحْتَ الْعَرْشِ یَاْکُلُوْنَ عَلَیْھَا وَالنَّاسُ فِی الْحِسَابِ فَیَقُوْلُ النَّاسُ ھٰؤُلَاءِ یَاْکُلُوْنَ وَنَحْنُ فِی الْحِسَابِ فَیُقَالُ اِنَّھُمْ کَانُوْ

(۴) یعنی روزے داروں کے واسطے قیامت کے دن عرش کے تلے دسترخوان بچھایا جائیگا جس پر وہ کھا رہے ہونگے پس لوگ کہیں گے کہ یہ کیسے لوگ ہیں کہ کھانا کھا رہے ہیں اور ہم حساب ہی میں پھنسے ہوئے ہیں انکو جواب دیا جائے گا کہ یہ لوگ

یَصُومُونَ وَاَنْتُمْ تُفْطِرُوْنَ روزہ دار تھے اور تم روزہ نہیں رکھتے تھے

(۵) لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللہِ تَعَالٰی مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ (۵) یعنی روزے دار کے مُنہ کی بو مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے

نیز حدیث میں آیا ہے کہ رمضان شریف کی نفلی عبادت دوسرے دنوں کی فرضی عبادت کے برابر ہے اور اس کی فرضی عبادت دیگر ایام کی ستر فرض عبادتوں کے برابر ہے۔ روزے کے تین درجے ہیں ایک روزہ عوام کا ایک خواص کا ایک اخص خواص کا عوام کا روزہ تو یہ ہے کہ صبح صادق سے لیکر تا غروب آفتاب بہ نیت صوم مفطرات ثلاثہ یعنی کھانے پینے اور صحبت سے اجتناب کرتے اور خواص کے روزہ میں علاوہ ازیں یہ بھی اضافہ ہے کہ آنکھ، کان، زبان اور ہاتھ پاؤں وغیرہ تمام اعضا کو ارتکاب معاصی سے محفوظ و مامون رکھا جائے اور اخص خواص کے روزہ میں علاوہ ازیں یہ بھی ضروری ہے کہ قلب کو ہمم قبیح اور تفکرات دنیوی سے دور کیا جائے اور سوائے واحد باری تعالیٰ کے دیگر تمام اشیاء سے اسکو مطلقاً دور کیا جائے یعنی دنیوی تفکرات اسپر غالب نہ آئیں۔ اگر اسکا کچھ مقصود و مطلوب ہو تو فقط باری تعالیٰ اور فکر آخرت یہاں تک کہ اہل دل فرماتے ہیں کہ جس شخص کی ہمت دن کو اسباب میں مصروف ہو کہ افطاری کیلئے کسی چیز کی تدبیر کر لینی چاہئے تو اسپر خطا لکھی جائیگی اس وجہ سے کہ اس نے خدا تعالے کے فضل پر کم اعتماد کیا۔ اور اسکے رزق موعود پر پورا پورا یقین نہ کیا یہ مرتبہ انبیاء، صدیقین اور مقربین کا ہے۔

واضح رہے کہ روزہ میں حسب ذیل رعایات مد نظر رکھنی چاہیئے **اوّل** نظر کا نیچے رکھنا اور ان اشیاء سے نظروں کو روکنا جن سے دل خوش ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کی یاد سے غفلت ہوتی ہے **دوم** زبان کا بیہودہ بات، غیبت، چغلی، فحش، ظلم اور جھگڑے اور بات کاٹنے سے بند رکھنا اور سکوت و خاموشی کو اسپر لازم کرنا اور ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن شریف میں مصروف رکھنا روزے کے اندر جب حلال اشیاء حرام ہے تو حرام تو بطریق اولیٰ ممنوع ہوئیں لہذا اس میں لوگوں کا گوشت کھانا سخت حرام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ دن کے آخری حصہ میں انکو بھوک و پیاس کی یہ شدت ہوئی کہ قریب بہلاکت ہوگئیں انہوں نے آنحضرت (صلعم) کی خدمت میں افطار کی اجازت کیلئے کسی کو بھیجا۔ آپ نے اُنکے پاس ایک پیالہ بھیجا اور آدمی سے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو کہنا کہ جو کچھ تمنے کھایا ہو اس پیالہ میں قے کردو۔ وہ لیگیا۔ ایک عورت نے نصف پیالہ تازہ خون اور گوشت سے بھر دیا اور دوسری نے بھی یہی چیزیں قے کیں۔ یہانتک کہ وہ پیالہ لبالب ہوگیا۔ وہ آدمی سخت متعجب ہوا۔ آپنے فرمایا کہ ان دونوں نے آپسمیں بیٹھکر لوگوں کی غیبت شروع کی تھی۔ یہ پیالہ کا گوشت وہی ہے جو ان دونوں نے لوگوں کا گوشت کھایا تھا **سوم** بری بات کے سننے سے کانوں کو باز رکھنا اس واسطے کہ جن امور کا کہنا حرام ہے انکا سننا بھی حرام ہے **چہارم** ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء کو بری باتوں سے روکنا **پنجم** حلال غذا اتنی زیادہ نہ کھانا کہ پیٹ تن جاوے۔ **ششم** افطار کے بعد قلب خوف و رجا سے وابستہ رہنا چاہیئے کیونکہ معلوم نہیں کہ اسکا روزہ مقبول ہو کر مقربین کے زمرہ میں اسکا شمار ہوا یا روزہ نامنظور ہو کر خفگی کے مستحقوں میں متصور ہوا۔ نیز یاد رہے کہ روزے سے کوئی عاقل بالغ مسلمان مستثنیٰ نہیں مگر مسافر یا حقیقی حکمی مریض کو روزہ چھوڑنے کی گنجائش ہے جسکی قضا اسپر ضروری ولابدی ہے۔ مستورات خاص ایام میں روزہ چھوڑ دیں مگر انکی بھی قضا ضروری ہے۔ اور جو شخص باوجود عاقل بالغ ہونیکے بغیر رخصت شرعی کے عمداً روزہ چھوڑ دے تو

اسکی تلافی عمر بھر روزے رکھنے سے بھی نہیں ہوسکتی ۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے:

مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَۃٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ یَقْضِ عَنْہُ صَوْمُ الدَّھْرِ کُلِّہٖ وَاِنْ صَامَہٗ

جو شخص بغیر رخصت شرعی اور بغیر کسی مرض کے روزہ چھوڑ دے تو تمام عمر کے روزے اسکا عوض نہیں ہوسکتے اور اس نقصان کی تلافی نہیں کرسکتے۔

لیکن باوجود اس تاکید، اس فرضیت، ان احکام اور ان فضائل کے آپ کثیر التعداد بالغ ہٹے کٹے متنفس دیکھیں گے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ مگر شرم وحیا کا پردہ اتار کر ایام مذکورہ میں برسر بازار کھاتے پھرتے ہیں۔ بقیہ کی یہ حالت کہ ان کو ان افعال کا ارتکاب کرتے دیکھنے کے باوجود روکتے نہیں اور چشم پوشی کرتے ہیں۔ ہیہات، صد ہیہات کہ مسلمان کس غفلت میں پڑے ہیں۔ دنیوی واقعات سے بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ دیکھتے نہیں کہ جب کبھی سفر کو جانا پڑتا ہے تو کس قدر طیاریاں کرتے اور کتنا سامان مہیا کرتے ہیں مگر آخرت کا سفر جو سب کا اہم ترین ہے اسکی کچھ پرواہ تک نہیں۔ راہ شدید اور یہ میاں تہیدست، وہاں کی تو یہ حالت ہے کہ بڑے بڑے اولیاء اللہ کہتے چلے گئے کہ ؎

راہ کڑی زاد سفر پاس نہیں ہے
منزل پہ پہنچنے کی بھی آس نہیں ہے

معلوم نہیں کہ کس زندگی پر گھمنڈ کرتے ہوئے اس حاکم اعلیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ بھائی کیسی غفلت ؎

کَیْفَ تَنَامُ الْعُیُوْنُ عَنْ مَلِکٍ
یَاْتِیْکَ مِنْہُ فَوَائِدُ النِّعَمِ

بھائیو! دریائے رحمت حق جوش زن ہے۔ اگر آپ نے اب بھی عنان توجّہ کو اس طرف منعطف نہ کیا تو بتلائیے کہ پھر کونسا وقت آئیگا کہ جب آپ توبہ کرکے تلافی مافات کرینگے ۔ اس وقت آپکا فرض ہے کہ اس مقدس ماہ کے روزے رکھیں اور بیخودانہ جوشش ومحویت میں دن بھر کی بھوک وپیاس کے بعد خدائے برحق کی یاد میں کھڑے ہوکر اس ماہ کی تمام متبرک ومقدس شبیں اسی کے تذکرے اسی کی محبت کے سرور ولذت میں بسر کردیں اور مدح وثنا کے زمزموں اور درود وسلام کے مقدس ترانوں کو پھر پکار دیں۔ ان راتوں کو غنیمت جانو۔ خدا جانے پھر نصیب ہوں یا نہ ؎

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سائے تلے
حشر تک سوتا رہیگا خاک کے سائے تلے

اور نیز دوسروں کو بھی تلقین کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ

اطلاع اگلے ماہ رمضان المبارک جنوری میں ہے اور اس مبارک مہینہ میں اکثر اوقات دیگر شغل میں گذرتا ہے اس لئے جنوری کا پرچہ اگر شائع نہ ہو تو ناظرین انتظار نہ کریں۔ کوشش کیجائے گی کہ ناغہ نہ ہو۔ (مینیجر)

بتکدہ سندھ میں خدا کا پہلا گھر

جزائر مالا بار میں اسلام کا نور برس رہا تھا، کفر کا اندھیرا مٹ چکا تھا۔ بتوں کی جوتیں توحید کی دیپ مالا کے مقابلہ میں ماند اور پھیکی پڑ چکی تھیں۔ آنحضرت کا کلمہ پڑھنے والے جزیرہ سراندیپ کے مسلمان راجہ نے چاہا کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کے بادشاہ یعنی خلیفہ عبدالملک سے تعلق پیدا کرے اسلئے چند چھوٹی سی کشتیاں جنہیں عرب مسافر عورتوں، یتیم بچے اور بچیوں کے علاوہ مختصر سے تحفے بھی تھے روانہ کیں۔ یہ بات سنہ کی ہے۔ اس زمانہ میں سندھ پر راجہ داہر کی حکومت تھی اس راجہ کے لوٹ مار کرنے والے جہاز بحر ہند میں گھومتے رہتے تھے اور مسافروں کی کشتیوں کو پکڑ پکڑ کر دیول (ٹھٹھہ) کے گورنر کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے تھے۔ تقدیر سے پردیسی مسلمانوں کی کشتیاں بھی ان کے ہتھے چڑھ گئیں۔ جن کو ڈاکو گورنر دیول کے پاس لے آئے۔ گورنر کے دریافت کرنے پر داہر نے حکم دیا کہ ان مسافروں کو قید کر لیا جائے۔ کسی نہ کسی طرح جب یہ رنجدہ خبر عراق کے مسلمان والسرائے حجاج بن یوسف کو ملی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ راجہ داہر کی یہ پہلی ہی شرارت نہ تھی بلکہ اس سے پہلے بھی وہ کئی دفعہ مکران کی مسلم آبادی پر حملہ آور ہو چکا تھا اور اس کو خلیفہ اسلام نے کئی دفعہ سمجھا بھیجا تھا کہ اس کی یہ چھیڑ چھاڑ بگاڑ کا باعث بنجائے گی۔ مگر راجہ داہر کچھ اس طرح کا کٹر متعصب شخص تھا کہ اس پر کوئی بات اثر نہ کرتی تھی تازہ واقعہ نے حجاج بن یوسف پر ظاہر کر دیا کہ راجہ باتوں کی بجائے لاتوں سے سیدھا ہوگا۔ چنانچہ خواتین اسلام کو قید سے چھڑانے کے لئے باری باری لشکر بھیجے گئے مگر وہ ناکامیاب رہے۔ آخرکار ایران کے گورنر محمد ابن قاسم جس کی عمر اسوقت بعض مورخوں کے نزدیک چودہ برس کی اور بعض کی تحقیقات میں ۱۷ برس کی تھی۔ ہندوستان کی طرف بھیجا گیا۔ محمد ابن قاسم۔ حجاج بن یوسف کا داماد اور چچا زاد بھائی بھی تھا۔ دونوں ہی قبیلہ ثقیف کے نامور فرزند تھے ۱۲ ہزار غازی اس شیر اسلام کے ہمراہ کر دئے گئے مکران پہنچکر تین ہزار مکرانی بھی لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔ مختلف میدانوں میں فتح و نصرت کا پھریرا اڑاتا ہوا اور اپنی خوش کلامی اور خلق سے اسلام کا پیغام سنا سنا کر غیر مسلموں کو مسلمان بناتا ہوا محمد ابن قاسم دریائے سندھ کے ساحل پر پہنچ گیا۔ ادھر سے حجاج نے بھی بغداد سے جنگ کے نقشے طیار کر کے بھیج دئے اور ہدایت کر دی کہ ان نقشوں کے مطابق حملہ کرنا۔ دریائے سندھ پر بھی بہار کا عالم تھا اسکی لہریں نوجوانوں کی امنگوں کی طرح ابھر ابھر کر کنارہ تک پہنچ رہی تھیں۔ یہ ان فولاد میں ڈوبے ہوئے اور مست دیوؤں کے پیچھے رہتی تھیں۔ رتھوں کی قطاروں کی امداد کے لئے ہزارہا جانباز سپاہی کھڑے تھے۔ کوئی ۲۰ میل کے گھیرے میں لشکر ہی لشکر کھڑا تھا ایک ممتاز اور محفوظ مقام میں راجہ داہر جلوہ افروز تھے۔ ادھر یہ کیفیت تھی کہ سامنے دشمن تھا دریا تھا کمک کی امید نہ تھی وطن اتنی دور تھا کہ طائر خیال بھی وہاں تک

آسانی سے نہیں پہنچ سکتا تھا مختصر یہ کہ اس پرائے دیس میں مسافران عرب کا کوئی پرسان حال نہ تھا اور کل سندھ میں یہ چرچے ہو رہے تھے کہ یہ عرب جو اپنے قیدیوں کو چھڑانے آئے تھے یہیں مر کر مٹ جائیں گے اور کسی کو انکی حالت کا علم تک نہ ہو سکیگا محمد بن قاسم نے اپنی فوجوں کو آراستہ کیا اور کہا اے بھائیو موت سے زیادہ آسان چیز کوئی نہیں۔ ڈرو نہیں اللہ ہماری ضرور مدد کرے گا کچھ مسلمانوں نے کشتیوں کا پل طیار کیا۔ اور بعض اللہ کا نام لیکر دریا میں کود پڑے ؎

دل اب تو عشق کے دریا میں ڈالا

توکلت علی اللہ تعالیٰ

مورخ بیان کرتے ہیں کہ عربی شیروں نے دریا کو عبور کرنے میں غضب کی دلیری دکھائی۔ موجیں انہیں بار بار پیچھے دھکیلتی رہیں مگر ان کی کچھ پیش نہ گئی اور یہ دلیر کنارے پر پہنچ ہی گئے اور انہوں نے فی الفور اللہ اکبر کے نعرے بلند کرکے اپنے آپکو یکجا اور نیزے تان کر ہاتھیوں کے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ ہاتھیوں پر بھالیں برسنی شروع ہوگئیں۔ بپھرے ہوئے دیو گرج کے آگے بڑھے مگر غازیوں نے اپنے نیزے انکی سونڈوں میں اس طرح سے پیوست کر دئے کہ ہاتھیوں کو ایک قدم اٹھانا مشکل ہوگیا دیکھنے والے کہتے ہیں کہ ہاتھیوں اور غازیوں کی ریل پیل پر لطف تھی راجہ داہر کے اپنے لشکری بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ایک ایک مسلمان سد سکندری کا حکم رکھتا ہے۔ ہاتھیوں کی یہ ہمت نہیں کہ وہ ان کو لتاڑ سکیں۔ مسلمانوں کے نیزوں سے ہاتھیوں کی سونڈیں لہو لہان اور خونم خون ہوگئیں۔ ان کا نشہ ہرن ہوگیا۔ ہاتھیوں نے منہ موڑ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ راجہ داہر کے لشکر کی صفیں الٹ گئیں۔ فوجوں کا بھیڑ ہوگیا۔ عین اس افراتفری اور بھاگڑ کے عالم میں محمد ابن قاسم دشمنوں کی صفوں کو چیرتا ہوا راجہ داہر کے پاس پہنچ گیا اور للکار کر کہا کہ وہ میدان میں نکل کر اپنی شجاعت کا ثبوت دے۔ داہر ڈر گیا۔ محمد ابن قاسم نے اس گھمنڈی کے خود پر ایک ایسی تلوار لگائی جس نے اس کے سر کے کئی ٹکڑے کر دئے۔ راجہ داہر۔ اس کے وزیر کشن گر۔ اور دیول کے گورنر نے اپنی فوج میں یہ مشہور کر رکھا تھا کہ یہ لوگ بتوں کے توڑنے۔ بچوں۔ عورتوں اور ضعیفوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ مگر جب فتح نے محمد بن قاسم کے گھوڑے کی رکاب چومی اور سندھ کے مختلف شہروں پر غازیوں کا قبضہ ہوگیا مسلمانوں نے خلق محمدی کے وہ نمونے دکھائے کہ دشمنوں کے دل مسخر ہوگئے۔ اور وہ اپنے مندروں میں یہ دعائیں کرنے لگ گئے۔ اے ایشور ہماری سدھ نگری کا راج انہی کے سپرد کر دے۔ یہاں تک کہ جب ملتان کے بازاروں میں سے غازیان اسلام گذرے تو عورتوں نے ان پر پھول برسائے۔ محمد بن قاسم خود بھی اعلیٰ درجہ کا خلیق مدبر اور بردبار تھا۔ لیکن دارالخلافت سے بھی بار بار اس مضمون کے احکام موصول ہوتے رہے۔

"نماز پنجگانہ میں سستی نہ کرنا، نماز وقت پر اور باجماعت پڑھنا، کسی برے خیال کو دل میں جگہ نہ دینا اللہ تعالےٰ کے ذکر سے غافل نہ ہو جانا۔ فتوحات پر پھول نہ جانا یہی سمجھنا کہ یہ نعمت ہماری اپنی کوشش سے نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ نے اپنی عنایت سے مرحمت فرمائی ہے۔ بوڑھوں، عورتوں اور نہتوں پر وار نہ کرنا۔ فقط ہتھیار بند نوجوان دشمنوں

سے لڑنا۔ اور وہ بھی اس وقت تک جب تک وہ صلح کی درخواست نہ کریں۔ کسی کو امان بخشنے میں بخل سے کام نہ لینا۔ درختوں اور کھیتوں کی تباہی سے بچنا۔ عین جنگ کے وقت بھی انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا ہر حال میں اپنے پروردگار کی خوشنودی کو ملحوظ رکھنا کسی شہر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے قلعوں کو مضبوط کرنا۔ غریبوں ناتوانوں اور بیواؤں کی خبرگیری کرنا۔ کاشتکاروں۔ کاریگروں اور تاجروں کیساتھ خاص مہربانی سے پیش آنا۔ ہر ایک شخص کو اسلام کی دعوت دینا۔ اسکو بتانا کہ اسلام نے تمہاری حالت میں کیا تبدیلی پیدا کردی ہے جو اسلام قبول کرے۔ اس کو اپنا بھائی سمجھنا اور جو تمہاری دعوت کو ٹھکرادے اس پر بھی جبر نہ کرنا"

لشکریان اسلام نے ان ہدایات پر سختی سے عمل کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ گورنر دیول نے بصد خوشی اسلام قبول کیا اور ایک عالیشان مسجد تعمیر کی یعنی سندھ کے بتکدے میں خدا کا پہلا گھر ایک نومسلم نے بنایا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر محمد ابن قاسم نے اقلیم سندھ کے دوسرے حصہ میں یعنی برہمن نگر پر حلہ بول دیا سخت گھمسان لڑائی ہوئی۔ قلعہ بند نے تنگ ہو کر قلعہ کے سارے دروازے کھول دئیے مسلمان اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے قلعہ میں داخل ہوئے۔ محمد ابن قاسم نے ہندوؤں کی شکست خوردہ فوج کو مخاطب کر کے کہا:۔

اے بھائیو میں تم کو تکلیف میں ڈالنے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ میں تم کو امن و امان کی دولت سے مالا مال کرنے کے لئے آیا ہوں میں تمہارے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرونگا۔ میں تمہاری جائدادوں اور ریاستوں کو مطلق نہیں چھیڑونگا بلکہ میری کوشش یہی ہوگی کہ تمہارا مال تمہارے قبضے میں رہے اور اس کو کوئی تم سے چھین نہ سکے۔ ہندوؤں نے اس کے قدموں پر گر کر سجدہ کرنا چاہا۔ مگر اس نے کہا اے دلیرو یہ بات مناسب نہیں۔ ہم سب انسان ہیں۔ سجدہ کے لائق فقط خدا کی ذات ہے۔ اس کے سوا کسی کی ہستی پوجا کے لائق نہیں"

وزیر کشن سائر نے یہ کلمات سن کر کہا۔ اے نیکدل نوجوان کیا میرا قصور بھی معاف کیا جاسکتا ہے کہ میں نے تمہارا خوب جم کر مقابلہ کیا ہے اسپر محمد ابن قاسم نے کہا۔

اے غیرتمند وزیر تو مجرم نہیں بلکہ غیور شخص ہے تیری وفاداری اور ادائیگی فرض کا تقاضا یہی تھا کہ تو آخر وقت تک ہمارا مقابلہ کرتا تیری جوانمردی اور فرض شناسی ہر نوع تعریف کے قابل ہے" محمد ابن قاسم کے یہ الفاظ کام کر گئے اور کشن سائر حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

راجہ داہر پاکدامن بیوی آڑ میں بیٹھی یہ گفتگو سن رہی تھی اور دل ہی دل میں یہ کہہ رہی تھی کہ یہ حسن اور اخلاق کا پتلا نوجوان کیسی میٹھی اور رس بھری باتیں کر رہا ہے۔ آخرکار وہ بھی مسلمان ہوگئی۔ اور خدیجہ کے نام سے موسوم ہو کر محمد ابن قاسم کے نکاح میں آئی جیسے محمد بن قاسم رح کے مخدوم و آقا محمد بن عبداللہ نے عین عالم شباب میں خدیجہ جیسی ضعیفہ سے شادی کر کے اپنی انتہائی شرافت اور پاکبازی کا ثبوت دیا تھا ویسے ہی نوجوان محمد قاسم نے عمر رسیدہ خدیجہ کو اپنے نکاح میں قبول کر کے اپنی نیکی کی شان دکھائی ہے۔

(از جناب مولوی کریم الرضا خان صاحب ایم اے علیگ)

ہے زوالِ مہر اک تمہید ظلمت گستری
فطرتِ گردونِ گرداں ہے تغیر پروری

رفتنی ہے شوکتِ کسریٰ و شانِ قیصری
اک تغیر سے فقط قید حوادث سے بری

ہے کمال شئے مگر فی الاصل آغاز زوال
بدر بھی گھٹ گھٹ کے رہجاتا ہے گردوں پہ ہلال

ہے زوالِ ملتِ بیضا بھی عبرت کا سبق
فاتح خیبر کا وارث بیچتا ہے دین حق

ہم میں ہمدردی کی اب باقی نہیں کوئی رمق
منتشر شیرازۂ ملت کے ہیں سارے ورق

منبع افلاس و ذلت مورد رنج و الم!
کیا ہمارے ہی لئے قرآں میں ہے خیر الامم

مسلم ناداں کا شیوہ فرقہ آرائی ہے آج
دین کے پردوں میں یہ دنیا کا سودائی ہے آج

اس پہ ادبار و فلاکت کی گھٹا چھائی ہے آج
اک زمانہ اس کی قسمت کا تماشائی ہے آج

ناز تھا دنیا کو جس پر وہ ذلیل و خوار ہے
جو مسیحائے جہاں تھا آج وہ بیمار ہے

نصف دنیا کا جو حاکم تھا وہ خود محکوم ہے
جس نے بنیاد ستم ڈھائی تھی وہ مظلوم ہے

باعث تکوین عالم جو ترا معصوم ہے
کیا خدایا! یہ اسی کی امت مرحوم ہے

رحم کر مولا کہ رحم و عفو تیرا کام ہے
آج محصور مصائب مسلم ناکام ہے

رحمۃ للعٰلمین

(از جناب مولوی عبدالودود صاحب ورد)

جب گئے تبلیغ حق کیواسطے طائف میں آپ
اس سفر میں آپ کو پہنچا بہت رنج و تعب

اہل طائف نے سنا جب آپ کا پیغام حق!
در پئے آزار و ایذا ہو گئے وہ سب کے سب

عبد یالیل اس قبیلہ میں تھا اک مشہور شخص
اس کو کہنا چاہئے طائف کو گویا بو لہب

دو برادر اور بھی تھے اس کے مسعود و حبیب
پیش آئے تھے وہ گستاخی سے وہ تو بے ادب

دعوت اسلام و حق سن کر وہ یوں کہنے لگے
جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں کہیں مقبول رب

حق کو پیغمبر بنانا تھا تو اس کے واسطے
طائف و مکہ میں تھے کتنے ہی اعیان عرب

کیا نہیں ملتا خدا کو تم سے بہتر کوئی شخص!
اور سب کو چھوڑ کر تم کو کیا کیوں منتخب

ایسی باتیں کرکے وہ اسلام سے منکر ہوئے
مرتبہ کو آپ کے پہچانتے کیا بے ادب

دلشکن باتیں بھی کیں اور گالیاں دینے لگے
اور برپا کر دیا ہنگامۂ شور و شغب

بارش خشت و حجر حضرت پہ پھر کرنے لگے
ہو گیا مجروح جسم پاک زخموں کے سبب

بھر گئیں نعلین اقدس پنڈلیوں کے خون سے
صبر سے خاموش تھے پھر بھی شہ عالی نسب

شہر سے باہر بھی جاری تھا تعاقب تین میل
عقل اور انسانیت سے نابلد تھے سب کے سب

انکی یہ گستاخیاں برداشت کے قابل نہ تھیں
خالق ارض و سما کو آ گیا ان پر غضب

لوٹ دیجائے ابھی طائف کی ساری سرزمیں
اک فرشتے کے لئے صادر ہوا یہ حکم رب

ہاں مگر پہلے محمد سے بھی اس کو پوچھ لو!!
وہ اگر کہدے تو نازل ہو ابھی ان پر غضب

آبدیدہ ہو گئے اس حکم کے سننے سے آپ
اور فرشتے سے یہ فرمانے لگے فخر عرب

میں معافی ان کو دیتا ہوں کہ یہ بےعقل ہیں
ہیں یہ سب گستاخیاں انکی جہالت کے سبب

حکم خالق ماننے سے ان کو گو انکار ہے
ان کی اولادوں میں نکلیں کچھ مسلماں کیا عجب

گو کہ تکلیف و اذیت انسے پہنچی ہے مجھے
پر نہیں مجھ کو گوارا ان پہ نازل ہو غضب

اس لئے کہتے ہیں ان کو رحمۃ للعٰلمیں
اس لئے ہم مانتے ہیں ان کو فخر المرسلیں

تعلیم اسلام

(از جناب مولانا عبد الماجد بی اے)

جو شئے انسان کے بس سے باہر ہوتی ہے اُسکی بابت اسپر نہ کوئی الزام لگایا جا سکتا ہے، نہ کوئی تعریف کیجا سکتی ہے۔ اچھائی برائی کا تعلق صرف انہیں باتوں سے ہے جو اسکے اختیار و قدرت کے اندر ہیں؛ ایک شخص اگر امیر کے محل میں پیدا ہوا ہے اور دوسرا فقیر کے جھونپڑے میں تو اسمیں نہ پہلے کی فخر کی بات ہے نہ دوسرے کی شرم کی البتہ اگر ایک شخص محنت کا شوق رکھتا ہے اور دوسرا کام سے جی چراتا ہے تو ان دونوں پر اچھائی اور برائی کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔

جس شئے کو اصطلاح میں "تکلیف شرعی" کہتے ہیں: اسکی بنیاد انسان کی عقل و قوت ارادہ ہی پر ہے، جانوروں میں عقل موجود نہیں ہوتی؛ وہ محض اپنی ضرورتوں کو پورا کرنیکی شکل رکھتے ہیں اس لئے انپر عذاب و ثواب نہیں؛ ان کے لئے جنت و دوزخ نہیں ان کیلئے تزکیۂ نفس و خبث باطنی کی منزلیں نہیں۔ انسان عقل رکھتا ہے، مختلف چیزوں میں سے انتخاب کر سکتا ہے اپنی پسند و مرضی کی چیزیں چھانٹ سکتا ہے۔ اپنی مرضی کے خلاف چیزوں سے بچتا ہے؛ اسلئے وہ "مکلف" ہے اُسکے لئے عبادتیں ہیں اسکے لئے مذہب ہے اس کیلئے شریعت ہے اسکے لئے کتابیں ہیں اسکے لئے احکام ہیں اسکے لئے حرام و حلال ہے اسکیلئے درجۂ شہادت و درجۂ شقاوت ہے اسکیلئے عذاب و ثواب، دوزخ و جنت ہے۔

انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ یہی عقل و ارادہ اسکی اشرفیت کی بنیاد ہے اس نے اسکو روئے زمین پر آسمانی بادشاہت کا حقدار اور خلافت الٰہی کا وارث بنایا ہے۔ . . . .

. . . . اسی نے اس بڑی امانت کا امین و حامل بنا رکھا ہے جس کے قبول کرنے کی ہمت و صلاحیت نہ بڑے بڑے پہاڑوں میں نکلی نہ چوڑی چکلی زمین میں اور نہ اونچے آسمان میں؛ اگر یہ شئے لطیف انسان سے الگ کرلیجائے تو پھر انسان اور جانور میں کچھ بھی نہیں رہ جاتا۔ وطن انسان بھی رکھتے ہیں جانور بھی، نسل و خاندان انسانوں کا بھی ہوتا ہے جانوروں کا بھی؛ جلد کا کوئی خاص رنگ انسان اور حیوان دونوں رکھتے ہیں۔ اکٹھے ہو کر جماعتوں میں رہنا انسانوں کو بھی پسند ہے اور بہت سے جانوروں کو بھی جو شئے انسان کو تمام حیوانات سے امتیاز بخشتی ہے؛ جو شئے انسان میں ذمہ داری پیدا کئے ہوئے ہے۔ جو شئے انسان کی شرافت و فضیلت کی ضامن ہے؛ وہ اس کی عقل تمیز و قوتِ انتخاب و ارادہ ہے، اور بس۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ انسان اپنے ارادہ و انتخاب اپنی عقل و تمیز سے کام لے کر کسی شئے کو اختیار و قبول کر سکتا ہے؟ کیا اپنے وطن کو؟ ظاہر ہے کہ کسی خاص ملک یا مقام میں پیدا ہو جانا اسکے بس کی چیز نہیں، کیا اپنے خاندان و نسب کو؟ ظاہر ہے کہ کسی خاص نسل یا خاندان میں پیدا ہو جانا بھی اسکے اختیار سے باہر ہے؛ کیا اپنی صورت کو؟ کیا اپنی جلد کو رنگ کو؟ کیا اپنی قومیت کو؟ ظاہر ہے کہ اس قسم کی کوئی شئے بھی اسکے اختیار میں نہیں؛ دنیا کی اہم چیزوں میں سے تنہا جو شئے اسکے ارادہ، اختیار، انتخاب و تمیز کے حدود کے اندر ہے، وہ اسکا عقیدہ ہے، عقیدہ ہی

کے انتخاب میں اسے پوری آزادی حاصل ہے۔ عقیدہ ہی کی ساری ذمہ داری اسپر ہے عقیدہ ہی چن کر اور چھانٹ کر وہ جس سے چاہے اپنا توڑا اور جس سے چاہے اپنا رشتہ جوڑ سکتا ہے۔

تمام انسان ایک دوسرے کے ساتھ میل جول رکھنے کی خواہش رکھتے ہیں، ساری دنیا ایک برادری بنجانا چاہتی ہے۔ بڑے بڑے حکیم اور دانشمند اسی گرہ کے سلجھانے میں لگے ہوئے ہیں کوئی اس اتحاد کی بنیاد ہمقومی پر رکھتا ہے کوئی ہم نسلی پر کوئی ہموطنی پر، کوئی ہمزبانی پر اور کوئی ہمرنگی پر، لیکن ذرا غور کرنے سے یہ کھل جاتا ہے کہ یہ ساری بنیادیں کمزور اور کھوکھلی ہیں۔ مضبوط اور پختہ بنیاد اگر ہوسکتی ہے۔ تو وہ محض ہمخیالی اور ہم عقیدگی کی ہوسکتی ہے عقیدہ وہ شئے ہے جو انسان خوب سوچ سمجھکر اپنی پوری ذمہ داری محسوس کر کے اختیار کرسکتا ہے۔ اور اسی کی بنا پر وہ دشمنیاں اور دوستیاں، مخالفتیں، اور موافقتیں، رنجشیں اور خوشیاں قایم کرنے کا حق رکھتا ہے اس کے سوا اور کسی بنیاد پر ان تعلقات کو قایم کرنا فطرت بشری کیساتھ ناانصافی کرتا ہے۔

اسلام جو دین فطرت کا دوسرا نام ہے اس نے انسان کی اسی فطرت کا لحاظ کر کے انسانی تعلقات کے دائرے کا مرکز اسکے وطن، نسب، قوم، نسل، رنگ و زبان کو نہیں رکھا کہ یہ سب چیزیں اسکے لئے غیر اختیاری ہیں بلکہ اس کے عقیدہ کو رکھا کہ اسی پر انسانی ذمہ داری کا دار و مدار ہے۔ اور صاف کہدیا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یہ نہیں کہا کہ کل اہل عرب بھائی بھائی ہیں یہ بھی نہیں کہا کہ سب عربی زبان بولنے والے ایک ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا کہ کل بنی اسرائیل، بنی اسمٰعیل، بنی ہاشم، بنی فاطمہ، ایک ہیں، بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ عقیدہ رکھنے والے خدا اور رسول پر ایمان لانے والے قرآن کو کامل ہدایت نامہ سمجھنے والے فطرت کی سیدھی راہ پر چلنے والے سب ایک رشتہ میں منسلک، سب ایک ہی دھاگہ میں پروئے ہوئے موتی سب ایک ہی ہار میں گندھے ہوئے پھول سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اچھے خاندان اور اچھی نسل کے ہونے پر کُتے بلی فخر کرسکتے ہیں، اچھا وطن بہت سے جانوروں کیلئے باعث امتیاز ہوسکتا ہے۔ جلد اور کھال کی چمک و رنگ بہت سی ادنےٰ مخلوقات کے فخر و شرف کا سبب بن سکتی ہے لیکن انسان کا درجہ ان سب سے اشرف و افضل ہے۔ اس کیلئے یہ باعث ننگ و موجب عار تھا کہ وہ اپنے فضل و شرف کی بنیاد کسی ایسی شئے کو قرار دے جسکا تعلق انسانیت کے بجائے حیوانیت سے ہو۔ پس مسلم جو اپنے تئیں پہلے بھی مسلمان کہتا ہے اور بعد کو بھی مسلمان کہے جاتا ہے ایک اہم اور گہری حقیقت کا اظہار کرتا ہے۔ اس سے یہ فرمائش کرنا کہ وہ اپنے تئیں پہلے ہندوستانی یا چینی جاپانی یا ایرانی کہے اور بعد کو مسلمان اسے معنویت و حقیقت کی بلندی سے اتار کر ظاہریت و خارجیت کی پستی میں لے آنے کی خواہش کرنا ہے اسلام کی سب سے زیادہ وسیع اور جامع نسبت کو چھوڑ کر کسی محدود و تنگ نسبت کو اختیار کرنا افسوسناک سطح بینی و کوتہ نظری ہے۔ ترک جو آج ترقی و فلاح کو اپنے اسلام کے بجائے اپنی قومیت اور وطنیت سے وابستہ سمجھ رہے ہیں کل پچھتائینگے کہ کتنی گرانقدر شئے کو کتنے ہلکے داموں فروخت کر ڈالا۔

مسئلہ کی تشریح اسی عالم ناسوت، اسی کائنات آب و گل سے متعلق تھی لیکن اگر یہ بھی پیش نظر رہے کہ انسان محض اعضائے جسمانی کے مجموعہ اور بعض قوائے مادی کی ترتیب کا نام نہیں بلکہ اسکا تعلق روح اور روحانیت سے بھی ہے اور اسکیلئے عالم روحانیت سے بھی رشتہ جوڑ رکھنا لازمی ہے تو محض مذہبی و نسلی انتساب کا ناکافی ہونا اور ایمان و عقیدہ کی اہمیت بالکل ظاہر و نمایاں ہو جاتی ہے۔

سیرت فاروقی رض

مسجد نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے صحن میں فرش خاک پر ایک شخص لیٹا ہوا ہے۔ چہرے سے محنت اور تکان کے آثار نمایاں ہیں۔ کرتے میں بارہ پیوند لگے ہیں۔ عمامہ نہایت بوسیدہ ہے۔ لیٹے لیٹے دفعتہً اٹھ بیٹھتا ہے۔ بیکس اور بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرتا پھرتا ہے۔ بازار سے سودے لا لا کر دیتا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہی شخص اسی مسجد میں انتہائی وقار سے بیٹھ جاتا ہے۔ صحابۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گرد و پیش جمع ہو جاتے ہیں اور مختلف قسم کے معاملات پیش ہوتے ہیں۔ وہ صدر نشین ان سے مختلف معاملوں میں رائے لیتا ہے خود بھی مشورے پیش کرتا ہے اور اکثر اسی کی رائیں صائب ہوتی ہیں۔ صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اسکی باتوں پر آمنّا وصدقنا کہتے ہیں۔ سنو، سنو، وہ روم و شام کے مجاہدین کی فوجوں کے نام احکام بھیج رہا ہے کہ اس طرح سے جنگ کرو سامنے قیصر و کسریٰ کے سفیر زرق برق لباس پہنے کھڑے ہیں۔ اور اس خاک نشین بے تاج بادشاہ کے جلال سے کانپ رہے ہیں۔ وہ شخص اسلام کے سپہ سالار اعظم خالد کے نام معزولی کا حکم صادر کر دیتا ہے اور اس کی بلا چون و چرا تعمیل ہو جاتی ہے۔ امیر معاویہ سے جواب طلب کرتا ہے۔ سعد وقاص ابو موسیٰ اشعری عمرو بن العاص کے نام ہدایت نامہ بھیجتا ہے۔ تم یہی سمجھتے ہو کہ یہ کون ہے یہی خلیفۂ ثانی فاروق اعظم ہے۔ ایک دن مسجد نبوی میں صحابۂ کرام کا مجمع تھا۔ حضرت عمر منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا حضرات! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو آپ لوگ کیا کرینگے؟ یہ سنکر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور تلوار کو نیام سے نکالکر بولا کہ ہم تیرا سر اڑا دیں گے۔ حضرت فاروق نے اسے غصہ سے ڈانٹ کر کہا کیا تو یہ لفظ میری شان میں کہتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں ہاں تمہیں کہتا ہوں۔ حضرت عمر نے بشاش چہرے سے فرمایا الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ ہیں کج ہونگا تو مجھے سیدھا کر ینگے۔

ایک شخص حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کی اجازت دیجیے۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا کہ غلام نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے۔ آپ نے کہا کہ اسکا ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ اس لئے کہ وہ چیز بھی تمہاری تھی اور غلام بھی تمہارا تھا۔

ایک شخص نے بیت المال سے کچھ چرایا۔ چور کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ نے سزا نہیں دی اور چھوڑ دیا کسی نے دریافت کیا تو فرمایا کہ بیت المال میں اس کا بھی کچھ حق تھا۔ اگر چور کا کوئی حق مال مسروقہ میں نہ ہو تب وہ چوری سمجھی جائیگی۔

سرداران قریش میں سے چند اشخاص حضرت فاروق اعظم کی ملاقات کو آئے اتفاق سے اُسی وقت صہیبؓ و بلالؓ و عمارؓ بھی

ملاقات کے لئے آئے یہ لوگ آزاد شدہ غلام تھے لیکن حضرت عمرؓ نے پہلے انہیں لوگوں کو حاضر ہونے کی اجازت دی اور اس کے بعد سرداران قریش کو۔

سردارانِ قریش جب کہ باہر اجازت کے منتظر بیٹھے تھے تو ان میں سے اکثر کو شاق گذرا۔ ابو سفیان جو زمانہ جاہلیت میں سردار قوم تھے بولے خدا کی قدرت ہے کہ غلاموں کو تو باریابی کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر رکھے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ بھائیو یہ سچ ہے لیکن ہم کو عمر کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہئے اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا لیکن جو لوگ اپنی شامت اعمال سے پیچھے پہنچے وہ پیچھے رہ گئے اور جو پہلے آئے وہ آگے رہے خواہ وہ غلام ہوں یا آقا اسلام دونوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہے

حضرت عمر ایام شباب میں اپنے والد خطاب کے حکم سے میدان ضجنان میں اونٹ چرایا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ خطاب آپ کے ساتھ نہایت درشتی سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ جب یہ تھک کر دم لیا کرتے تھے تو انہیں سزا ملتی تھی خلافت کے زمانہ میں ایک روز حضرت کا گذر اس طرف سے ہوا جہاں آپ اونٹ چرایا کرتے تھے عربی زبان میں بے ساختہ آپ کی زبان مبارک سے نکلا اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں یہاں نمدے کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور جب تھک کر بیٹھ جاتا تو والد کے ہاتھ سے سزا پاتا اور آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر کوئی حاکم نہیں۔

جب یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید حریر و دیبا کا پُر تکلف لباس پہنے ہوئے حضرت عمر کے سامنے آئے تو ظاہری شان و شوکت اور زرق و برق لباس سے بالکل ایرانی معلوم ہوتے تھے عربی سادگی کا شمہ باقی نہ تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر کو جوش آگیا گھوڑے پر سے اترے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے کہ تم نے بہت جلد عجمی عادتیں اختیار کر لیں ان لوگوں نے کہا کہ ان قباؤں کے نیچے ہتھیار رکھے ہیں یعنی ہم نے سپہ گری کے فن کو نہیں کھویا۔ یہ سنکر فاروق اعظم رضی اللہ نے فرمایا تو خیر کچھ مضائقہ نہیں۔

ایک شخص نے حضرت عمر سے دریافت کیا کہ سفر دریا میں قصر ہے یا نہیں؟ غرض یہ تھی کہ بحری سفر شرعاً سفر ہے یا نہیں۔ فاروق اعظم نے فرمایا کیوں نہیں خداوند کریم خود فرماتا ہے ھو الذی یسیرکم فی البر والبحر (یعنی خدا وہ ہے جو تم کو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے)

حضرت عمر فاروقؓ کے جاہ و جلال سے کون ناواقف ہے باایںہمہ ایک شخص نے ایک روز انسے بار بار کہا اتق اللہ یا عمرؓ (اے عمر خدا سے ڈر) حاضرین میں سے ایک شخص نے اسے روکا اور کہا کہ بس خاموش۔ حضرت عمر نے فرمایا کہنے دو، اگر یہ لوگ نہ کہیں تو بیکار، اور ہم نہ مانیں تو ہم بے مصرف۔

جب حضرت عمر کا آخری وقت آیا تو آپ نے فرزند عبد اللہ کو بلا کر دریافت کیا مجھ پر کس قدر قرض ہے۔ جواب ملا ۸۶ ہزار درہم ارشاد ہوا کہ یہ قرض بیت المال سے نہ ادا کیا جائے بلکہ میرے ترکہ سے، اور اگر اس سے کام نہ چلے تو خاندان عدی سے درخواست کرنا۔ اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو پھر کل قریش سے لیکن قریش کے علاوہ اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔ آخر کار یہ قرضہ انکے

مکان کو فروخت کرکے ادا کیا گیا۔ یہ حالت تھی اس شخص کی جو فاتح روم و عجم تھا جس کے نام سے خود سر بادشاہ لرزہ براندام تھے۔

ایرانی فتوحات کے سلسلہ میں جب مجاہدین اسلام نہاوند تک جا پہونچے تو وہاں کے آتش کدہ کا پوجاری حاضر ہوا اور سپہ سالار اسلام کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے امن دیا جائے تو میں ایک قیمتی خزانہ کا پتہ بتاؤں گا۔ چنانچہ خسرو پرویز کے نہایت بیش بہا جواہرات لاکر پیش کئے جن کو کسریٰ نے آڑے وقت کیلئے محفوظ رکھا تھا۔ سپہ سالار اعظم نے یہ جواہرات اور دیگر مال غنیمت سپاہ میں تقسیم کیا اور حسب قاعدہ پانچواں حصہ مدینہ روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ جواہرات دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور کہا کہ ان کو فروخت کردو۔ چنانچہ یہ جواہرات چار کروڑ درہم کو فروخت ہوئے اور یہ تمام روپیہ فوج میں تقسیم کردیا گیا

ایکمرتبہ ایک بدوی حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چند اشعار پڑھے جنکا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

اے عمرؓ! لطف اگر ہے تو جنت کا لطف ہے۔ میری لڑکیوں اور ان کی ماں کو کپڑے پہنا۔ اور کہا خدا کی قسم تجھے یہ ضرور کرنا ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اگر میں تیرا کہا نہ مانوں تو، بدوی نے اور اشعار پڑھے جنکا مطلب یہ تھا کہ قیامت میں تجھ سے سوال ہوگا اور تو حیران رہجائیگا۔ اور پھر یا دوزخ یا بہشت کی طرف جانا ہوگا۔

یہ سنکر فاروق اعظمؓ اس قدر روئے کہ آپکی ریش مبارک تر ہوگئی۔ پھر اپنا کرتہ اسے دیدیا کیونکہ اس وقت اور کوئی کپڑا آپکے پاس موجود نہ تھا۔

ایک شخص دعا مانگ رہا تھا کہ الہی مجھے فتنوں سے بچا، حضرت عمرؓ نے یہ سنکر فرمایا کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالے تمہیں اولاد نہ دے وہ شخص حیران ہوگیا تو آپ نے فرمایا قرآن کریم میں خدا تعالے نے مال و اولاد کو فتنہ کہا ہے۔

ایکبار ایک عامل حضرت عمرؓ کے دربار میں حاضر ہوا مگر اس شان سے کہ جسم پر لباس فاخرہ تھا اور سر میں خوشبودار تیل۔ حضرت عمرؓ نے اسکا یہ لباس اتروا کر معمولی لباس پہنادیا۔ جب وہ شخص دوبارہ ملنے کے لئے آیا اس حال میں کہ بوسیدہ و غلیظ کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ یہ دیکھ کر فاروق اعظمؓ نے فرمایا میرا مقصد یہ نہ تھا جو تم نے کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو معقول حالت اختیار کرنی چاہئے نہ تو آرائش و تکلف کی ضرورت ہے نہ شکستہ حالی کی۔

ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ اپنے فرزند عبداللہ کو اپنا جانشین اور خلیفہ نہ بنائیں گے یہ سنکر آپ بگڑ گئے اور کہا خدا تجھے غارت کرے میں نے کبھی خدا سے اپنے بیٹے کے خلیفہ ہونے کی دعا نہیں کی۔ بھلا میں ایسے آدمی کو خلیفہ بنا سکتا ہوں۔ جسکو اتنی جرأت بھی نہ ہو کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔

فاروق اعظمؓ نے حکم دیا کہ تمام انصار اور قریش کا دفتر تیار کیا جائے جسمیں ہر شخص کا نام و نسب درج ہو۔ یہ جب تیار ہوا تو اسمیں اول بنی ہاشم پھر خاندان ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ کے قبیلہ کا نام ترتیب خلافت و حکومت کے لحاظ سے تھا لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ درست نہیں پہلے حضرت رسول اکرم صلعم کی قرابت داری سے شروع کرو اور درجہ بدرجہ چلو اس ترتیب سے حضرت عمرؓ کا نام و نسب اخیر میں آیا یعنی انکے خاندان والوں کا وظیفہ کم رہا۔

فاروق اعظمؓ شام سے واپس آرہے تھے انہوں نے دیکھا کہ چند آدمی دھوپ میں کھڑے ہیں اور انکے سر پر تیل ڈالا جارہا ہے یہ لوگ عیسائی تھے اور انہوں نے جزیہ ادا نہیں کیا تھا۔ حضرت نے ان سے دریافت کیا کہ بھائی جزیہ کیوں نہیں ادا کیا؟ انہوں نے کہا کہ ہم نادار ہیں۔ ہمارے پاس کچھ نہیں آپ نے عاملوں سے فرمایا کہ انہیں چھوڑ دو ان کو تکلیف نہ دو۔ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب پہنچاتے ہیں خدا تعالےٰ قیامت میں ان کو عذاب پہنچائیگا۔

جب مجاہدین اسلام نے اسکندریہ کو فتح کیا تو اس فتح کی خبر لیکر معاویہ بن خدیج مدینہ روانہ ہوئے اور دو منزل سہ منزل کرتے ہوئے مدینہ جا پہونچے۔ کیونکہ عمر فاروق یہاں کی خبروں کے لئے بہت بیتاب تھے۔ یہ دوپہر کو منزل پر جا پہونچے مگر اس خیال سے کہ آرام کا وقت ہے خلیفہ کے پاس نہ گئے۔ بلکہ مسجد نبوی میں چلے گئے اتفاق سے حضرت عمرؓ کی لونڈی آنکلی مسافر سے استفسار کیا کہ اس نے کہا کہ اسکندریہ سے آیا ہوں۔ اس نے خلیفہ کو اطلاع کی مگر وہ الٹے پاؤں چلی کہ خلیفہ تمہیں بلاتے ہیں۔ بلکہ وہاں بیتابی کا یہ عالم تھا کہ خود چل کھڑے ہوئے تھے کہ معاویہ جا پہنچے اور فتح کی خبر سنکر سجدۂ شکر میں زمین بوس ہوئے۔

جب فاروق اعظم کے ہاتھ پر سب اہل اسلام نے بیعت کی آپ نے ممبر کی تیسری سیڑھی پر بیٹھکر سب حاضرین کو مخاطب کرکے کہا۔ کہ میں کسی ذاتی غرض کے واسطے خلیفہ نہیں ہوا ہوں بلکہ حضرت ابوبکرؓ کے حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور ہوا ہوں۔ کوشش کرونگا کہ یتیموں کی خبر گیری کیجائے بیواؤں کا خیال رکھا جائے۔ مظلوموں کی دادرسی ہو اگر کوئی امر خلاف حکم خدا و رسول مجھ سے سرزد ہو جائے تو تم کو بے دھڑک مجھے اس سے متنبہ کر دینا چاہیئے اور جو نہ بتاؤگے تو تم ذمہ دار ہوگے۔ آپ نے جناب باری میں دعا کی کہ میرے مولا میں کسی لائق نہیں ہوں تو مجھے اپنی فرمانبرداری کی توفیق عطا کر۔ خلق خدا کی تعظیم کرنے کی قوت بخش! مہاجر و انصار و بیواؤں و یتیموں، بچوں کی دستگیری اور خبر گیری کی طاقت عطا کر۔ زمانۂ خلافت میں پہلا کام جو آپنے کیا وہ یہ تھا کہ خالد سیف اللہ کو معزول کرکے ابو عبیدہ بن جراح کو فوج اسلامیہ کا سپہ سالار بنایا۔ کیونکہ خالد تیز طبع تھے۔ اور ابو عبیدہ حلیم الطبع اور سلیم المزاج تھے نیز خالد سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ امور خلافت کیطرف توجہ مبذول فرماکر ان بدنظمیوں کو جو مدت سے پھیلی ہوئی تھیں یکے بعد دیگرے دور کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کی ان عظیم الشان اور کثیر التعداد فتوحات کو دیکھکر آپکا نام انگریز مورخ بھی عزت کیساتھ لیتے ہیں اور آپکو فاتح اکبر حامی اسلام اور اسی قسم کے دیگر القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ اسلام کا شیدائی نور اسلام کا مجسم نمونہ کا رآمدن یہی خیال تھا کہ اسلام کا سیلاب تمام دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ جائے جب یہ خبر پاتا ہے مہران بن بازان بڑے جوش و خروش سے ایک لاکھ کی جمعیت کیساتھ اسلام کے مقابلہ کیلئے ایران سے بڑھا ہے تو اسکو روکنے کیلئے مثنیٰ کو قلیل فوج کیساتھ روانہ کرتا ہے اور اس شجاع کی جوانمردی سے اہل اسلام کو کامل فتح ہوتی ہے اسکے بعد جب فلسطین کے قریب جب ۸ ہزار یونانی مقابلہ پر اڑے کھڑے تھے حضرت فاروق کے حکم سے حضرت ابو عبیدہ انکو شکست دیکر خالد و شرجیل کیساتھ حمص پر شاہ ہرقل کی سرکوبی کیلئے بڑھے۔ دمشق پر ہرقل نے اپنے بھائی کو مقابلہ کیلئے بھیجا لیکن خالد سیف اللہ کی تلوار کا لوہا مانے ہوئے تھا الٹے پاؤں بھاگ گیا۔ آخر بعلبک کو فتح کرکے حمص کا محاصرہ کیا گیا مگر صلح پر جنگ کا خاتمہ ہوا اور ہرقل انطاکیہ کو فرار ہوگیا۔ اس جنگ میں قنسرین حلب و قیساریہ پر مسلمان قابض ہوئے پھر رفتہ رفتہ مسلمانوں نے ملک شام فرات سے لیکر سمندر کے کنارہ تک مسخر کر لیا اور ہرقل قسطنطنیہ بھاگ گیا مسلمانوں نے یروشلم کا محاصرہ کیا اور صلح کے بعد اسے بھی مسخر کرکے حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کی زیارت کی۔

بصائر وعبر

فسانۂ اندلس

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیس
عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

(۱)

اے خدا کے پرستارو دین حق پر مرنے والو احکام شرعی پر چلنے والو۔ اے شمع ایمان پر قربان ہونے والے پروانو تمہیں نہیں معلوم کہ کفار تمہارے دور افتادہ بھائیوں پر کیا کیا ظلم ڈھا رہے ہیں اس پاک سرزمین پر جہاں خلفائے راشدین کے عہد سے اسلام کا پرچم لہرا رہا ہے جسے اسلام نے اپنی سادہ تعلیم کا گہوارہ بنا رکھا ہے جہاں علم و ہنر تہذیب و تمدن کا درس ہو رہا ہے۔ جس کا چپہ چپہ توحید کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔ وہی اب دشمنان اسلام کے ظلم کا تختۂ مشق بنی ہوئی ہے۔ کفار معصوم بچوں کو تلوار کے گھاٹ اتار رہے ہیں۔ شریف بیبیوں کی عصمت دری کر رہے ہیں۔ اور محمدی پروانوں کو زہر آلود تلوار سے ابدی نیند سلا رہے ہیں کیا کوئی ہے جو انہیں غنیم کے پنجۂ استبداد سے چھڑائے۔ کوئی ہے جو ظالموں کو ان کے ظلم کا مزہ چکھائے۔ کوئی ہے جو اپنی خون آشام تلوار سے ان کو کیفر کردار تک پہنچائے۔ کیا تم میں کوئی نہیں جس کے جسم میں روح اور روح میں تڑپ ہو۔ کیا تم میں کوئی نہیں جس کے پہلو میں دل اور دل میں درد ہو۔ یاد رکھو زیردستوں کی مدد کرنا تمہارا فرض عین ہے۔ اگر تم ان مظلوموں کی آواز نہیں سنو گے ان غریبوں کی پرواہ نہیں کرو گے ان کمزوروں کی پرواہ نہیں کرو گے تو آخرت کے دن تم جواب دہ ہو گے۔

خلیفۂ ولید کی اس مختصر مگر مؤثر تقریر کا سامعین پر عجب اثر ہوا۔ ہزاروں تلواریں میانوں سے باہر نکل آئیں۔ ہزاروں نیزے ہوا میں ہلنے لگے۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی نیزوں اور شمشیروں کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ولید نے اطمینان کا سانس لیا اور طبیعت میں ایک جوش مسرت کا پہلو لئے ہوئے موجزن ہوا۔ اور آنکھوں میں سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے رخصت ہوا۔

(۲)

ہاں اے فرزندان توحید۔ اے دین برحق کے محافظو۔ یہی ہے وہ زمین جس پر تمہارے بے کس بھائی تہ تیغ کئے گئے ہیں یہی ہے وہ آسمان جس کے تلے معصوم بچے اور باعصمت خواتین موت کا شکار بنائی گئیں۔ اب تم خود اپنے عزیزوں سے دور ہو۔ تمہارے دشمن جانوروں سے بدتر۔ تمہارے عدو وحشیوں سے بڑھ کر ہیں۔ اگر دل توڑ دو گے ڈھیلے پڑ جاؤ گے

ایمان کو رخصت کرو گے تو تمہارا مجمع پریشان اور تمہارا گلشن بیابان میں تبدیل ہو جائیگا۔ کچھ پرواہ نہیں۔ صداقت کی حمایت میں حق کی حفاظت میں گردنیں کٹا دو۔ خون بہا دو مگر اپنی آن بچالو جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو جس کی رگوں میں خون حمیت نہ ہو۔ جوش غیرت نہ ہو بے عزتی سے حذر نہ ہو جسے آزادی سے نفرت ہو جائے وہ اب بھی چلا جائے یہاں ایسے شخص کی ضرورت نہیں؛

موسےٰ بن نصیر کے ان الفاظ نے فوج کے دلوں کو اور زیادہ قوی کر دیا۔ ناموران اسلام کو پرجوش بنا دیا۔ موسےٰ بن نصیر سپاہگری میں ہی طاق نہ تھا۔ بلکہ خدا نے اسے ہر قسم کی دولت سے مالا مال کر رکھا تھا۔ بوڑھا تھا مگر ہمت استقلال اور جوانمردی میں نوجوانوں سے بھی سبقت لے گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ ولید نے اس شجاعت کے پتلے کو افریقہ کی گورنری سے سرفراز کیا؛

(۳)

مسلمانوں کی شان اس میں تھی۔ ایمان اسی میں تھا کہ جس ملک کو فتح کرتے جس بادشاہ کو قید کرتے۔ جس شہر کو قبضہ کرتے وہاں کے لوگوں کے ساتھ محبت سے پیش آتے۔ انسانوں کا سا برتاؤ کرتے۔ انصاف کی مثال پیش کرتے۔ ملک کو تباہی سے بچاتے۔ بچوں بوڑھوں اور صنف نازک کی حمایت کرتے۔ موسےٰ جہاں جاتا۔ جدہر جاتا فتح اس کے قدم چومتی افریقہ میں امن قایم کیا۔ ظالموں اور غداروں کو کافی سزائیں دیں۔ ملک کو جور اچکوں سے پاک کر دیا۔ جگہ جگہ بڑے بڑے ظالموں کو مقہور کیا جو وحدانیت کی سادہ مگر سچی تعلیم دیتے نور کی روشنی سے کفار کے باطن منور کرتے۔ اسلام اس زمانہ میں اس سرعت سے پھیلتا تھا کہ سننے والے حیران رہ جاتے۔ کفار ہزاروں کی تعداد میں جوق درجوق اسلام کے سائے میں پناہ لیتے۔ موسیٰ بن نصیر نے جس خوبی سے حکومت کی جس عمدگی سے امن قایم کیا جس دلیری، ہمت اور بہادری سے غنیم کا مقابلہ کیا۔ اس کو سب سراہا دمشق میں خبر پہنچی تو گھر گھر گھی کے چراغ جلائے گئے خلیفہ سے لے کر غریب سے غریب مسلمان کو بھی اسکی خوشی ہوئی موسےٰ کی خوشی کا کیا ٹھکانا تھا۔ بار بار سجدہ میں گرا جی کھول کر خیرات کی اور تمام غلاموں کو آزاد کر دیا۔ ان غلاموں میں قابل ذکر طارق تھا جس کے نام کو جبل طارق (جسے انگریزی داں جبرالٹر کہتے ہیں) ہمیشہ زندہ رکھیگی۔ موسیٰ کو طارق بہت عزیز تھا اسے اپنی اولاد کی طرح پالا اور اُسکی بہترین طریقے سے تربیت کی طارق اپنے نیک دل آقا کی بدولت تعلیم اور جنگ کے قواعد سے خوب واقف ہو گیا تھا اور شجاعت اور دلیری میں اپنے زمانے میں بہتوں سے بڑھ کر تھا۔ موسےٰ نے حقیقت میں وہ کام کیا جسے اچھے اچھے قابل اور جری سپہ سالار مہینوں کیا برسوں نہ کر سکتے۔ مگر وہ زبردست کام جسنے اس کے نام پر چار چاند لگا دئے ابھی باقی تھا

(۴)

طارق تم نے سن لیا کاؤنٹ جولین نے ہمیں دعوت دی ہے کہ شاہ اسپین روڈرک کو اس کی بددیانتی کی سزا دیجائے

کیونکہ اس نے جولین کی دختر کو منزلِ عصمت سے گرا دیا ہے۔ اس کی التجا کو ٹھکرا دینا شرافت سے بعید ہے۔ موسیٰ یہ کام تمہارے ذمہ ہے۔ جاؤ اور ان وحشی بد اخلاق اور جاہلوں کو بتاؤ کہ حق کی راہ میں جانیں کس طرح قربان کرتے ہیں مظلوموں کو ظالموں سے کس طرح رہائی دلاتے ہیں۔ دشمنوں کی لاتعداد فوج دیکھ کر گھبرا نہ جانا کیا ہوا اگر تمہاری فوج ناکافی ہے۔ خیال رکھو خدا تمہارے ساتھ ہے تمہیں تجربے نے سکھا دیا ہوگا کہ ہماری مٹھی بھر فوج نے غنیم کے ٹڈی دل لشکر کو ہمیشہ شکست فاش دی۔ ہمت نہ ہارو۔ نعرۂ تکبیر کو اندلس کی وادیوں میں گونجا دو۔ جاؤ دیر نہ کرو خدا حافظ

(۵)

انسان کتنا ہی ہوشیار اور کتنا ہی ذی فہم ہو مگر جوشِ رقابت اپنا وار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ طارق جنوب کی طرف سے قریب نصف کے سپین فتح کر چکا تھا۔ موسیٰ کو اطلاع ملی تو بہت گھبرایا کہ ہیں فاتح سپین کا سہرہ طارق کے سر پہ کیسے ہو سکتا ہے فوراً چیدہ چیدہ اور جری سپاہ لیکر راہیٔ اندلس ہوا اور شمال مشرق کی جانب سے ملک فتح کرتا ہوا طارق کے قریب جا پہنچا۔ راہ میں طارق سے ملاقات ہوئی اسے سخت و سُست کہا وہ کافی دیر تک آپس میں جھگڑتے رہے رفتہ رفتہ یہ خبر خلیفہ کے کانوں تک بھی پہونچی موسیٰ اور طارق کو واپسی کے احکام بھیج دئے یہ وہ وقت تھا جبکہ موسیٰ نے تمام یورپ کو فتح کرنے کا عزم بالجزم کر لیا تھا۔ خلیفہ کے پے در پے احکام نے موسیٰ اور طارق کو واپس آنے پر مجبور کر دیا مگر پیشتر اس کے کہ وہ دربار میں پہنچتے خلیفہ ولید نے اس دارِ فانی سے کوچ کر دیا۔ ولید کی وفات کے بعد سلیمان تخت نشین ہوا۔ گدی سنبھالتے ہی موسیٰ اور طارق کی قسمتوں کا فیصلہ کر دیا۔ ان کی جاگیریں ان سے چھین لی گئیں۔ انکی جائدادیں ان سے ضبط کر لی گئیں اور انہیں کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا۔

اے بے وفا دنیا تجھے کون کون روئے۔ تیرے مکر و فریب سے کون کون نہیں پچھاڑا ہے۔ او ظالم چرخ تیرے ظلم و ستم کے دکھڑے کوئی کسے سنائے۔ تو نے ہنستوں کو رلایا۔ تڑپایا تڑپایا آخر تڑپا تڑپا کر چاہِ تاریک میں دھکیل دیا۔

(۶)

آہ طارق! پیارے طارق تو کہاں ہے کدھر ہے مجھے جلد مل۔ میرے دل کے ارمان نکال۔ مجھے معاف کر۔ میں قصوروار ہوں۔ افسوس آج دو دن ہو گئے منہ میں کھیل تک اڑ کر نہیں گئی۔ شب سے صبح اور صبح سے شام ہونے آئی مگر طارق کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔

اے موت ٹھہر! اے فرشتۂ اجل صبر کر! مجھے جینے کی تمنا نہیں اگر حسرت ہے تو طارق سے ملنے کی۔ اگر خواہش ہے تو اس سے معافی مانگنے کی۔ اے جنگل کے درختو! درختوں کے پتو! اے خوشنما پھولو! بتاؤ بتاؤ طارق کہاں ہے۔ اے سورج کی کرنو! میرے طارق کو تلاش کرو۔ او دغاباز آفتاب میری رفاقت سے کیوں منہ موڑتا ہے تجھے میرا کچھ بھی پاس نہیں کچھ بھی خیال نہیں۔ جا جا تو خونی تیرا جسم خونی مجھے تیری ضرورت نہیں۔ طارق جلد آ موسیٰ تیرے انتظار میں سرگرداں ہے۔

موت کی گھڑیاں گن رہا ہے۔

(۷)

اے موسیٰ اے میرے آقا میں گنہگار سزاوار اور قصوروار نمکحرام ہوں جلد آتا کہ میں تیرے قدموں پر گروں تجھ سے معافی مانگوں۔ آ میرے مربی میرے رفیق جلد آتا کہ میں موت سے پہلے تیرا دیدار حاصل کروں۔ میں بھوکا ہوں تیری محبت کا۔ متوالا ہوں تیری صورت کا اے جگنو ٹمٹماتے ستارو میری رہبری کرو اور مجھے موسٰے کے پاس پہنچاؤ۔ اے ماہتاب میری بے کسی تجھے بھی نہ بھائی جب میں روشن تھا جب میرے نصیب خنداں تھے۔ جب میری قسمت بلند تھی تو تو بھی الفت کے گیت گاتا محبت بھری داستان سناتا مگر آج تو نے بھی بے اعتنائی برتی

اے خداوند کریم غفور الرحیم۔ طارق دنیا سے جاتا ہے اس کی آخری دعا قبول کر۔

میری زبان خشک ہو رہی ہے۔ ٹانگیں چلنے سے جواب دے رہی ہیں جسم میں نقاہت حد سے تجاوز کر گئی ہے۔ یا الٰہی میرے دل کے ارمان نکال

(۸)

یکایک موسےٰ طارق کے اور طارق موسیٰے کے قدموں پر گر پڑا اور یہ کہتے ہوئے آپس میں بغلگیر ہو گئے۔ "میں گنہگار ہوں میرا قصور معاف کرنا۔

ان کے دل کے ارمان نکل گئے۔ حسرت بھری مگر نہایت پُر اطمینان نگاہوں سے ایک دوسرے کو تکتے ہمیشہ کیلئے وہ جلیل القدر انسان زمین کی گود میں سو گئے۔ کچھ ہی عرصہ پیشتر وہ ستارے جو اندلس کے آسمان پر نہایت آب و تاب کے ساتھ چمکے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئے۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنیوالوں میں

(محمد یٰسین)

اعلیٰ حضرت نظام کی مساوات پرستی

"اعلیٰ حضرت حضور نظام محفل میلاد شریف میں جس میں دس ہزار مسلمان جمع تھے نہایت سادگی کے ساتھ شریک ہوئے اور حاضرین میں ایک معمولی مسلمان کی حیثیت سے بیٹھ گئے ان کے لئے کوئی خاص نشست مخصوص نہ تھی اور نہ اعلیٰ حضرت نے اپنے لئے کوئی خاص امتیاز جائز رکھا تھا یہ ہے اعلیٰ حضرت کی وہ مساوات پسندی جسکی وجہ سے اعلیٰ حضرت کی وہ مساوات پسندی جسکی سے اعلیٰ حضرت کی تمام رعایا اعلیٰ حضرت پر اپنی جان و مال فدا کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہے"۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

النّجات

دوسرا باب

اعمال

(گذشتہ سے پیوستہ)

ہر شخص کو جس قدر تعلق تینوں اقسام تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل، سیاست مدن میں سے کسی ایک کے یا دو کے ساتھ یا سب کے ساتھ ہے اس تعلق کی حالت میں وہ ایسا سلوک اور عمل اپنے ابنائے جنس کے ساتھ کرے کہ اسے فائز بکمال ہونے میں کوئی مزاحمت نہ ہو۔

انسان کا فائز بکمال ہونا یہ ہے کہ اسے فرشتوں سے برتری حاصل ہو جائے جبکہ انسان کو اشرف المخلوقات بنانے میں ذات تقدس مآب کا منشاء ہے مگر انسان کے لئے اس برتری کے حاصل کرنے میں قوائے شہوانی اور غضبانی سد راہ ہیں تاوقتیکہ حسب احکام شریعت اسلام اعمال صالح کی پابندی سے ان قوائے مخالف کو مغلوب نہ کر لیا جائے یہ برتری حاصل نہ ہوسکیگی اور نہ انسان بدون حصول برتری انسان کہلائے جانے کا مستحق ہے کیونکہ جو شخص خادم و مخدوم کے مدارج کو الٹا بنا رکھے وہ کب انسان ہوسکتا ہے اسے چاہئیے کہ اپنے درجۂ مخدومیت کی عزت کو ہمیشہ ملحوظ رکھے اور مخدوم ہی بنا رہے اور خداوند عالم کے عطا کردہ خطاب ولقد کرمنا بنی آدم کی ہمیشہ قدر کیا کرے

اے میرے مخاطبین! اتنا تو بتائیے کہ اگر آپ مہذبانہ کام کرینگے تو اپنا ہی کچھ بنائیں گے اور اگر ناشائستہ کام کریں گے تو اپنا ہی بگاڑینگے۔ اس میں اللہ میاں کو آپ کے اچھے یا بُرے اعمال و افعال سے کیا نفع و نقصان ہے قولہ تعالیٰ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ وَاِنْ اَسَأْتُمْ فَلَهَا

ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری ممتاز گورنمنٹ نے گانوؤں کے اندر ایک شخص کو نمبردار مقرر کر رکھا ہے تاکہ سرکاری کاروبار کی انجام دہی میں تاخیر واقع نہ ہو پس وہ نمبردار رات و دن مارا مارا اور گرمجوشی سے پھر رہا ہے کہ مبادا میرے عہدۂ نمبرداری پر کوئی حرف آجائے۔ اور سرکار گذاری پر روپیہ لگجانے سے میری عزت پر فرق آجائے اور میں حکام کی نظروں میں ذلیل ہو جاؤں

کاش حضرت انسان کو اتنا ہی خیال ہوتا کہ جتنا اس نمبردار کو جو دنیا کی ایک تھوڑی سی اور چند روزہ عزت کے لئے رات دن تنگ و دو کر رہا ہے۔ اور دم بھر بھی آرام نہیں لیتا۔ خداوند کریم نے محض اپنے فضل و کرم ہی سے بدون درخواست ہمارے ہمیں اشرف المخلوقات ہونے کا ایک معزز خطاب اس لئے عطا کیا ہے کہ خدا کی معرفت بھی ہوتی رہے اور دنیا کے کام و کاج بھی چلتے رہیں۔

مگر یہ انسانیت ہے یا حیوانیت کہ نہ معرفت خدا اور نہ پیروی رسول ہر وقت اپنے پاؤوں آپ کلہاڑی ماری جارہی ہے اور اپنے راستہ میں کانٹے بوئے جارہے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ معرفت صرف اسی کا نام نہیں کہ دل سے ہم نے اعتقاد کر لیا ہمارا بنانے والا اور پیدا کرنے والا ضرور کوئی نہ کوئی ہے اور وہی خدا ہے جو ہر وقت اور ہر جا حاضر و ناظر موجود ہے بلکہ معرفت الٰہی تو یہ ہے کہ جب اس کو مالک و خالق حقیقی یقین کر لیا تو اس کے احکام کی بھی اسی طرح سے تعمیل کیجائے۔ کہ جس طرح سے مملوک مالک کے ہر امر اور حکم کی تعمیل کیا کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنے مالک کے قدر شناس اور شکر گذار بن سکیں

ایک صوفی صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں کہ محض شکریہ زبان ہی سے ادا کرتے رہنے سے ہرگز شکریہ ادا نہیں ہوسکتا بلکہ شکریہ درحقیقت یہ ہے کہ اپنے مالک کی پوری پوری فرمانبرداری اور تعمیل احکام بلا تامل کی جائے۔ پس ایک بندہ کی اپنے خدا کے حضور اور سچے رسول کے نزدیک یہی شکر گذاری ہے کہ احکام الٰہی اور ضوابط نبوی صلعم کو دل سے قبول کرے اور ان کا عملدرآمد حسب ہدایت کرتا رہے۔

یہ شکر گذاری بدون پابندی شریعت اسلام ظہور پذیر نہیں ہوسکتی اور جب یہ پابندی مطابق شریعت اسلام کے ظہور پذیر ہو جائے تو اس وقت اس کا پابند ایک مہذب انسان اور خلیفۃ اللہ کہلائیگا اور سب فرشتے اس کے ایک ادنیٰ غلام بنجائینگے

ع۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ شریعت محض ایک جسمانی ریاضت ہے اور طریقت روحانی۔ تاوقتیکہ جسم کو اس ریاضت میں نہ لگایا جائے نفس سرکش و کاہل روحانی ریاضت کا کب مانوس اور خوگر ہوسکیگا۔ اور تزکیۂ قلب کیونکر حاصل ہوگا۔ پس جب تک تزکیۂ قلب حاصل نہ ہو حقیقت معلوم اور معرفت موہوم

اس تقریر سے صاف صاف ظاہر ہے کہ ان ہر چہار مقامات شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت کا دارومدار پابندئ شریعت پر ہی موقوف ہے

ع۔ ندادی تن بخاک راہ تو از منزل چہ مے پرسی

اور ہر عقل سلیم بھی یہی فتوےٰ دیتی ہے کہ ہمیشہ ترقی بتدریج حاصل ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ جب تک سیڑھی کے پہلے ڈنڈے پر قدم رکھ کر مضبوط نہ کر لیا جائے اور دوسرے اور تیسرے وغیرہ ڈنڈوں پر سے گذر نہ ہوجائے تو تب تک منزل دچھت پر

ومانحنُ فیہ ابھی مقام محمود کہاں ؎

گر خدا خواہی و ہم دنیائے دوں + ایں خیال ست و محال ست جنوں

ایسا ہی طفل مکتب ابجد لوح دل پر خوب طرح سے منقش و مرتسم نہ کرلے تو دو حرفی سہ حرفی تلفظ تک کیوں کر پہنچ سکیگا۔ گو اس وقت ابجد خواں کو الف بے کی یاد اور تکرار سوائے مغزز نی کے اور کچھ چنداں لطف نہیں دیتی۔ مگر بجز اس مغززنی اور ضبط تکرار کے وہ علوم اعلیٰ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ ہی اپنی زندگی کو مرجع عالم بنا سکتا ہے کہ جس کا فیض ہمیشہ تک باقی رہنے والا ہے

رباعی

رضینا قسمۃ الجبار فینا لنا علم وللجہال مال
لان المال یفنی عن قریب وان علم باق لا یزال
(از حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

جب آدمی بتدریج اور باقاعدہ ترقی کرتے کرتے مقام معرفت (محمود) تک پہنچ جائے تو اسے اور بھی زیادہ کوشش سے شریعت غرا کی پابندی کرنی پڑے گی کیونکہ جس کے ذریعہ اور طفیل سے یہ کمال حاصل ہوا ہے اسکی فراموشی عند اللہ اور عند الناس کفران نعمت ہے۔

ہاں اگر غلبۂ عشق آلٰہی میں اس بتدریج ترقی حاصل کرنے والے کو بالکل مست و مجذوب بنا دیا ہے ہے تو پھر یہ پابندی لازم نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت اسلام نے خود ایسے مجذوبوں کو معاف اور معذور کر رکھا ہے اور اگر شخص مذکور باوجود تحصیل کمال اور غلبۂ عشق آلٰہی مست و مجذوب نہیں ہے بلکہ باہوش و حواس ہے تو وہ ہرگز مواخذۂ شرعی سے مستثنیٰ اور بری نہیں ہو سکتا۔

پس اے میرے عزیز مخاطبین یہ امر واضح رہے کہ جو لوگ باوجود حصول التمیاز خیر و شر اپنے آپ کو اہل سکاری سمجھکر مواخذۂ شرعی سے بچنا چاہتے ہیں وہ ہرگز بری نہیں ہیں۔ بلکہ سخت غلطی پر ہیں۔

معرفت کے معنے پہچاننے کے ہیں پس جب ایک عارف کامل نے سب مدارج و مراتب کو باہم خلط ملط کر دیا تو پھر عرفان چہ معنی ۔ اور جب عرفان نہ رہا تو اس کی ضد جہالت موجود ؎

تو بس قاضیا فہم کن ایں سخن
کہ حفظِ مراتب بود مغز کُن

اس ساری بحث سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تنہا عقیدہ بغیر شمول اعمال کارآمد نہیں قولہ تعالےٰ

فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

رسول خداؐ ایک ہندو کی نظروں میں

(جناب منشی ونسہ پرشاد صاحب فدائی بی اے کے قلم سے)

نیرنگیٔ فطرت سے بلبل بے حال نہ ہو گلزاروں میں
یکرنگی کا ہے شوق اگر جا دیکھ حرا کی غاروں میں

جو ذات احد اور احمد میں ہے سر اعیاں وہ میم سے ہے
اور میم نشاں تسلیم کا ہے مشہور نماز گزاروں میں

کیا شان تجمل ظاہر تھی واللہ انوار محمد سے
وہ رعب و حشم تھا بشرے پر مخصوص ہے جو سرداروں میں

وہ نور مجسم عالم میں کس طرح نہ ہوتا بے سایہ
موجود ہے جبکہ وصف یہی ہر بزم کے شعلہ کاروں میں

گیسوئے دراز محمدؐ کی نسبت کا ناز ہے دونو کو
سنبل کو ادھر گلزاروں میں عنبر کو ادھر بازاروں میں

خورشید سخائے احمدؐ کی وسعت کی مساحت کرتا ہے
کونین مگر کھچ سکتے ہیں کب اشعر کی پرکاروں میں

تشبیہ اسے کیا چاند سے دیں جو اتنا غیر معین ہے
اعجاز سے جس کو خنصر سے دو نیم کیا تھا تاروں میں

عالم میں غریب نواز کوئی ہوگا نہ ہوا ہے حضرتؐ سا
زر صدقہ ایمان کرنے میں ممتاز تھے وہ زرداروں میں

یکجا تھے عفو و شجاعت کیا موجود وجود طبیب میں
تھا ان کو خاص شرف حاصل فطرت کے شہکاروں میں

کیا داد شجاعت دی واللہ گھمسانوں کے پیکاروں میں
کیا عفو کو جلوہ ریز کیا تلواروں کی جھنکاروں میں

گو بعد زمانہ حائل تھا اس پر بھی پیر مدینہ نے
امت سے کاہن ہندی کا کر ڈالا ذکر اشاروں میں

ابنائے جنس کی خاطر یہ آئین جہاں میں عام کیا
مشرک ہے روا جو فرق رکھے اس ذات خدا کے پیاروں میں

دنیا کو فدا یہ نعت تری ڈنکے کی چوٹ سناتی ہے
سینہ ہو جس کا آئینہ بندہ ہے وہ فرد ہزاروں میں

محمود غزنوی کا پیغام

خلیفہ بغداد کے نام

(مرزا فہیم چغتائی کے قلم سے)

چوتھی صدی ہجری میں بغداد سبحان اللہ! جنت کا نمونہ تھا۔ دنیا جہان کی نعمتیں بغداد شریف میں موجود تھیں جو چیز کہیں نہ ملتی ہو وہاں دیکھ لو۔ پھر دربار خلافت کی تو کچھ تعریف ہی نہ پوچھو۔ کیخن برستا تھا۔ ساتوں ولایت کے سوداگر۔ عالم۔ فاضل کاریگر وغیرہ ہر قسم کے آدمی جمع تھے۔

ایک دن عباسیوں کے چوبیسویں خلیفہ القادر باللہ کا دربار بھرا ہوا تھا ایک شاعر نے خلیفہ کی شان میں ایسا زبردست قصیدہ پڑھا کہ خلیفہ اور تمام دربار جھوم جھوم گئے سب پر وجد سا طاری ہو گیا۔ خلیفہ نے بھی اس کو خلعت و انعام و اکرام سے ایسا مالا مال کیا کہ نہال ہو گیا۔

ابھی قصیدہ کی کیفیت کا اثر دلوں سے دور نہ ہوا تھا کہ حاجب دربار کا حاضر ہوا تخت کو بوسہ دیا اور عصا ٹیک کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

خلیفہ۔ (محویت سے سر اٹھا کر) کیوں؟

حاجب۔ یا امیر المومنین۔ امین الملت۔ امیر الدولہ حضرت سلطان محمود غزنوی دام اقبالہ کا سفیر باریابی کا آرزو مند ہے

خلیفہ۔ حاضر کرو۔

حاجب نے دونوں ہاتھوں پر عصا تول کر آداب شاہی بجایا۔ پچھلے پیروں پلٹا اور آن کی آن میں ایک ڈھیلا ڈھالا لبادہ پہنے ہوئے لم ترنگے آدمی کو اپنے ساتھ لایا۔ اس کے پیچھے اسی قسم کی پوشاکیں پہنے ہوئے اور بھی چند آدمی تھے۔

لم ترنگا آدمی جو سفیر غزنی تھا اور تخت کے کونے کو چوم کر اپنے آدمیوں کی طرف کھڑا ہو گیا۔

خلیفہ۔ کیوں کیسے آنا ہوا۔ خیریت تو ہے۔

سفیر۔ اعلیٰ حضرت کے اقبال سے ہر طرح خدا کا فضل و کرم ہے۔

خلیفہ۔ اسوقت کس سلسلہ میں آئے؟

سفیر نے بغل سے ایک خریطہ نکال کر خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا۔ خلیفہ نے میر سفارت پر نظر ڈالی اس نے بڑھ کر خریطہ لیا۔ اور کھول کر اس میں سے ایک کاغذ نکالا۔ اسے دیکھا بھالا اور کھنکار کر خاموش ہو گیا۔

خلیفہ۔ کیا لکھا ہے سناؤ؟

امیر سفارت۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امین الملت یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی کا شقہ امیر المومنین حضرت القادر باللہ خلیفۂ بغداد کے نام بعد ولغت و سلام مسنون کے واضح ہو کہ وہ علاقے ملک خراسان کے جو خلافت مآب کے غلاموں کی جاگیر ہیں ہماری رعایا کو بخشش کر دی جائیں تاکہ حقداروں کو حق پہنچے اور ہمارے درمیان محبت اور اتحاد کی راہیں کھلیں۔

سلامتی ہو خلیفہ اور تمام مسلمانوں پر

خلیفہ۔ لو اور سنو نیکی کر کنوئیں میں ڈال۔ ہم نے تو اس شخص کو ایک مسلمان فرمانبردار سمجھکر امین الملت یمین الدولہ کا خطاب دیا اور یہ اپنی اصالت پر آ کر لگا منہ چڑھنے۔ آخر ہے نہ چاکر زادہ۔ کل کی بات ہے۔ اس کا باپ ارم آشیانی قادر باللہ کے والد طائع للہ کا اردلی تھا۔ آج اس کا یہ دماغ ہو گیا کہ ہم سے خراج وصول کرنا چاہتا ہے اگر اسے اپنے آدمیوں کی ایسی ہی رعایت منظور ہے تو اپنی سلطنت سے جاگیر کاٹے تیری میری چیز پر کیوں نظر ڈالتا ہے۔ ہماری مملکت سے اسکو کیا واسطہ اچھا فرمان لے جا۔

میر سفارت۔ (قلمدان اور کاغذ سنبھالکر) جی!

بس یہی کہ تمہاری درخواست نامنظور۔ ہوش میں آؤ۔ چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلاؤ۔ کچھ میں چیٹر کی تو یاد رکھنا ہم ایک جہان کو تم پر چڑھا لائیں گے۔ تمہاری سرکشی کو خاک میں ملائیں گے۔

دربار میں سنسنی

خدا رحم کرے جسکو دنیا کی حکومت اور دولت ملجائے وہ کہیں آپے میں رہتا ہے۔ توبہ ایسے کا اللہ بیلی۔ بڑے بڑے دھوکا کھا گئے۔ خدا کو بھولکر شیطان کے بس میں آ گئے۔

محمود غزنوی کو علاوہ بادشاہت کے خدا نے ہندوستان کا پھوٹا خزانہ دیا۔ لوٹ کھسوٹ دولت ہاتھ آئی۔ نوکر چاکر لونڈی غلام۔ ہاتھی گھوڑا فوج فاٹا۔ مال خزانہ سب کچھ موجود ہے جتنا پھولے بجا جتنا ناز کرے درست، جدھر باگ اٹھائے اقبال رکاب چومتا ہے۔ جہاں جائے فتح ہوتی ہے کسی سے ہیٹا ہے کیوں دبے۔

ترنگ میں بیٹھا تھا خلیفہ کا فرمان پہونچا۔ اُف توبہ تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی جھنجلا گیا فوراً دوسرا خریطہ بغداد کو روانہ کیا گیا

خلافت پر نہ اترانا کسی پر بھولے ہو۔ کیا چاہتے ہو کہ میں اپنے جنگی ہاتھی بغداد پر ہول دوں۔ خلافت کو ملیا میٹ ڈالوں محلوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں۔ شہر پر گدھوں کے ہل پھروا دوں اور خلافت کی مٹی ہاتھیوں پر لاد کر غزنی لے آؤں مارے غصے کے محمود کا چہرہ بھبوکا ہو گیا۔ غضبناک آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ دربار میں سنسنی پھیل گئی۔

سکتہ کا عالم

خلیفہ قادر باللہ نے طیش میں آکر بلا سوچے سمجھے فرمان بھیجنے کو بھیج تو دیا۔ بعد میں خیال آیا کہ افسوسناک غلطی ہوئی میں نے برا کیا اس قدر جلد دوٹوک فیصلہ مناسب نہ تھا مگر

اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

خیر اللہ مالک ہے۔ جو ہوگا دیکھا جائیگا۔ آخر جو سوچا تھا وہی ہوا۔ حاجب نے غزنوی سفارت کی اطلاع دی محمود کا پُرغضب شُقہ پہونچا۔ امیر سفارت نے گوشگذار کیا۔

خلیفہ نے کان کھولکر سُنا اور معہ دربار کے سکتہ میں آگیا۔ جانتا تھا کہ محمود کوئی نرم نوالہ نہیں جو فٹ سے اتار لیا جائے خدا نہ کرے کہیں ایسی ویسی بات ہوگئی اور جنگ چھڑی تو ایک عالم تہ و بالا ہو جائیگا۔ خون کی بارش ہوگی لہو کی ندیاں بہیں گی پھر نہ جانے کس کل اونٹ بیٹھے۔

سوچتا رہا سوچتا رہا اور بڑی دیر تک خوب اچھی طرح غور و خوض کرنے کے بعد ایک فرمان لکھ کر مُہر لگائی۔

سفیر غزنوی کو بہت سا انعام و اکرام قیمتی خلعت اور فرمان دیکر عزت سے رخصت کیا۔ اس مرتبہ اپنا سفیر بھی اس کے ہمراہ کر دیا کہ جیسا مناسب دیکھے کرے۔

سفیروں نے ادہر بیٹھہ موڑی ادہر خلیفہ اٹھکر آہستہ آہستہ محلوں میں چلا گیا اور سارے درباری بھی خالی گھوڑے دوڑاتے اپنے اپنے کام جا لگے۔

غزنوی دربار

محمود کے سفیر کو گئے ہوئے ہفتے گذر گئے ابھی تک کوئی خیر خبر نہیں آئی۔ یہاں لڑائی کی تیاریاں ہو چکیں۔ محمود کو اپنے سفیر کا انتظار ہے۔ ذرا بھی خلاف مرضی جواب آیا۔ کہ اس نے آنکھیں بند کر کے بغداد پر دھاوا بولا۔ افسر تا تحت سوار، پیادے کمر نہیں کھولتے کہ کیا معلوم کب کوچ کے نقارہ پر چوب پڑے

تمام درباری دیوانخانہ میں بیٹھے کانا پھوسی کر رہے تھے۔ غل ہوا کہ اعلیٰ حضرت رونق افروز ہوتے ہیں۔ سب کے سب ادب سے کھڑے ہوگئے۔ شمشیر برہنہ زنگی غلاموں کے حلقے میں ڈھال تلوار باندھے زرہ بکتر پہنے پانچوں ہتھیار کسے محمود برآمد ہوا۔ درباری شاہی آداب کے مطابق تعظیم بجا لائے۔ اور وہ تخت پر خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

اس زمانہ میں غزنی کا دربار بڑے بڑے درباروں سے مقابلہ کرتا تھا۔ وہ شان تھی کہ کچھ نہ پوچھئے۔ کسی کی آنکھ نہ اٹھتی تھی دربار میں قدم رکھتے ہی ایسا رعب طاری ہوتا تھا کہ بڑے بڑے پر حوصلہ شیر دل بہادر منٹوں بلائیں بنجاتے۔ کان نہ ہلاتے

آج جو سلطان آیا عجیب کیفیت ہے نہ منہ سے بولیں نہ سر سے کھیلیں۔ کسی کی طرف رجوع نہیں ہوتا۔ تماشہ ہو رہا ہے ایسی حرکتیں تو اس نے کبھی بھی نہ کی ہونگی کہیں پیر دھمک دیا۔ کبھی ہاتھ دھر ٹپکا۔ بھوں چڑھاتا ہے تلوار اٹھاتا ہے۔ ہونٹ چباتا ہے۔ الٰہی خیر یہ اسے آج کیا ہو گیا۔ اپھنا پڑتا ہے۔ نہ جانے کس کی شامت آئی ہے۔ کس کی قضا نے ڈیرے ڈالے ہیں

محمود کی خاموشی اور غضبناک حرکتوں سے درباریوں کے حواس ٹھکانے نہ تھے ہر ایک اپنی اپنی جگہ لرز رہا تھا کہ بابا کہیں مجھ پر ہی نزلہ نہ ڈھلے۔ مارے فکر کے سوکھے جاتے تھے۔ ایک آواز گونجی

"ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا۔ کیوں ایاز کیا بات معلوم ہوتی ہے"

ایاز۔ قربان جاؤں۔ جہاں پناہ ابھی دن ہی کے ہوئے ہیں غلام کا خیال ہے کہ شاید زیادہ فاصلہ ہونے کے سبب سے اس وقت تک سفارت کی واپسی نہیں ہوئی

محمود۔ میں بھی یہی سوچتا ہوں۔ واقعی فاصلہ زیادہ ہونے کے سبب سے دیر لگی۔

ایاز۔ بیشک جہاں پناہ بیشک۔

محمود۔ میں نے اچھی طرح ارادہ کر لیا ہے کہ اگر خلیفہ نے میری فرمائش پوری نہ کی حیلہ حوالہ میں ٹالنا چاہا تو کچھے بغیر نہ مانونگا پھر جیسے خدا دے۔

التون تاش۔ (محمود کا سپہ سالار) ضرور جہاں پناہ ضرور ذرا خلیفہ کو بھی معلوم ہو کہ سلطان کا کیا مرتبہ ہے انشاءاللہ اقبال سلطانی سے گھٹنوں نہ ٹیک نہ کر دی تو نام نہیں۔

ارسلان خاں جاذب۔ (تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر) میں بھی سالار صاحب سے متفق ہوں خدا وہ گھڑی جلد لائے کہ ذرا عربوں سے دو دو ہاتھ ہوں

محمود۔ مجھے تمہاری نمک حلالی سے ایسی ہی امید ہے۔ کیوں نہ ہو تم میرے قوت بازو ہو۔ کہیں ایسے جاں نثار دربار بغداد کو نصیب ہو سکتے ہیں۔

دونوں سردار (آداب شکریہ بجا لا کر) ذرہ نوازی ہے۔ جہاں پناہ کی نمک خوار خانہ زاد جہاں پناہ کے قدموں پر نثار ہونے کو خدا اور رسول کی خوشنودی اور ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔

ایاز۔ بجا ہے۔ اسمیں کوئی کلام نہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ یعنی اطاعت کرو خدا کی اطاعت کرو رسول کی اور اسکی جو تمہارا بادشاہ ہو۔ بیشک جہاں پناہ کی فرمانبرداری مین منشاء خداوندی کے مطابق ہے جہاں پناہ کے ایک اشارہ پر قربان ہو جانا ہماری سعادت ہے

سفارت کی واپسی

غزنوی دربار میں سفارت کے متعلق چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ کہ عرض بیگی حاضر ہوا۔ تخت کو بوسہ دیکر ایک طرف ہٹنا

محمود نے بیتابانہ لہجہ میں دریافت کیا۔

محمود۔ کیوں؟

عرض بیگی۔ ترقی ہو عمر و اقبال میں سفارت بغداد واپس آگئی

محمود۔ باریاب کرو۔

عرض بیگی سفارت پر ایمائے سلطانی ظاہر کرنے کو گیا۔ دربار میں بجلی لہر اگئی۔ سب کو یقین تھا کہ ذرا بھی سلطان کی مرضی کے خلاف ہوا اور رن پڑا۔ لوگوں کی آنکھوں میں عرب کے نیزہ باز دربار خلافت کا نقشہ پھرنے لگا بھرنے مارنے پر تل بیٹھے۔ خواہ مخواہ سینہ ابھارنے لگے۔ اکڑے جاتے ہیں۔ محمود کے سینہ میں شجاعت کا سمندر جوش مار رہا تھا۔ بے اختیار تلوار کے قبضہ پر ہاتھ جا پڑا۔ کبھی تلوار تولتا ہے کبھی دربار میں سپہ گروں پر نظر ڈالتا ہے۔ بازو پھڑک رہے ہیں۔ جی اڑا جاتا ہے۔ تخت پر اچھل اچھل پڑتا ہے۔ سفارت کے باریاب ہونے تک اس کی کیا سے کیا حالت ہوگئی۔

دربار میں سفیر حاضر ہوا۔ آداب شاہی بجالایا۔ تخت کو بوسہ دیکر خلیفہ القادر باللہ کا سر بمہر فرمان پیشگاہ بندگان عالی کیا۔ سلطان کے اشارہ پر امیر دیوان رسالت خواجہ ابونصر زوزنی نے بڑھکر ہاتھوں ہاتھ لیا اور جلدی سے کھولکر الٹنے پلٹنے لگا

محمود مضمون کے انتظار میں آنکھیں بند کئے آواز پر کان لگائے بیٹھا ہے۔ درباری کبھی کن آنکھیوں سے محمود کو دیکھتے ہیں کبھی خواجہ ابونصر پر ڈالتے ہیں۔ کبھی ادہر ادہر سر جھکا لیتے ہیں۔

فرمان خلافت

خواجہ ابونصر زوزنی فرمان کی عبارت میں الجھ گئے ہیں۔ درباریوں کا جی گھبرانے لگا۔ محمود کا دم گھٹ رہا ہے۔ خواجہ صاحب منہ سے کچھ پھوٹتے ہی نہیں۔ فرمان کی عبارت اس طرح تھی:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الم الم الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد و الہ اجمعین"

خواجہ صاحب پسینہ پسینہ ہوئے جاتے ہیں۔ بہتیرہ زور لگاتے ہیں عقل لڑاتے ہیں فرمان کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا بیسیں منٹ ہوگئے مگر وہی کہ کچھ نہیں۔

محمود کیوں کس زبان میں لکھا ہے؟

خواجہ۔ جہاں پناہ لکھا تو عربی میں ہی ہے لیکن مطلب نہیں کھلتا۔ (فرمان دکھاکر) ملاحظہ فرمائیے! بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد الم کے حروف لکھ دئیے ہیں۔ جان کی امان غلام کی عقل کام نہیں کرتی۔

محمود۔ اچھا ادہر تو لاؤ

خواجہ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے فرمان پیش کیا سلطان نے کر غور کرنے لگا۔ سوائے مرقومہ بالا حروف کے اس میں کچھ نہ تھا دربار کے فضلاء اور علماء کو دکھایا انھوں نے بھی باری باری زور لگایا۔ خود محمود نے رہ رہ کر ہر پہلو پر نظر ڈالی مگر بیکار۔ سلطان اور سارے درباری چکر میں آگئے۔ خلفائے بغداد کی لیاقتِ علمی کا زمانہ قائل تھا کیونکر خیال ہوتا کہ بے معنی عبارت لکھ کر بھیجی ہو۔ آخر یہی ماننا پڑتا تھا کہ ہماری سمجھ کا قصور ہے۔

عین اُس وقت کہ دربار میں اُلجھن پیدا ہوئی تھی خواجہ ابوبکر قہستانی نام کا ایک شخص سامنے آیا۔ یہ شخص کسی بڑے عہدہ پر نہ تھا اس لئے یکایک زبان نہ کھول سکا۔ سلطان نے خود دریافت کیا

محمود۔ کیا کہتے ہو؟

خواجہ ابوبکر۔ تخت کو بوسہ دیکر اجازت ہو تو کہہ خانہ زاد بھی کچھ کوشش کرے۔

محمود۔ خواجہ کو فرمان دیکر، ضرور لو۔

خواجہ ابوبکر۔ ایکبار فرمان پر نظر ڈالکر جی۔

محمود۔ کیا سمجھے

خواجہ ابوبکر۔ جہاں پناہ کا فرمان کیا تھا کہ ما بدولت دارالخلافہ کو پائمال کرا کے وہاں کی مٹی ہاتھیوں پر بار کرالائیں گے۔ اس کے جواب میں خلیفہ نے سورۃ فیل کی طرف اشارہ کیا ہے جس کے معنی ہیں کہ اے سلطان ذیشان حملہ سے پہلے اس سورۃ پر غور لازم ہے۔ غور کیجئے اور خدا کے کلام سے عبرت پکڑئے۔ اصحاب فیل نے کیسا منصوبہ گانٹھا تھا اور پھر کس طرح ادنیٰ پرندوں کے ذریعے سے کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیئے گئے۔ قلب پر چوٹ پڑی۔ روح پر ایمان کی بجلی گری۔ غرور کا اندھیرا فنا ہوا۔ خودی کی تاریکی چھٹی۔ سلطان کے بازو شل ہوئے۔ ہاتھ سے تلوار چھٹی۔ ایک پھریری لی اور اللہ ہو کہکر تخت پر بیہوش ہوگیا۔

معذرت

شائیں۔ شائیں۔ شائیں۔ شائیں غزنوی دربار پر خدائی عظمت طاری ہے۔ محمود تخت پر بیہوش پڑا ہے درباری سکتہ میں ہیں۔ بڑی دیر بعد سلطان کو غشی سے افاقہ ہوا اور اب وہ سرکشی کی دنیا میں نہیں عجز کے عالم میں تھا۔ اسکی آنکھیں پھوٹ گئی تھیں۔ آنسو پونچھے۔ سفیر بغداد کی طرف مخاطب ہوا اور ہچکیاں لے کر کہنے لگا۔

محترم سفیر خلافت!

گواہ رہنا تمہارے اور تمام درباریوں کے سامنے اُس شاہوں کے بادشاہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنے غرور سے توبہ کرتا ہوں کہ ایک مشتِ خاک ہو کر میں اس دو روزہ زندگی پر بھول گیا۔ دنیا اور دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ اس

عارضی حکومت کا اعتبار نہیں۔ کس کی رہی ہے اور کس کی رہجائیگی۔

نہیں بادشاہی کچھ آخر خدائی
جو ہے آج اپنی تو کل ہے پرائی

حقیقی عزت اور دنیا دین کی بادشاہت اسی کو سزاوار ہے جو پل میں گدا کو شہنشاہ بناتا ہے اور دم میں شہنشاہ کو خاک میں ملاتا ہے۔ خطا ہوئی جو میں نے تقدیس مآب اعلیٰ حضرت امیر المومنین کی شان میں گستاخی کی اب کمال عجز سے اپنے گناہ کی معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ سے توبہ کی کبھی اس قسم کا وسوسہ شیطانی دل میں نہ آنے دونگا۔ وما توفیقی الا باللہ ؛

نوجوانانِ قوم کیلئے درسِ عمل

کچھ دن ہوئے اخبارات میں دنیا کے مصروف ترین انسان "لارڈ میئر" کے خیالات شائع ہوتے تھے۔ یہ اپنے مخصوص عہدہ کے علاوہ اتنی گرانبار ذمہ داریاں اپنے سر پر رکھتے ہیں جن کی تکمیل کی عام اکابر عالم سے کوئی امید نہیں کیجاسکتی۔ وہ بیک وقت شہر لندن کے مجسٹریٹ بھی ہیں۔ شہری فوج کے محافظ بھی۔ پولیس کے رئیس اور اولڈ بیلے کے چیف کمشنر۔ پریوی کونسل کے ممبر۔ پورٹ کے امیر البحر اور سینٹ پال کیتھڈریال دگر جا کے ٹرسٹی۔ کورٹ آف ایلڈرمین اور کورٹ آف کامن کونسل کے صدر۔ ان عہدوں اور ان سے متعلقہ فرائض کا اندازہ کر کے ہر ایک آدمی متحیر رہ جائے گا۔ بالخصوص اس وقت جب اسے یہ معلوم ہو گا کہ ان تمام ذمہ داریوں کو "لارڈ میئر" بڑی خوبی سے پورا کر رہے ہیں

وہ شہر کے امن کا ضامن ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر لندن سے فوجیں نہیں گزرسکتیں وہ خطوکتابت پڑھنے کے لئے ۹ بجے اپنی میز پر پہنچ جاتا ہے بعدازاں کچہری میں جاتا ہے جلسوں کی صدارت کرتا ہے ملاقاتیں کرتا اور ضیافتوں میں شامل ہوتا ہے اور مختلف فرائض ادا کرتا ہے۔ عام طور پر نصف شب کے بعد اس کی مصروفیتیں اور مشاغل ختم ہوتے ہیں۔ عموماً تین سے زیادہ ضیافتوں میں اسے جانا پڑتا ہے۔

کاش ہمارے قومی نوجوان "لارڈ میئر" کی عملی قوت سے کوئی سبق حاصل کریں اور سمجھ لیں کہ کامیابی، عزت، شہرت اور تمول و اقتدار کی کلید صرف عمل ہے۔ جو شخص اپنے فرائض کی تکمیل کے لئے ہر وقت مستعد رہتا ہے اور مصروفیتوں کے ہجوم سے نہیں گھبراتا وہی دنیا کا کامیاب، نیک نام اور ہر دل عزیز انسان بن سکتا ہے ؛

علم

ایک بچے کی زبانی

(از جناب اصغر صاحب بدایونی)

سؤال

پوچھا کسی نے مجھکو کہتے ہیں علم جسکو || سنتے ہیں شور جسکا نزدیک و دور جس کا

اے باشعور! اس کا

تجھکو اگر پتہ ہے بتلا مجھے وہ کیا ہے

جواب

کہتے ہیں علم اس کو (۱) کہ علمداں نے جسکو
ہے نور سے پکارا
تاریک راہ میں جو
ہے راہبر ہمارا

ہے علم پاس جس کے خواہاں سبھی ہیں اسکے
مانا فقیر ہے وہ! مانا حقیر ہے وہ!
دل کا امیر ہے، وہ

چھوٹا بنے ہے بالا ادنےٰ بنے ہے اعلےٰ

تم دیکھتے ہو بچو! (۲) دنیا میں آجکل جو!
ممتاز مرتبوں پر!!! معروف منصبوں پر!!!
مشہور مسندوں پر
مقبول ہستیاں ہیں معروف ہستیاں ہیں
سوچا کبھی وہ کیا ہیں؟
مانا کبھی وہ کیا ہیں؟
وہ علم کے خدا ہیں

ٹیگور، ڈاکٹر کیا؟ (۳) دانا فلاسفر کیا

جتنے جہاں میں سارے ہیں علم کے یہ پارے
سب علم نے سنوارے
سب علم کے کرشمے سب علم کے ہیں جلوے

(۴)

سب علم کی بدولت سب علم کی کرامت
ہے کوئی علم پرور!!! تو کوئی کیمیا گر!!!
اور کوئی ہمارا لیڈر

یہ سب خطاب پیارے ہیں علم کے نظارے

دنیا کے کام سارے (۵) دیکھے انوکھے نیارے
سب علم کے ذریعے سب علم کے وسیلے
سب علم کے کرشمے

سمجھے کہ علم کیا ہے کیا اس کا مدعا ہے

عالم جہاں کے سارے (۶) اصغر سمجھے ہیں پیارے
میری نظر میں کیا ہیں؟ جو علم پر فدا ہیں؟
وہ علم کے خدا ہیں
میری نظر سے دیکھو؟ میری نظر سے جانچو؟